حیاتِ طیبہ

سیرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

مرزا حیرت دہلوی

مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۴۳

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

حیاتِ طیبہ

یعنی

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہٗ کی سوانح عمری

مع ضمیمہ

سوانح حیات امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی مرحوم

ناشر:-

مکتبۃ السلام ○ وسن پورہ ○ لاہور

طبع — سوم

تعداد — ایک ہزار

قیمت مجلد — ۵/۸/-

مطبوعہ — اشرف پریس لاہور

طابع — عبدالعزیز تاجر کتب

ناشر — مکتبۃ السلام۔ وسن پورہ لاہور

۱۹۵۸ء

نذر

ان مجاہدین کی نذر جنہوں نے اس تحریک میں
اسلامیان ہند اور عالم اسلام کی آزادی
کے لئے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ
لیا۔ اور وہ مجاہدین جو آج بھی جہاد کشمیر
آزادیٔ عالم اسلام اور استحکام پاکستان
میں حصہ لے رہے
ہیں؟

فہرست مضامین حیات طیبہ اسوۂ محمدی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اسلامی دنیا کے مذہبی اور ملکی عظیم الشان تغیر کی بھری ہوئی عبرتناک دلچسپ تاریخ اپنے ساتھ نادر واقعات کا ایک لاثانی انبار رکھتی ہے جس نے مسلمانوں کی اعجاز نما ترقی کا رنگ ملاحظہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ دنیا میں یہی ایک ایسی قوم ہوئی ہے جس نے اپنے سچے ہادی علیہ السلام کے طفیل آناً فاناً ہزاروں برس کی پُرشوکت سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اپنے عجیب وغریب فتوحات کی لین ڈوری جزیرہ نمائے عرب سے نکال کے یورپ کے جگر میں اپنے رعب کا بھالہ گاڑ دیا دریائے فرات سے بلیک سی تک اسلامی پھریرا فراٹے بھر رہا تھا اور دریائے گنگ سے جمنا تک اسلامی ہلال کا جھمکیلا پرتو چشم زدن میں پڑتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ سول جنگیں (خانہ جنگیاں) جو خلیفہ دوم کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بد قسمتی سے مسلمان خلفاء میں بھڑک اٹھی تھیں اور جن کا دہشت ناک رنگ آئندہ خونی نتائج کا اسلام کے لئے پیشین گوئی کرتا تھا۔ الحمد للہ کہ بہت جلد یہ اسلامیوں کو تباہ وبرباد کرنے والا نقشہ خوش آئندہ صورت سے بدل گیا۔ اور پھر مسلمان اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر دینی اور دنیاوی ترقی کے ذہن میں کہاں کے کہاں پہنچ گئے اور انہوں نے وہ وہ علوم اپنی سلطنت کے ساتھ ایجاد کئے جن کے یادگار ہنوز ناظر کے دلا دینے

کے لئے اپنے میں کافی مادہ رکھتی ہے۔

اسلامیوں کی خوش قسمتی کا چاند کچھ دن تک افق پر چمکتا رہا اور وہ خاندان جو خلیفہ دوم کی شہادت کے بعد خونریزی سے جنگ کرنے میں مشغول ہوئے تھے یک لخت صلح اور اتحاد سے ان کی حالت بدل گئی۔ بیت المقدس کی مذہبی جنگوں میں عیسائی سلطنتوں کے مقابلہ میں سب نے یک جان ہو کے دلچسپی کا حصہ لیا اور ذاتی اغراض کا بدنما دھبہ کہیں دیکھے بھی نظر نہ آتا تھا۔

قومی اور ملکی بہبودی کی اسپرٹ نے مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں کے مقابلہ میں فتح پر فتح دلوائی اور رچرڈ شیر دل جیسے لڑاکے بادشاہ کو اپنی بھتیجی در جینا صلح کے حوالہ کرتے بن پڑی۔

تاریخی واقعات کا یہ عجیب و غریب اتار چڑھاؤ موجودہ اور آئندہ اسلامی نسلوں کے لئے بہت کچھ سبق اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ ان واقعات کو معمولی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اور کبھی ایک حالت نہ کسی قوم کی رہتی ہے نہ کسی ملک کی مگر مسلمانوں کی بدقسمتی نے اس معمولی تغیر کو اپنے لئے خاص کر لیا اور اس کے دائرہ میں آکے وہ بہت جلد جلد اپنی حالت بدلنے لگے اور ان میں ذاتی اغراض اور خود غرضی کوٹ کوٹ کر بھر گئی اور پھر سوائے بربادی اور تنزل کے کچھ بنائے بن نہ پڑی جب بنی امیہ کا خاندان اسپین میں تباہ ہو رہا تھا اور فرڈی نینڈ مسلمانوں کو پس پا کرتا ہوا اندلس کو ہڑپ کرتا چلا جاتا تھا اور قرطبہ کے سنہری قبے اور طلائی محلات کی طرف اس کی فوج صلیبی نشان لئے ہوئے سیدھی چلی جا رہی تھی۔ اور عنقریب اسلامی

بلال کا پھریرا فرڈی نینڈ کے قبضہ میں آنے کو تھا۔ اسوقت عبد اللہ نے جو بیٹے باپ سے لڑلڑ کے کمزور ہو گیا تھا بنی فاطمہ کو مصر میں لکھا کہ میری کچھ مدد کرو۔ لیکن وہاں سے سوائے خاموشی یا انکار کے اور کچھ جواب نہ تھا۔ پھر میں نے عثمانیہ گورنمنٹ کو لکھا کہ وہاں سے بھی یہی جواب ملا جو بنی فاطمہ نے دیا تھا۔ اب یہاں سے مسلمانوں کی قومی بہبودی اور مذہبی حمایت کی صرف حالت معلوم ہوتی ہے کیا تو وہ گرما گرمی یا یہ سرد بازاری ہو گئی مسلمان سلطنتیں ایک اسلامی سلطنت کو عیسائیوں کی جابرانہ ہاتھوں سے برباد ہوتی دیکھتی ہیں اور ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

آخر فرڈی نینڈ نے قرطبہ کو فتح کر لیا یا بہ تبدیل الفاظ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلیبی نشان نے ہلالی پھریرے کو جھکا دیا۔ اندلس پہنچتے ہی جو بپتا کہ مسلمانوں پر پڑی خدا کسی قوم پر نہ ڈالے دس بارہ لاکھ مسلمان بلکہ زیادہ کے ناقابل برداشت اور بے رحم سنگین دل درشت اور خونخوار جبر سے جلا وطن کئے گئے اور کئی لاکھ مسلمان بغاوت کے جرم میں بکروں کی طرح حلال ہو دیئے گئے ان کا خون بہا افسوس ہے کسی اسلامی سلطنت نے نہ لیا نہ کوئی ان کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا یا وہ دن تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے مسلمان کے خون کی ایک بوند میں کسریٰ اور قیصر کی سلطنت نہیں سمجھتا ہوں ایرانی سرحدوں میں ایک مسلمان ایلچی کا مارا جانا کل مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔ یا یہ زمانہ آگیا کہ لاکھوں مسلمانوں کی بے گناہ گردن پر سخت بے رحمی سے ملکہ ازابلہ نے چھری پھروا دی اور کوئی ان کی حمایت کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

یہ تو سب کچھ ہوا اور تمام آفتیں جو انسان پر نازل ہو سکتی ہیں مسلمانوں پر نازل ہو گئیں بایں ہمہ پھر بھی مسلمانوں میں جان باقی تھی اور ابھی بڑی بڑی سلطنتیں ایشیا اور یورپ میں ان کی موجود تھیں مگر جب زمانہ نے ان کی بربادی پر کمر باندھ لی تھی اس کو بچانے والا کون تھا یہ تو ضرور ان کے اعمال کی وجہ سے ہونا ہی تھا وہ ہو کر رہا بغداد اس سے زیادہ بے رحمی سے ہلاکو خان بت پرست کے ہاتھ سے محض شیعہ سنیوں کے جھگڑے میں تباہ کر دیا گیا۔ اور خاندان عباسیہ پر وہ آفت برپا ہوئی تھی کہ جو دیدتھی کہ جو دید تھی نہ شنید تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان بربادیوں اور خرابیوں کا باعث کیا تھا اور کس نے مسلمانوں کو یوں تباہ کر دیا؟ اس سوال کے جواب دینے میں مسلمانوں نے بہت بہت کچھ موشگافیاں کی ہیں اور اس بے نظیر بربادی کے اسباب کا حق الواسع خوب خوب پتہ لگایا ہے اور تحقیق اور تفتیش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ آخر بڑی تلاش اور جستجو کے بعد اس قدر معلوم ہوا جیسا کہ تاریخ الدول میں علامہ امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے "علمار کے خلفشار اور باہمی جھگڑوں اور بدعتوں کے ایجاد نے اسلامی سلطنتوں میں وہ کام دیا کہ جیسے گھن لکڑی میں کام دیتا ہے۔ اگر ان ایسے علمار کے ہاتھوں سے جو بدعتوں کے بانی ہیں موجودہ سلطنیں نہ بچائی گئیں تو کہیں ڈھونڈے سے بھی کسی اسلامی کا نام و نشان نہ ملے گا۔"

امام ممدوح کی یہ رائے از حد قابل وقعت اور لائق تحسین ہے اس میں شک نہیں جس نے خدا اور رسول کے خلاف رستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔

ہندوستان کا ذکر یہ تغیر و تبدل اور ترقی و تنزل ابھی ہندوستانی حدود کے باہر مسلمانوں میں ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زیادہ ترقی پر تھی لیکن افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کی ملکی ترقی کے آگے مذہبی بہبودی برابر کم ہوتی چلی جاتی تھی۔ اور اس کی وجہ خاص وہ عظیم الشان اتحاد تھا جو ہندو مسلمان میں قائم ہوتا تھا۔ جب سے مسلمان ہندوستان میں آئے تھے آخر دم تک ان کے ہوسناک طبائع فتوحات کی طرف مائل رہیں اس لئے نہ کوئی اسلامی کالج کی بنیاد پڑی اور نہ بغداد کی طرح دارالعلوم بنائے گئے۔

پہلے یہی صورت خاندان عباسیہ کی بغداد میں تھی کہ ملکی فتوحات اور سول جنگوں کے آگے انہیں علمی ترقی کی مطلق خبر نہ رہی تھی مگر وہ اپنی غلطی پر بہت جلد آگاہ ہو گئے تھے اور انہوں نے علمی دنیا میں وہ نمایاں ترقی کی تھی جو اب تک یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے افسوس ہے ہندوستان کی تعیش خیز آب وہوا نے مسلمانوں کی اس حالت کو بدل دیا اور ایسی عظیم الشان سلطنت کے یکایک ہاتھ لگ جانے سے کچھ ایسے سرخوش اور بے خود ہوئے کہ اپنی آئندہ نسل کی بہبودی کا خیال ان کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیا ہو گیا۔

ہندوستان میں اکبر کی سلطنت ایک پُرامن اور پُرشوکت سلطنت کہلائی جا سکتی ہے مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بنی فاطمہ اور بنی امیہ اور خاندان عباسیہ کے علوم کی لین ڈوری ہمالیہ پہاڑوں کو پھلانگ کے نہ آسکی اور ہمیشہ مسلمانوں نے تلوار ہی پر اپنی قسمت کا فیصلہ دیکھا۔ بظاہر ہندوستان میں دنیاوی جاہ و جلال اور سلطانی جبروت کو شوکت ہوتی جاتی تھی لیکن اسلامی علوم مٹتے جاتے تھے اور ان

کی طرف توجہ کم ہوتی جاتی تھی اکبر کے بعد اس کے بیٹے جہانگیر کی حکومت گو پُر امن
تھی مگر نورجہاں کے ہاتھوں میں پڑ کر اس کی بنیادیں متزلزل ہوتی گئیں۔ وہی شیعہ
سنی کا پرانا مہیب جھگڑا پھر تازہ ہو چلا تھا لیکن جہانگیر کی قبل از وقت وفات نے
اس کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد شاہجہان کی حکومت نے گو اسی اکبری رنگ کو قائم
رکھا پھر بھی ہندوستان کی نئی صورت بدل گئی اور فن عمارت کی ایک شان معلوم
ہونے لگی اس کی یادگار تاج بی بی کا مقبرہ اور جامع مسجد وغیرہ اب تک قائم
ہیں ساتھ ہی اس کے یہ حسرت و افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ مذہبی علوم کی اتنی ترقی نہ
ہوئی یہ سلاطین برائے نام حنفی المذہب کے تھے لیکن حضرت ابوحنیفہ کے فقہی اصول
جن کا تعلق ملکی معاملات سے تھا بہت کم فوجداری اور دیوانی معاملات میں دخیل
تھے۔ یہ بادشاہ اپنی ملکی شوکت کو اپنے زور سے قائم رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں
ابھی یہ خیال نہ گزرا کہ علوم جدیدہ سے جو اندلس اور بغداد میں مسلمانوں نے ایجاد
کئے تھے اپنی شوکت بڑھاتے۔ پھر عالمگیری دور دورہ آیا یہ اور بھی زیادہ آئندہ
نسلوں کے لئے خوفناک ثابت ہوا گو عالمگیر کی ملکی پالیسی بڑی زبردست اور پُر
رعب تھی مگر اس کی یہ خواہش کہ ہندی حکومت کو مذہبی حکومت بنا دوں بڑی نادانی
گویا اس نے سنگلاخ چٹانوں پر ہیزل چلا کے بیج ڈالا اور اس کے بار آور ہونے کی
امید کی۔ عالمگیر بے شک عمدہ دوست تھا اس کا مذہب حنفی تھا اور جس سلطنت کی
اس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے قائم رکھنے کے لئے عالمگیر سے بھی زیادہ پُر رعب
تجربہ کار اولو العزم عاقل مدبر سلطان کی ضرورت تھی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے بیٹے
بہادر شاہ میں عالمگیر کی عقل و رائے اور زبردست طبیعت کا ایک سواں حصہ

بھی نہ تھا پھیلا دہ کیونکر اپنے باپ کی نئی سلطنت کو سنبھالتا دوسرے بڑا غضب یہ تھا کہ وہ شیعہ المذہب تھا اور اس نے اپنی قلیل مدت حکومت میں شیعہ گروہ کو سینوں پر سبقت دی اس تدبیر نے اور بھی ایک تخلل عظیم اسلامی ہندی سلطنت میں برپا کر دیا بنی بنائی عمارت کی بنیادی چرچرا گئیں اور عالمگیر کی اکیاون برس کی محنت اس کے بیٹے بہادر شاہ نے ملیامیٹ کر دی۔

حنفی مذہب جو فاتحان ہند اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے تھے بجائے کہ وہ فتوحات ملکی کے ساتھ ہندوستان میں ترقی کرتا الٹا کچھ ایسا بت پرستی اور ہندوانی رسوم کے ساتھ خلط ملط ہو گیا کہ پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا مشکل ہو گیا۔

سلطانی حرم سرائے میں جہاں بہت کچھ اسلامی رسومات کی شاعت کی امید کی جاتی تھی زیب النساء کی جدت پسند طبیعت نے ہندوانی رسومات سے نئی نئی باتیں تراش کے خواتین اسلام میں انکو رواج دیا گناکت جو ہندوؤں کے ہاں مردوں کی فاتحہ کے لیے سالانہ حلوا پوری پکائی جاتی ہے شب برات کی حلوا پوری سے اس کا تبادلہ کر دیا اسی طرح سے اور بے ہودہ رسمیں شادی بیاہ کی جو ہندوؤں کے ہاں خواص تھیں وہ دوسرے ناموں سے مسلمان کے ہاں داخل ہو گئیں ان کی اشاعت کی وجہ صرف خدا اور رسول کے احکام سے ناواقفیت تھی جو ہندو مسلمان ہوتے تھے ان کو تلقین دینی کرنے کے لئے نہ کوئی اسلامی کالج تھا نہ دارالعلوم تھا وہ بیچارے مسلمان ہوتے ہی جو اپنے بھائی مسلمان کو دیکھتے تھے کرنے

لگتے اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ ہندووانی رسمیں اسلامی رسومات کہلانے لگیں اور بغیر کئے کسی مسلمان کو چارہ نہ تھا۔

شخصی تقلید کے دوسرے معنے لے کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ یہ عمل بھی ایک برائے نام عمل تھا کاش ابو حنیفہ کے ہی اقوال پر عمل ہوتا تو اتنے مسلمان نہ بگڑتے۔

مولینا اسمٰعیل شہید کے ظہور کی تمہید

عالمگیر تک تو حنفی مذہب میں کچھ جان باقی تھی اور عالمگیر کو بھی اس طرف خیال تھا کہ کل دربار کا مذہب حنفی ہو جائے۔ لیکن اس کے جانشینوں کی تعیش خیز حالت نے اس تخم اہش کو بھی مسلمانوں کے دل سے نکال لیا اور اسلام ہندووانی مذہب کے ساتھ مل کر کچھ ایسا گھی کھچڑی ہو گیا کہ ذرا بھی شناخت قائم نہ رہی کلام مجید کی آیتیں جو خاص ہدایت کے لئے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے نازل ہوتی تھی جھاڑ پھونک میں ان کا استعمال ہونے لگا اور جیسا برہمن گیتا کے ورس پڑھ پڑھ کے کسی بیمار پر پھونکتے تھے اسی طرح مسلمان بھی قرآن شریف کی آتیں پڑھ پڑھ کے بیماروں اور مستانوں پر پھونکنے لگے۔ بدعت کی صد ہا شاخیں پھوٹ آئیں اور ہر شخص طرح طرح کی بدعتوں کا موجد بن گیا۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی ارکان کو اول دن سے ضعف تھا اور بے چارہ حنفی مذہب کبھی کا یہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس کا ثبوت ڈاکٹر برنیر کا سفرنامہ دے رہا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے،

میں نے عالمگیری دربار کو جیسا پر شوکت پایا اسی قدر اس کے امرا کو مذہب

اسلام کی طرف سے ضعیف دیکھا کوئی امیر ایسا نہیں ہے جس کے ہاں دس دس بارہ بارہ نجومی ملازم نہ ہوں جو کام وہ کرتا ہے جب تک نجومی نہیں بتا دیتا اسے اس کام کرنے کی مبادرت نہیں ہوتی میرے آقا کے ہاں جس کے ہاں میں ملازم ہوں ایک درجن جوتشی اور نجومی ملازم ہیں۔" بھلا جب عالمگیر جیسے پابند شرع کے سلطنت میں یہ بدعت پھیلی ہوئی تھی تو اس کے کمزور جانشینوں کے زمانہ کا کیا کہنا۔

علماء کا گروہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا اور علوم دین کی انتہا شرح ملا پر رکھی گئی تھی ساتھ ہی ایک مذہبی تنزل کی بے ہودہ تصانیف کا زور ہوا اور وہی کتابیں درس میں داخل ہو گئیں بڑے بڑے شرفا اور علماء جو بڑے ڈینگ کی لیتے تھے اور کوئی اپنے کو نجاری کوئی بغدادی کوئی مکی کوئی مدنی بخاری جاتا تھا۔ اس کی خواتین سیتلا ماتا کی پرستش کرتی تھیں۔ دسہرہ ان کے ہاں پوجا جاتا تھا۔ بت پرستی خوب دھڑا کے سے ہوتی تھی عیدین میں بھی ہنود کی رسمیں ایسی طاری تھیں کہ عید عید نہ رہی تھی۔ مسجدوں کا ادب مطلق نہ رہا تھا۔ اور وہ شہنشاہ جو اپنے کو ظل اللہ اور نائب رسول کہنا بڑا فخر جانتے تھے۔ سالانہ نو روزی جشن میں ہاتھوں میں کنگنا بندھوانا اپنی شوکت کی بانکی جانتے تھے۔

کلام مجید کی وہ گت بنی تھی کہ العظمۃ اللہ۔ اس کی روشن آیتیں بیہودہ اور خرافات مشاعروں میں شاعر بطور مضحکہ استعمال کرتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا۔

مولانا شہید کے ظہور کا زمانہ قریب ہے

اب ہم محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں آتے ہیں۔ جو انتہا درجہ کا ملکی اور

مذہبی پہلو سے تاریک تر اور ناپاک تھا۔ شریعت محمدی پر مضحکہ خیز نکتہ چینیاں عین دربار میں بھی ہوتی تھیں اور مے نوشی کی لذتوں اور سرخوشانہ اور بےخودانہ حالتوں کے آگے احادیث نبوی پر قہقہے اڑائے جاتے تھے چند بیچارے عامل حدیث اپنی جانیں چھپائے ہوئے کہیں کسی گوشہ میں پڑے ہوئے اور اپنی جانوں کے خوف سے ذرا بھی اکس نہ سکتے تھے وہ ڈوم دھاری جو محمد شاہ کے ارکان دولت تھے روز مذہبی نقلیں کرتے تھے اور ان نقلوں میں خدا اور اس کے پاک نبی کی توہین کی جاتی تھی۔ جھوٹے جھوٹے فتوے لکھے جاتے تھے اور انہیں قلعہ کی چار دیواری میں مشتہر کیا جاتا تھا گویا یہ سلسلہ تھا خدا اور نبی پر جھوٹے طوفان اٹھانے کا شریعت غرا میں جن امور کو سختی سے منع کیا ہے وہ بہت شوق اور بہت دھوم دھام سے کئے جاتے تھے۔ اور ان کا کوئی روکنے والا نہ تھا۔ درباریوں کی ہمہ دانی ایک مثال کافی ہے کہ جب نادرشاہ کا ایلچی آیا اور اس نے نادر کا رقعہ دیا تو تین برس تک اس میں جھگڑا ہوتا تھا کہ نادر کو القاب کیا لکھا جائے۔ ایسے ایسے ہمہ دان لوگ دربار کے زیور بنے ہوئے تھے یہ اسلامی سلطنت تھی اور یہ اس کا مذہب تھا۔

ڈوموں کے عروج کے تصوف کو رونق دی اور صوفیوں نے وہ ہاتھ پیر پھیلائے کہ رہا سہا اسلام کا نام اور بھی مٹ گیا تصوف گو کیسی فرقہ روش کیتھولک سے نکلا ہے پھر بھی یہ مذہب ہر طرح سے تابع تعت ہے اس کا پہلا اصول انکساری ہے جو اسلام میں بڑا رکن مانی گئی ہے گو شریعت محمدی کی پوری تقلید کرنے میں مذہب تصوف ہمیشہ قاصر رہا پھر بھی اس مذہب نے جو پہلو اسلام

کا اختیار کیا ہے اس سے کوئی دھبہ اسلام کے دامن پر نہیں لگتا۔ مگر یہاں ان جلیل القدر صوفیوں کا ذکر ہے۔ جن کے پاک نفوس سے اسلامیوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچا۔ اور انہوں نے اپنی وہ وہ اعلیٰ اعلیٰ تصانیف چھوڑی ہیں جو اب تک موجودہ نسلوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں مگر ہندوستان میں محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جس تصوف نے رنگ جمایا تھا۔ وہ اسلامی توہین کا اپنے میں بہت بڑا مادہ رکھتا تھا امرد پرستی اور ناپاک عشق کا صوفیوں کی مجلسوں میں عروج ہوا اور اس قبیح زبون تر رسم امرد پرستی نے یہاں تک زور کیا کہ علماء کو لغات کی کتاب میں لفظ علت مشایخ بڑھانا پڑا۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک نہایت شرم اور ذلت کی بات ہے کہ ان کے لغات کی کتابوں میں ایسا لفظ جس کا مفہوم یہ ناپاک اور غلیظ ہو کہ جس کو زبان پر لاتے ہوئے سخت شرم آتی ہے اور بے غیرت سے بے غیرت آدمی عرق عرق ہو جاتا ہے موجود ہو محمد شاہ کے زمانہ میں اس جھوٹے تصوف اور قابل نفر صوفیوں کو جس قدر عروج ہوا وہ تاریخ میں ایک نامور زمانہ ہوا۔ اکثر عظیم الشان جلسوں میں اللہ ہو کی صدائیں اور جھوٹے صوفیوں کے چٹخاروں کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی تھیں اور ان میں وہ وہ خرافات باتیں ہوتی تھیں کہ جو قابل بیان نہیں نہ قانون انگلشیہ اجازت دیتا ہے کہ ان کی پوست کندہ حالت لکھی جائے نہ ہماری محمدی تہذیب حکم دیتی ہے کہ ہم ان غلیظ حالات کا ایک فقرہ بھی معرض تحریر میں لا سکیں۔

ان مکتبوں میں برائے نام شاہجہان آباد (دہلی) میں قائم تھے سوائے کا بیتوں کی بے معنی تصانیف کے اور کچھ نہ پڑھایا جاتا تھا نہ علم حدیث تھا۔ نہ

صورت میں جلوہ دینے لگے تھے۔ مثلاً روزہ شراب اور بھنگ کے پیالہ سے کھولا جاتا تھا۔ اور نماز حالت مخموری میں پڑھنا برا کام نہ خیال کیا جاتا تھا۔ رہا نکاح اس کی تو سب سے بری کیفیت تھی جتنی رسمیں اہل ہنود کے ہاں جاری تھیں وہ سب نکاح میں برتی جاتی تھیں پھیرے ہونا پنڈت کا آ کے شلوک پڑھنا وغیرہ جن رسموں کا کچھ کچھ نشان اب مسلمانوں کی شادی بیاہوں میں پایا جاتا ہے۔ جوں جوں اسلامی ہندی سلطنت کو ضعف ہوتا گیا بدعتوں کا جوش وخروش بڑھتا گیا۔ اور وہ ناقابل بیان عادتیں مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا بن گئیں کہ جن کی پہلے کبھی امید نہ کی جاتی تھی۔

مسلمانوں کی جدت پسند طبائع ان رسومات میں جو انہوں نے ہندوؤں سے لی تھیں روزمرہ نئی نئی تراش خراش پیدا کرتی تھیں اور ان کو کفر والحاد کی سی خوش نما رنگ آمیزی میں رنگتی تھیں کہ ہر برتاؤ بیران پر شیدا ڈالہ دکھائی دیتا تھا

محمد شاہی دربار میں تین سو برہنہ کسبیاں ہر وقت ناچ کرتی تھیں اور جب وہ تھک جاتی تھیں اور تین سو ان کی جگہ لے لیتی تھیں۔ شراب کا دور ہر وقت جاری رہتا تھا۔ اور قلعہ میں بیگموں کے چال چلن کی جو کچھ کیفیت تھی وہ پیرس کے تماشاگاہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتی ہے بیگمیں کون تھیں؟ اکثر ڈومنیاں بازاری کسبیاں۔ راجپوتنیاں میواتنیاں تھیں جن پر کسی زمانہ میں محمد شاہ نے فریفتگی ظاہر کی تھی۔ اور وہ بیگم بن کے قلعہ کی چار دیواری میں مقید ہو گئی تھیں۔ قلعہ میں عموماً نصف برہنہ عورتوں کا پہرہ رہا کرتا تھا یعنی ناف سے اوپر تک تو وہ زرق برق پوشاک میں آراستہ ہوتی تھیں پانچوں ہتھیار زیب تن رہتے۔ اور

ناف سے نیچے تک کا جسم بالکل برہنہ ہوتا تھا۔ گو یا یہ بات بظاہر سخت تعجب اور حیرت کی معلوم ہوگی لیکن وہاں یہ ارزل حالت انسانی ایک معمولی حالت تھی اور کوئی عیب بھی نہ سمجھتا تھا۔

شرع محمدی میں تو شاید (جیسا کہ مشہور ہے) چار نکاحوں کی اجازت ہے لیکن وہاں کوئی امیر ایسا نہ تھا کہ جس کا گھر سو سو پچاس پچاس بیویوں سے نہ بھرا ہوا ہو۔ ان پر وہ شدید شدید مظالم توڑے جاتے تھے کہ جن کے سننے سے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ ایک بے گناہ خاتون کے لئے اپنے خاوند کی ذراسی خفگی سبب موت ہوجاتی تھی برائے نام فوجداری اور دیوانی عدالتیں قائم تھیں اور یہ بھی مشہور تھا کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل ہوتا ہے۔ مگر یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں تو ایک آدھ جگہ فقہ حنفی کی تعلیم بھی دیجاتی تھی لیکن اب حنفی مذہب کا نام عنقا صفت ہوگیا تھا۔ یہ دستور تھا کہ جب تک برہمن حکم نہ کرے قاضی کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کی مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر ان بیہودہ عملوں کی سزا اہل دہلی اور محمد شاہی دربار کو خدا کی طرف سے دی گئی نادر شاہ کے دھاوے اور تیمور لنگ کی صورت میں۔ ان دو سخت قتل عام ہوا جس کے حالات کے خونی حروف اب تک زمانہ کی پیشانی پر لکھے ہوئے ہیں۔

خدا کی طرف سے گویا مسلمانوں کو یہ ایک تازیانہ تھا۔ کہ اب بھی وہ اپنی حالت کو سنبھال لیں۔ لیکن یہ قوم کچھ ایسی اپنی بد نصیبی کے نشہ میں مخمور تھی کہ ایسے سخت تازیانہ سے بھی نہ چونکی پر نہ چونکی۔

اب ہم محمد شاہ کے دو جانشینوں کا حال قلم بند کرتے ہیں۔ ذرد دہلی

کی تاریخی تباہی کا بیان کر کے اپنے ناظرین کا وقت نہ لیں گے۔ صرف اس زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہ جب بادشاہ دہلی سرکار انگلیشیہ کے پنشن خوار بن کے قلعہ میں رہتے تھے۔ اور جلیل القدر علماء کا ایک خاندان اپنی تابانی دکھا رہا تھا

یہ زمانہ اکبر شاہ کا ہے جب ہمارے شہید کا ظہور ہوا تھا۔ اس زمانہ کی کیفیت بھی قابل بیان ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ایسے وقت میں شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ہونا کس قدر ضروری اور لابد تھا۔ اکبر شاہ گو سرکار انگریزی کے پنشن خوار تھے۔ لیکن ان سے برتاؤ بہت اچھا ہوتا تھا۔ اور انکی ہماری عزت وہی قائم تھی۔ کہ جیسے کسی خود مختار رئیس کی ہوتی ہے۔ مرہٹوں نے بیچارے شاہ عالم سے جو کچھ ذلیل برتاؤ کیا تھا اس کو انگریز سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بادشاہ کی عزت قائم رکھنی اپنا اصول سلطنت جانتے تھے اس زمانہ میں مسلمان گویا بالکل تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اور اب ان کی سلطنت بھی باقی نہ رہی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی مصیبت زدہ حالت سے کچھ عبرت پکڑتے الٹا وہ اور بھی بدتر حالت میں اپنی زندگی گزارنے لگے۔ اور جو کیفیت کہ مسلمانوں کی محمد شاہ کے وقت میں تھی اس سے اب ذلیل تر ہو گئی۔

علماء کا خاندان گو بہت کچھ اصلاح کر سکتا تھا۔ لیکن وہ کچھ ایسا دب ہوا تھا کہ سوائے معمولی فتوے دینے کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا شاہزادوں کی عجیب و غریب کیفیت تھی انہوں نے جامع مسجد کو جو مسلمانوں کا ایک پاک اور برتر مقام گنا جاتا ہے۔ اپنا دیوان خانہ اور عیش و عشرت کی جگہ بنا رکھا تھا۔ ہر سال نوروز میں رنگ برنگ کے انڈے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لڑائے جاتے

تھے اور ان پر جوا کھیلا جاتا تھا۔ جامع مسجد کے اندر حوض کے گرد اگرد خوانچہ والوں
کی کثرت اور خریداروں کی جماعت عجیب کیفیت پیدا کرتی تھی۔ شہزادے امیرزادے
عوام الناس دونے لے لے کے مزے اڑاتے تھے۔ اور پھر دونے وہیں پھینک
دیا کرتے تھے۔ صبح کو روزمرہ دونوں کا ایک ڈھیر ملتا تھا۔ کوئی عالم یا فاضل یا
قاضی یا مفتی یہ کہنے والا نہ تھا۔ کہ جامع مسجد کی کیسی توہین کی جاتی ہے۔ اور
خدا کے گھر کی کیسی بے ادبی ہے کہ یہاں سودے والے سودے بیچتے ہیں اور
کوئی منع نہیں کرتا۔

قلعہ میں قرآن مجید کی آیتوں کے نئے نئے حقارت انگیز نام رکھے ہوئے تھے
اور ان ہی ناموں سے وہ آیتیں پکاری جاتی تھیں مثلاً سورہ یٰسین کا نام نادی[۱]
سورۃ رکھا تھا۔ اسی طرح ہر سورۃ کا نام یوں ہی قرار دے لیا گیا تھا قرآن شریف
کی تلاوت یا نماز پڑھنا قلعہ میں تو خصوصاً عیب ہی گنا جاتا تھا ہر شہزادے
کے ہاں دو دو تین تین ڈوم سارنگی اور ستار طبلہ وغیرہ بجانے کی تعلیم کے
لئے لازم تھے۔ اور وہ استاد کے نام سے ہر انجمن میں پکارے جاتے
تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حرام حلال کی ذاتی شناخت نہ رہی تھی۔ اور
ہر فرد بشر خواہ کسی درجہ اور طبقہ کا ہو۔ رنڈی اپنا مذہب سمجھتا تھا۔

---

[۱] ہندی عورتوں کی بولی میں بیٹھ کر لکھتے ہیں بلکہ یہ ایک رسم ہو گئی کہ ایسے شخص کے سرہانے بیٹھ کر جو
جاں کنی کی حالت میں ہو اور اس کا دم نکلتا ہو۔ سورہ یٰسین پڑھا کرتے ہیں اور یہ مشہور ہے
کہ اس کے ختم ہوتے ہی مریض مر جاتا ہے۔ اس لحاظ سے قلعہ میں سورہ یٰسین جیسی کی سورت
مشہور تھی۔ اس کا نام لینا سخت درجہ منحوس اور بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ بھلا جہاں الہامی
سورتوں کی یوں توہین کی جائے۔ وہ جگہ کیوں نہ غارت ہوگی۔

غرض کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں اسلام کی ذرا بھی بو آتی ہو۔ ہاں شیعہ میں کو تعزیہ کی سواری کی دھوم دھام کسی قدر اسلامی گزشتہ شوکت کو یاد دلاتی تھی۔ ملانوں نے جہالت پر غضب کی ہاتھا چھانٹی کر رکھی تھی نئی نئی قسم کی بدعتوں میں انہیں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ شب برات کے حلوے اور عید کی سویاں تو ایک معمولی بات تھی۔ لیکن بیوی کی صحنک۔ شیخ سدو کا بکرا۔ سید احمد کبیر کی گائے بڑے پیر کی گیارہویں۔ مردوں کی نا واجب فاتحہ۔ پھول دسواں۔ چہلم وغیرہ وغیرہ وہ قابل تنفر رسمیں تھیں۔ جنہوں نے ملانوں کے صدقہ میں ان پڑھ مسلمانوں میں گھر کر رکھا تھا۔ ہر مہینے بڑے پیر کی گیارہویں بڑے شد و مد سے کی جاتی تھی۔ اور اسے دین اسلام کا ایک رکن عظیم جان کے انجام دیا جاتا تھا۔ یہ مجلسیں جو مذہبی مجلس کہلاتی تھیں ان میں غربا کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ ان کو دھکے دئے جاتے تھے۔ اور وہاں ان کا قدم تک آنا سخت منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ جاہل امرا گیارھویں کرتے تھے۔ اور اس پردہ میں اپنے عیاش دوستوں کی دعوت کرنا مقصود ہوتا تھا۔ گیارھویں بظاہر ایک بزرگ اسلام کی یادگار کا ایک جلسہ ہے اگر اسے مذہب اسلام کا جامہ نہ پہنایا جاتا۔ بلکہ دنیادی صورت میں بطور ایک یادگار کے سالانہ جلسہ کیا جاتا۔ تو کچھ نہ تھا۔ لیکن کٹ ملانوں نے غضب یہ کیا کہ بڑے پیر کی گیارہویں کو فرمودۂ خدا و رسول ٹھہرا دیا۔ اور جاہلوں کو اس طرح ورغلایا کہ وہ گیارھویں کو عین اسلام سمجھنے لگ گئے۔

قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن

بیچارے معنے نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے بالکل نابلد تھے۔ کٹ ملاؤں نے یہ سمجھا دیا کہ قرآن شریف کے معنے پڑھنے گناہ مول لینا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت وہ بُرا برتاؤ دیتا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ فتحپوری میں ملاؤں نے کیا تھا۔ جب ولی اللہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔ اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں برپا ہوگیا۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھادی گئی۔ اب جہلا کبھی قبضہ میں نہ آئیں گے۔ اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس خیال سے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی۔ اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیونکر قتل کیا جائے۔ ان کٹ ملاؤں نے جن کا بہت کچھ زور شہر کے بدوضع لوگوں۔ اکھاڑوں۔ پٹے بازوں پر پھیلا ہوا تھا۔ چند بدمعاش جمع کئے۔ اور اب وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ ہمارا فاضل بزرگ ان کے اس غیر خوش آئندہ شیوہ سے بالکل ناواقف تھا۔ اس محب رسول کا خیال مسلمانوں کی اصلاح کی طرف مائل تھا۔ اس لئے اسے چنداں سازش کی پروا نہ تھی۔ نہ یہ خیال تھا کہ یہ کسی نہ کسی وقت باعث مضرت ہونگے چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے۔ اور آپ ہی نمازیوں کی جماعت کے امام تھے۔ ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا۔ کہ دروازہ پر غل وشور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ اور لوگ کچھ غیر معمولی طور نیمچہ شمشیر لئے ہوئے معلوم ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کھٹکا ضرور تھا۔ کہ شہر

کے کٹ جانے نے کبھی نہ کبھی کچھ آفت برپا کریں گے، اور اب آپ نے اس کا
ظہور ہوتا ہوا دیکھا، آناً فاناً میں یہ خبر ان کے ساتھیوں کو جو آپ کے پاس
بیٹھے تھے، پہنچ گئی، اور اب وہ سٹ پٹائے، کیونکہ ان کی تعداد بہ نسبت
مفسدوں کے بہت کم تھی، وہ پانچ چھ سے زیادہ نہ تھے۔ اور مفسدوں کی تعداد
سو سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی، یہ مفسد گو پورے عزم سے آئے تھے، لیکن اتنی
ہمت ان میں نہ تھی کہ مسجد میں گھس کے شاہ صاحب کو شہید کر سکتے، جب شاہ
صاحب کو تحقیق معلوم ہو گیا کہ یہ میرے قتل کیلئے زغہ کر آئے ہیں انہوں نے اپنے دوستوں
سے کہا، کہ تم جان بچا کے چلے جاؤ، اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہوتے دو،
لیکن انکی حمایت اسلامی نے یہ گوارا نہ کیا، اور وہ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کے
کہنے لگے، کہ جب تک جان میں جان باقی ہے، آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے، نتیجہ یہ ہوا،
کہ شاہ صاحب جنکے ہاتھ میں صرف ایک پتلی سی لکڑی تھی، اللہ اکبر کہہ اٹھے، اور اکبر کہبار کی دلی
والے دروازہ کی طرف چلے، دونوں دروازوں سے سمٹ کے مخالفوں نے اس دروازہ کو
روک لیا، اور باآواز بلند کہا، دیکھو ولی اللہ نکل نہ جائے، شاہ صاحب نے بآواز
سن کے نہایت دلیری اور متانت سے یہ سوال کیا، کہ میں نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے،
جس سے تم میری جان کے دشمن ہو گئے ہو، اور میرے قتل پر آمادہ معلوم ہوتے ہو،
انہوں نے جواب دیا، کہ تو قرآن کا ترجمہ کر کے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری
وقعت کو کھو دیا ہے، دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑتا جاتا ہے، اور ہمارے معتقد
کم ہوئے جاتے ہیں، یہ بہت بڑا صدمہ تو نے نہ صرف ہمیں پہنچایا، بلکہ ہماری آئندہ
نسلوں کو پہنچایا، ہماری اولاد کی آئندہ زمانے میں اتنی بھی وقعت نہ رہے گی،

جتنی سب تمہاری ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے یہ جواب دیا، کہ خدا کی نعمت تم خاص کرنا چاہتے تھے، میں نے عام کر دی۔ کچھ دیر تک یہ رد و بدل ہوتی رہی، آخر شاہ صاحب نے مع ساتھیوں کے جو آپ کو حلقہ کئے ہوئے تھے، دروازہ کی طرف قدم بڑھایا، کٹ ملا نے سینہ تان تان کے آگے آ کھڑے ہوئے، کہ ہم نہ جانے دیں گے۔ اس پر شاہ صاحب کے ایک ساتھی نے تلوار کا وار کرنا چاہا، بدمعاش جو سب ہتھیاروں سے آراستہ تھے، مجموں کو آمادہ دیکھ کے بھچکے، اور اب انکے ہوش پراں ہوئے، وہ بدمعاش اکھاڑہ کے پہلوان تو نہ جنگیوں میں زیادہ غلو رکھتے تھے، بھلا وہ ایسی قلیل جماعت کی برہنہ تلواروں کے آگے کیوں ٹک سکتے تھے جو سچے دل سے اسلام پر جان دینے کو تیار تھے۔ اس وقت شاہ صاحب کو بھی جلال آ گیا تھا، اور ابراہیمی مصطفٰے خون آپ کی رگوں میں زور زور سے حرکت کر رہا تھا، آپ نے اپنے غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا، اور اس جماعت کو چیر نے پھاڑتے نکلے چلے گئے۔ کل بدمعاش اور منافق کٹ ملا دیکھنے کے دیکھتے رہ گئے، اور کسی کی ہمت نہ پڑی، کہ کوئی حملہ شاہ صاحب پر کرتا، حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے ؎

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ سنا، تو انہیں بہت رنج ہوا، رنج کے سوا بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے، قلعہ میں ان کی اتنی وقعت نہ تھی، جتنی کہ ان کے علم و فضل کی ہونی چاہیئے، جو اثر شاہ ولی اللہ صاحب کا مدینہ، مکہ، در نجد پر تھا، انہوں نے کہ وہ دہلی میں نہ تھا۔ ہاں کسی قدر امراء کی سفارش بہت جلد چل جاتی تھی، اور

بیچارے شاہ صاحب کی کوئی نہ سنتا تھا؎

اسی شب تمام کنبے کے ممبر جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا، کہ اب کیا کرنا چاہیئے، یہ صاف معلوم ہو گیا تھا، کہ شاہ ولی صاحب کے ملانے جانی دشمن ہو گئے ہیں، اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے، کہ وہ شاہ صاحب کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہر دہلی سے نکال دیں، قصہ مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سفر عرب اختیار کیا، اور منافقان اسلام کو رات چپیتا ہوا، اور ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوا چھوڑ گئے

جب شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ظہور ہوا۔ دربار دہلی؛ اور اہل دہلی کی یہ کیفیت تھی، ارکان اسلام بدعتوں کے پیروں کے نیچے پامال کئے جا رہے تھے، اور نئی نئی بدعتیں روز روز ایجاد ہوتی تھی، لیکن کوئی منع کرنے والا نہ تھا، اس زمانہ میں شاہ عبد العزیز صاحب کے علوم کا مہر جہاں تاب اپنی خوب تابانی دکھا رہا تھا لیکن اس کی تابانی نہ اہل قلعہ پر پڑی تھی، اور نہ عمائدین شہر پر، اکثر پردیسی اور چند غریب شہری آپ کے معتقدین میں سے تھے، شاہ عبد العزیز صاحب کے علم و فضل کا سکہ گو دہلی کے ہر فرد بشر پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس کا یہ اثر نہ تھا، کہ جو بدعتیں ملانوں کے کہنے سے عوام الناس اور عمائدین شہر کرتے تھے، ان میں کچھ کمی آتی،

شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی مخالفت کا خوفناک نظارہ ملاحظہ کر لیا تھا، اس لئے آپ احتیاطاً وہی باتیں اپنے وعظ اور تلقین میں فرمایا کرتے

؎ ناظرین! یہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب (قدس سرہ) ہیں جن کو آج علمی ہندوستان اپنا واجب التعظیم استاد مانتا ہے، مگر اس زمانہ میں یہ حالت تھی، جو مصنف نے بتائی ہے، بالکل سچ ہے سہ

یا ملکوں اللہ تیا متی انت مقمر   علی الحر حتی لا یکون لہ رضا

تھے، جن پر اکثر الناس کا اتفاق ہو، اور کوئی اس سے کسی حالت میں مخالفت نہ کر سکے، ایسے بدعت خیز و شرک انگیز زمانہ میں ضرور ایک ایسے نفس کی ضرورت تھی، کہ جو سچے اسلام کا نور چمکائے، اور ارکان اسلام کی خوب دھوم دھام سے اشاعت ہو، وہ باتیں جن سے سراسر اسلام کی توہین ہوتی ہے مٹادی جائیں، بدعت اور سنت کو علیحدہ کر لیا جائے، اور اس بت پرستی کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر پھینک دی جائے جس میں دہلی کا خصوصاً اور ہندوستان کا عموماً بچہ بچہ مبتلا تھا۔

ناقابل برداشت بدعتوں اور شرمناک شرکوں کی حد ہو چکی تھی، اور کہیں برائے نام دیکھنے سے بھی اسلام کا پتہ نہ رہا تھا۔ اکبر شاہ پیر پرست اور گور پرست تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کو پیر بناتا تھا، اور انہیں ولی اللہ جانتا تھا، کہ جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہو، جنکی زلفیں لمبی لمبی اور عطر میں ڈوبی ہوئی ہوں جو پور پور چھلے پہنتے ہوں، جن کے کپڑے لفیس گیروے رنگے ہوں، اور جو طبلہ کی چوٹ اور تول کی ہائے ہائے پر طرفت سے گیتیں بھرنا جانتے ہوں، جن کے ساتھ قبر کی پوجا ہوتی ہوں، ایسے منحوسوں کی تعظیم قلعہ میں بہت دھوم سے کی جاتی تھی، بادشاہ مع بیگموں کے ان کے پاس خود آیا کرتے تھے بیگمیں ان برادران کی اولاد پر حلال تھیں، اور وہ ایک نگاہ کی محتاج رہا کرتی تھیں، یہ زبوں حالت تھی اہل قلعہ کی بھلا پھر حامی دین علمائے کبار کی ان لوگوں کے آگے کیا خاک عزت ہوگی۔ جب مولانا فخر الدین صاحب کی ہیبت بائل دبی تھی، جو اب پیدا ہوئی، نماز پڑھنے آتے تھے، تو لوگوں کا اس قدر مجمع ہوتا تھا، کہ تل رکھنے کی بھی جامع مسجد میں بھی جگہ نہ ملتی تھی، بڑے بڑے رئیس یہ آرزو کرتے تھے، کہ کسی طرح مولانا صاحب کے جامہ کا دامن ہی مس کر

ہیں، لیکن ان کے مقابلہ میں جب شاہ عبدالعزیز صاحب جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے، تو سوائے چند محمدیوں کے اور کوئی ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا،

اس کی بالکل وہی مثال ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جب ہجرت کی ہے تو صرف حضرت صدیق اکبرؓ ساتھ تھے، مگر اس کے مقابلہ میں ابوسفیان کا بہت بڑا گروہ تھا۔ عوام الناس ایسے مجمعوں کو خدا کی طرف سے مقبولیت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات نہیں، یہ نری شیطانی باتیں ہیں اور انہیں اسلام اور ہادی اسلام کے اصولوں سے کوئی تعلق نہیں، دامن چومنا، دامن پر بوسہ لینا۔ یہ رومن کیتھلک کے عیسائیوں کا شعار ہے جو ان کے ہاں دو ہزار برس سے اب تک جاری ہے، اسلام ان باتوں سے کوسوں دور ہے نہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن چھوائے، نہ آپکے چار خلفاء نے ایسی زشتی اور زبونی کی، پھر غیرت حق کو حرکت ہوئی، اور ایسی حالت میں کہ جب علم دین بالکل مٹ چکا تھا، اور ہندوستان میں اسلام کا خاتمہ ہو چکا تھا، شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ظہور ہوا۔ اور اس نے اپنے قوت بازو اور تائید ایزدی سے شرک بدعت کی تمام ظلمت کو مٹا کے حق کا نور چمکا دیا، اور بدعت و سنت میں فرق کر کے دکھا دیا، یہ ایک ایسی زبردست خدا کی امانت تھی، کہ سوائے شیر اسلام کے اور کوئی نہ اٹھا سکتا تھا، اسی بہادر نے اٹھائی، اور اسی میں کامیاب ہوا، فقط

پہلا باب

نام، لقب، خطاب، ولادت، تعلیم

اسمٰعیل نام، شاہ صاحب، قاطع بدعت لقب، شہید خطاب، شاہ صاحب کی تاریخ ولادت میں کسی قدر اختلاف ہے، مختلف روایتوں کو دیکھ کر ۱۲ ماہ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ صحیح معلوم ہوتے ہیں، فطرت کو پہلے منظور تھا، کہ آپ کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہو، جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے ہندوستان میں لاثانی ہو، اور اس خاندان کا ہر ممبر آسمان علم کا مہر جہاں تاب ہو، یہ خاندان جس کی نسبت میں چند جملے تحریر کرنا چاہتا ہوں، اپنی خاص نوعیت اور ذاتی صفات اور عام نفع رسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، مہذب ممالک میں جہاں تہذیب و شائستگی نے قول ہار دیا ہے، ایسے خاندان بہت کم دکھائی دیتے ہیں، کہ جن کے ہاں کئی پشت سے علم وفضل کی ایک ہی ہو، اور صدی ڈیڑھ صدی تک کہ اس خاندان کا خاتمہ ہو جائے ہر ممبر اپنی لیاقت اور ضمیری جوہروں میں لاثانی اور عدیم المثال ہو،

فطرت نے یہ عظیم الشان شرف شاہ اسمٰعیل صاحب کے خاندان کو دیا تھا شاہ عبدالرحیم صاحب، جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے دادا تھے، ایک عجیب لیاقت اور غریب قابلیت کے شخص تھے، آپ کے ضمیری اور روحانی جوہر اپنے میں گہری ممتازیت کی نمود رکھتے تھے، آپ جیسے علم تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، اسی طرح علم حدیث اور فقہ میں آپ کو ثانی تھا، جس نے ہندوستان میں سب سے پہلے درس و تدریس

کی بنیاد جاپڑی ہے۔ وہ شاہ عبدالرحیم صاحب تھے۔ وہ ربانی اسرار اور الہامی نکات جو قرآن حدیث کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں انہیں مسلمانوں پر ظاہر کیا۔ اور علم رسولؐ کی طرف سب کی دعوت کی لیکن صدیوں کی غفلت جو مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی محض تلقین اور وعظ سے نہیں جاتی تھی شاہ عبدالرحیم صاحب نے ہرچند کوشش کی لیکن آپ کی کوشش بدعت اور شرک کے دریا کی خوفناک موجوں اور دہشت انگیز لہروں سے ہم نبرد نہ ہو سکی اور بس پا ہو کے کنارہ پر واپس چلی گئی اس ناکامی پر بھی یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ایک ایسا بیج بو دیا کہ بعد ازاں آپ کی اولاد کی کوشش سے پھلا پھولا اور لہلہایا اور آخر شاہ اسمٰعیل صاحب کی بیش بہا کوششوں سے اس درخت میں پھل لگا۔ اور الحمد للہ کہ وہ اب تک پھل دے رہا ہے اور تر و تازہ ہے۔

ہندوستان کی قسمت میں اول دن سے لکھا ہوا تھا کہ یہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی علوم کا حصہ نہ لے اور اندلسی اور بغدادی علوم کی جان بخش ہوائیں یا تو ایک طرف سے ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں سے ٹکرا کر رہ جائیں یا بحر ہند کی موجوں میں دوسری طرف غرق ہو جائیں یا تیسری جانب سے ہندوکش کے خوفناک سلسلے گرگرا کے وہیں گم ہو جائیں

شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے پہلی ضرورت ہندی مسلمانوں میں علم نبوی کی اشاعت کی دیکھی واقعی ایک بہتر الہامی خیال تھا جو بجلی کی طرح آپ کے دماغ میں کوندا شاہ عبدالرحیم صاحب نے ایک مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی اس تعلیم نے چند سال میں اپنا قیمتی اثر مسلمانوں

پڑ ڈالا۔ اور اب جوق در جوق آپ سے حدیث سیکھنے کے لئے آنے لگے گویا
اسی تاریخ سے مذہب بدعت اور شرک کے ساکن سمندر میں تحریک سی پیدا
ہونے لگی۔ مگر یہ خفیف تحریک ایسی نہ تھی کہ ایک بڑے عظیم الشان سمندر میں
محسوس ہوتی اور ایک تموج خیز طوفان اس میں پیدا ہوتا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب
تو انسانی فطرت کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ معمولی
تحریک جب تک کہ اسے خود نہ کیا جائے اور اس پر ثانی نہ پھیری جائے کبھی سہولت
اور آسانی سے کھایا نہیں جاسکتا اس لئے انہوں نے اپنی کوششوں کو بظاہر
ناکامی کا جامہ پہنتے ہوئے دیکھ کے کچھ ہراس نہ کیا۔ وہ ہمیشہ دل میں یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ
ناکامیاں خوش قسمتی ہیں کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ مرض جس طرح بڑا ہوتا ہے لیکن اس
مرض کو مبارک کہنا چاہیے جس کا انجام صحت ہو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ
کام تھوڑا کرنا چاہتی ہے مگر صلہ زیادہ چاہتی ہے۔ اس فطرت پر جب محنتوں کا صلہ
بظاہر ناکامی ملے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت طبیعت کی کیا کیفیت ہو
گی اور وہ کب تک جوانمردی کے ساتھ شوق کے میدان میں قدم جمائے گی۔ مگر
وہ پاک نفوس جنہیں فطرت سے مناسبت کا حصہ ملا ہے اور ربانی جلال پیدا ہونے
کے بعد دل میں جگہ دیتا ہے۔ وہ کبھی ظاہر ابتر اس سے مایوس نہیں ہوتے اور
ہمیشہ اپنی قیمتی محنتوں کا صلہ آئندہ نسلوں کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب نے جو مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ گو اورنگ زیب
کی طرف سے اس کی مطلق سرپرستی نہیں کی گئی۔ اور نہ شاہ کی طرف
سے طلبہ ... مگر دن بدن مشہور ہوتے چلے گئے اس مدرسہ کی خاص رونق ہو گئی اور

اب بعض لوگوں کی زبان پر یہ مقدس الفاظ آنے لگے کہ بخاری میں یہ حدیث آئی ہے اور ابوداؤد یہ حدیث نقل کرتے ہیں یہ بات قابل ریمارک ہے ایسے بہت کم علماء تھے کہ جن کے پاس بخاری ہوتی یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تفسیر کبیر کے دیکھنے کی جب ضرورت ہوتی تھی تو شاہی کتب خانہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم تفسیر اور حدیث کا کس درجہ کم رواج ہندوستان میں تھا کہ ایسے جلیل القدر علماء کے پاس تفسیر کبیر تک نہ تھی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب اتنے بڑے فاضل تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسا فاضل اجل شخص یہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے علم کے آگے ایسا ہوں جیسے بحر کے آگے قطرہ یہ کچھ شاعرانہ مبالغہ اور بیجا تعریف نہیں ہے بلکہ جس نے شاہ عبدالرحیم صاحب کی تصانیف اور ان کے حواشی کو دیکھا ہے۔ جو آپ نے معقول اور حدیث وفقہ کی کتابوں پر چڑھائے ہیں وہ ان سے شاہ ولی اللہ صاحب کے اس قول کی صداقت پوری پوری اندازہ کر سکتا ہے۔ پس بدعت و شرک کے زمانہ میں جب لوگوں نے علم نبوی کو بالکل بھلا دیا تھا اس خاندان کے علم و فضل کی آوازیں ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر مسلمانوں کے ممالک روم و شام میں پہنچتی تھیں۔ اور جس مسئلہ میں مکہ مدینہ کے علماء میں جھگڑا پڑتا تھا وہ ثالث بالخیر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز کو بناتے تھے ملا رشید ی مدنی اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے جو خط وکتابت ہوئی ہے اس سے ہم اپنے دعوی کی سند لے سکتے ہیں ایک خط میں ملا رشیدی نے یہ لکھا ہے۔

"شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا اثر بلاد اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتوٰی میں آپ کی مُہر کا متلاشی رہتا ہے، اور وہ فتویٰ جب تک اس پر آپ کی مُہر نہ ہو تو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آویں تو ہم لوگوں کے لئے بڑے افتخار کی بات ہے۔ اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بہت بڑی عزت کریں۔"

اس خط سے اس مقبولیت کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی بلاد اسلامیہ میں تھی اس کو ربانی مقبولیت کہتے ہیں اور یہ اصلی علم و فضل ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان کچھ حد سے زیادہ مقبول انام تھا اور اس محترم خاندان کا ہر ممبر اپنی معاشرت کچھ اس طرز کی رکھتا تھا کہ کٹ ملاؤں کا دست تظلم دراز ہونے کا موقع نہ پاتا تھا۔ آخر اسلام کا نصیبہ جاگا۔ اور شاہ اسمٰعیل شہید صاحب جیسا خیر اسلام پیدا ہوا۔

فطرت نے پہلے ہی شاہ صاحب کے لئے قاطع بدعت کا لقب موزون رکھا تھا۔ اس جلیل القدر خاندان علماء میں یہ شرف آپ ہی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آپ کھلم کھلا بدعتیوں اور مشرکوں سے مخالفت اور اپنی خطرناک حالت سے صاف طور پر احادیث نبویہ کی تلقین کریں۔

جب مسلمانانِ ہند کی خراب حالت حد تک پہنچ گئی تو فطرت نے شاہ عبدالغنی صاحب کے ہاں آپ (اسمٰعیل) کو پیدا کیا۔ آپ کی طفلانہ نظریں جب آپ اپنے گہوارہ میں تھے اس آئندہ اصلاح کی جو مسلمانوں میں ہونے والی تھی۔ پیشین

گوئی کرتی تھیں گو آپ دبلے پتلے اور نحیف پیدا ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی فراخ پیشانی اس بڑے نصیبہ کی گواہی دے رہی تھی جو آپ کو آئندہ حاصل ہونے والا تھا۔ شاہ عبدالغنی صاحب کی یہ رائے ہوئی کہ اس بچہ کو کسی شریف انّا کا دودھ پلایا جائے۔ لیکن آپ کی والدہ بی فاطمہ نے (باوجودیکہ وہ بہت ضعیف تھیں) یہ منظور نہ کیا۔ اور ایسے ہونہار بچہ کو خود مدتِ شرع تک دودھ پلایا بچپن میں آپ حد سے زیادہ غریب اور خاموش تھے۔ شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ کچھ ایسا عجیب اور غریب ہے کہ رونا مطلق نہیں جانتا اس عجیب اور شریف بچہ کا بچپن میں ایسی دھیمی اور حلیم فطرت تھی۔ لیکن جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے مزاج میں انکساری آتی گئی جن سوانح لکھنے والوں نے آپ کو تیز مزاج لکھا۔ ان کی غلطی اور اصلی واقعات سے کم علمی ہے بکا خلق جب آپ چھ برس کے تھے۔ ایسا تھا کہ کل بچے آپ کے ساتھ کھیلنے میں خوش رہتے تھے آٹھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن حفظ کر لیا اور یہ حفظ طوطے کی طرح نہ تھا۔ بلکہ آپ کو کل قرآن کے معنی پڑھائے گئے تھے۔ گو اس زمانہ معصومیت میں زبانی نکات اور الہامی غوامض کو سمجھنا تو بہت مشکل پھر بھی اکثر توقعوں پر جب اپنے ہم عصروں میں کھیلتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا ہے اور تم یہ کرتے ہو۔

ظاہری کتابی تعلیم جو ہر بچہ کو دی جاتی ہے یہ ضرور نہیں ہوتا کہ ہر بچہ تعلیم معلم قوم بن جائے۔ مگر جسے فطرت اپنی بانگی اور ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کے ضمیر کو پہلے ہی ربانی قابلیتوں اور ضمیری جوہر دل سے آراستہ کر دیتی

ہے۔ ایسی حالت میں اگر اسے ظاہری تعلیم بھی نہ دی جائے جب بھی کچھ حرج
و دقت نہیں ہوتا اور اس کے ضمیری جوہر ایک نہ ایک دن اصلی تابانی اور
درخشانی دکھاتے رہتے ہیں۔

اس جلیل القدر خاندان میں جس میں شہید اسلام کا ظہور ہوا ایک عجیب بات
یہ تھی کہ کوئی بچہ کسی غیر مولوی کا شاگرد نہ تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ پڑھا
اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب سے پڑھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب
نے جو کچھ تعلیم پائی وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے غرض اس عجیب
الاعتصام خاندان کا ہر ممبر اپنے ہی باپ یا چچا کا شاگرد ہوتا تھا۔ اور حقیقت
میں جب یہ بات تھی کہ یہ خاندان سرچشمہ علوم تھا پھر یہاں کا بچہ کیوں کسی
بیرونی عالم سے تعلیم پاتا۔ یہ افتخار بھی ہندوستان میں اسی خاندان کو حاصل ہے

شاہ اسمٰعیل صاحب نے دس برس کی عمر میں صرف نحو کی کتابیں اپنے
والد بزرگوار سے نکال لیں اور ابھی آپ کی گیارہ بارہ برس کی ہی عمر تھی کہ آپ
نے علم نحو میں ایسا کمال پیدا کر لیا کہ بڑے بڑے تجربہ کار لگا نہ کھاتے تھے آپ
کے بعد آپ نے معقول کی کتابیں شروع کی گئیں۔ جناب جس کا دماغ کامل عقل سے
پیدا ہوا ... نے کیا تھا اسے ان معمولی کتابوں کا پڑھ لینا کیا مشکل تھا۔ ایک
ابھی سال نہیں ہوا تھا جب آپ صدرا شروع کی تھی آپ کے ساتھ اور بھی کئی بڑی عمر کے
لڑکے شریک تھے مگر قدرتی آپ ہی تھے۔ صدرا جو علم منطق میں ایک بڑی لاینحل
کتاب شمار ہوتی ہے تمہید میں اس کے پانچویں مقام کے اس کے بہت سے مقامات
مقامات ہیں چونکہ عرصہ دراز سے ریاضی کا علم بالکل اٹھ گیا ہے اس لئے وہ ایسی لیسی کتاب ہو

جن کا کچھ بھی تعلق ریاضی سے ہوتا بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل صاحب آٹھ آٹھ دس دس صفحے صاف پڑھ جایا کرتے تھے۔ لیکن کبھی کسی مقام پر رکتے نہ تھے نہ کوئی بات دریافت کرتے تھے۔ نہ آپ مطالعہ کرتے تھے نہ گھر میں جاکے سبق یاد کرتے تھے۔ تو اکثر یہ ہو جاتا تھا۔ کہ جب آپ دوسرے دن سبق پڑھنے کے لئے کتاب کھولتے تھے تو یہ بھول جایا کرتے کہ کل سبق کہاں تک پڑھا تھا۔ ایک سن رسیدہ شخص عبد الکریم بخاری آپ کا ہم سبق تھا اور وہ شاہ صاحب کے لگاتار بے پڑھے گئے پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اور بہت سے مقامات بغیر سمجھے رہ جاتے تھے۔ ایک دن شاہ صاحب ورق گردانی کرنے لگے اور انہیں اپنے کل کے سبق کا پتہ نہ لگا اس پر وہ بخاری ہنس کے کہنے لگا میاں صاحبزادے کبھی مار کر نشان لگا دیا کرو کہ کتاب کھولتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہیں نے کل یہاں تک پڑھا تھا۔ یہ سن کر شاہ اسمٰعیل صاحب ہنسے اور کچھ جواب نہ دیا

جتنے طلبا شاہ صاحب کے ساتھ پڑھتے تھے خوش ایک بھی نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ہر طالب العلم صدرا کے ہر ہر مقام پر بحث کرتا اور اسے سمجھنا چاہتا تھا اور یہاں سوائے رواں عبارت پڑھنے کے نہ کہیں رکنا تھا نہ کسی مشکل مقام کو دریافت کرنا تھا۔

جب آپ ایک روز صدرا کے مشکل مقام کو پڑھ رہے تھے تو بخاری کو یقین تھا کہ یہاں یہ لڑکا ضرور ٹھہرے گا۔ اور اس مقام پر ضرور ردّ و قدح ہو گی لیکن جب اس نے دیکھا کہ صاحبزادے صاحب کی یہاں بھی وہی کیفیت

ہوئی تھی اور مقامات میں ہوئی تھی تو وہ جھلا گیا۔ اور اس نے جل کے یہ سوال کیا
صاحبزادے تم کچھ سمجھتے بھی یا یونہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو۔ شاہ صاحب نے
نہایت حلیمی اور انکساری سے جواب دیا آپ کی سمجھ میں اگر کوئی بات نہ آئی
ہو تو آپ دریافت فرما لیں۔ اس نے فوراً یہ سوال کیا کہ اسی مقام کو سمجھا دیجئے
جس کو بلا دریافت کئے آگے بڑھ گئے۔ شاہ عبدالغنی صاحب اور کل طلبا کی نظریں
آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور ہر شخص یہ دیکھتا تھا۔ کہ دیکھیں یہ بغیر استاد
سے سمجھے اس مشکل مقام کو کیونکر حل کرتا ہے۔ گویا یہی دن آپ کی قابلیت کے
امتحان کا تھا۔ اس ہونہار بچہ نے اس عمدگی اور صفائی سے اس مقام کو چٹکیوں
میں سلجھا دیا اور وہ وہ معنے بتائے کہ سب دنگ رہ گئے پھر صدرا کے حاشیہ پر
اعتراض کیا اور کہا کہ اس نے جو کچھ معنے لکھے ہیں وہ غلط ہیں یہاں اس
تقریر کو نقل کر کے زیادہ وقت ناظرین کا نہ لوں گا۔ ہاں اس قدر لکھنا ضروری
جانتا ہوں۔ کہ یہ وہ عالم فطرت تھے کہ اگر میر باقر داماد ہوتا تو ان سے شاگردی
کرتا ؎

جب آپ اس قریب قریب لاینحل مطلب کا حل کر چکے۔ اور اپنی جوہری
جوہروں کی سب کو بانگی دکھا دی تو شاہ عبدالغنی صاحب کی خوشی کا اندازہ نہ
تھا۔ طلبا شرمندہ ہو گئے اور بخاری صاحب تو ایسے چت ہوئے۔ کہ پھر
انہوں نے سیدھا بخارا کا راستہ لیا۔

جب منطق کی وہ معمولی کتابیں جو اس وقت درس میں تھیں شاہ صاحب نے

ف مولانا شہید کے جو معتقد علوم عقلیہ کا پڑھنا ناپسند کرتے ہیں غور کریں

ختم کرلیں تو آپ نے حدیث شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھنی شروع کی۔ علم حدیث ایک بڑا دشوار گزار علم ہے اس کی اہمیت کو وہی شخص جانتا ہے جسے حدیث کا کچھ علم ہے۔ بایں ہمہ شاہ صاحب کو یہ مشکل علم بھی پانی تھا۔ مہدی کرامت علی صاحب حیدرآبادی فرمایا کرتے تھے ہیں مولانا شہید کا حدیث میں ہم سبق تھا مجھے خوب معلوم ہے انہوں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا نہ پڑھتے ہوئے کو کبھی دہرایا۔ عام طلباء جو آپ کے ساتھی تھے مولانا شہید کو بے پرواہ کہتے تھے اور انہیں یقین تھا۔ کہ پڑھنے کی طرف مولانا کی توجہ نہیں ہے شب و روز تیر اندازی، گولی چلانا۔ اور گھوڑے پر چڑھنے کے سوا وہ کبھی کتاب کو کھول کے بھی نہیں دیکھتے۔ روزمرہ اس قسم کی باتیں سن سن کے شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے مجمع میں مولانا شہید سے یہ شکایت کی کہ تم کھیل کود میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو لیکن مطالعہ کتب نہیں کرتے۔ انھیں نے عرض کیا آپ مجھ سے پڑھا ہوا کچھ دریافت فرمائیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے سامنے مولانا شہید سے دریافت کیا۔ آپ نے فرفر بتا دیا۔ اور اس عمدگی سے بیان کیا کہ طلباء کا کل مجمع دنگ ہوگیا۔

ذہانت اور حافظہ یہ فطرت کی خاص بخششیں ہیں۔ جو بعض بعض نفوس کو عطا ہوتی ہیں۔ مولانا شہید کا خمیر کچھ ایسا قابل بنا تھا کہ اس پر تجلیات ربانی کا پرتو بخوبی پڑ سکتا تھا۔ اور ہمیشہ وہ قوت جو نکات کے سمجھنے میں طولی رکھتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کا جوش اس روشن ضمیر میں پیدا ہوتا رہتا تھا ایسی صورت میں نہ کسی کی تعلیم کی اتنی ضرورت تھی نہ مطالعہ دیکھنے اور مغز پچی کرنے

ان کی آواز میں اثر لہجہ ۔ درد خود بخود پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور ان کی نگاہ میں وہ قدرت ہوتی ہے کہ جس کی طرف نگاہ بھر کے دیکھا اور اپنا رام بنا لیا ۔ یہی کیفیت شاہ اسمٰعیل صاحب کی تھی آپ کو ایک ایسی خاص بخشش عطا ہوئی تھی جس کی ایک زمانہ تک خود مولانا شہید کو خبر نہ تھی پھر دوسرے اس جوہر کی کیونکر شناخت کر سکتے

یوں تو اس واجب الاحترام جلیل القدر خاندان کا ہر ممبر یکتائے روزگار اور فرید العصر تھا لیکن مولانا شہید کی تعلیم کا ڈھنگ سب سے نرالا درحقیقت گو ۱۶ برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے تھے پھر بھی یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اتنی سی عمر میں فارغ التحصیل ہونا اور پھر ہر کتاب کو ازبر یاد رکھنا اور ان سے صدہا نکات اور باریکیاں پیدا کرنا یہ خاص صفت خدا کی طرف سے مولینا شہید ہی کو عطا ہوئی تھی ۔

فطرت کو چونکہ آپ سے ایک عظیم الشان کام لینا تھا اس لیے جتنی صفتیں ایسے پاک نفس کے لئے لازم ہوتی ہیں وہ سب آپ میں موجود تھیں ۔

تمام دینیات کی کتابوں کو اس چھوٹی سی عمر میں پانی کی طرح پی جانا گو بادی النظر میں مولانا شہید کی ذہانت اور حدت نظر پر دال ہے لیکن عمیق اور عمیق نظریں خوب سمجھ سکتی ہیں کہ ایسے ایک پاک نفس کا پیدا ہونا خدا وند تعالیٰ کا بہت بڑا بھید تھا جس کی کنہ کو کسی قدر وہی پاک نفوس پہنچ سکتے ہیں جنہیں کلام ربانی سے دلچسپی ہے اور جنہوں نے وہبی تعلیم روحانی ذریعہ سے پائی ہے حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے ۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اسے معلوم ہے — تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

مولانا شہید جب فارغ التحصیل ہوئے تو لوگ آپ کے پاس فیض پانے کے لئے آنے لگے اور اسی چھوٹی سی عمر میں سب نے آپ کو اپنا مقتدا تسلیم کر لیا۔

تقریر نہایت شستہ منجھی ہوئی تھی اور آپ ہر مطلب کو اس عمدگی سے بیان فرماتے تھے۔ کہ لوگ ہونٹ چاٹتے ہی رہ جاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تقریر اور بیان مشہور انام تھا۔ اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور ہو چکی تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے کہ ان کے وعظ سے ہر مذہب اور ملت کا شخص خوش ہو کے اٹھتا ہے حقیقت میں یہ پولیسی عمدہ اور لائق ہے اور ہر شخص اس امر کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن مولانا شہید کی تقریر میں جو صفت تھی۔ وہ عجیب نرالا و غریب سحر سے بھری ہوئی تھی۔ لوگ گھروں سے ارادہ کر کے جاتے تھے کہ مولانا کی مخالفت علی الاعلان وعظ میں کریں گے لیکن وہاں سوائے خاموشی کے کسی کو چارہ نہ ہوتا تھا۔ سامعین میں سکوت سلطنت کرتا تھا کیا مقدور تھا کہ وعظ میں کوئی کسی کی طرف اشارہ بھی کرے۔ مولانا شہید کے زمانے میں تعلیم و تعلم کا کا سلسلہ غارت ہو گیا تھا۔ شرفا اپنے بچوں کو مکتبوں میں بھیجنا عیب خیال کرتے تھے۔ اور شہزادے تو گویا دشمن تعلیم ہی مشہور تھے۔ اس لئے تعلیم کا کوئی سٹینڈرڈ اور معیار نہ تھا نہ کوئی ایسی ترتیب تھی جس کے موافق بچوں کو تعلیم دی جائے۔

گو مولانا شہید کے خاندان میں پہلے بچہ کو ریاضی پڑھایا کرتے تھے تاکہ اس کی طبیعت میں سلامت روی آ جائے۔ گو یہ طریقہ شہر میں اور کسی خاندان میں جاری

نہ تھا لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں ابھی تک اس کی مضبوطی سے
پابندی کی جاتی تھی۔

اس لحاظ سے ضرور ہوا کہ پہلے مولانا شہید بھی ریاضی پڑھیں چنانچہ انہیں
اول اقلیدس کے اصول موضوعہ و علوم متعارفہ پڑھائے گئے۔ اس وقت مولانا
شہید کی عمر شکل سے چھ یا ساڑھے چھ برس کی ہوگی مولانا شہید کی معصوم فطرت
نے بہت جلد اقلیدس کے یہ لازمی اصول نقش دل کر لئے اور انہیں کچھ ایسی دلچسپی
ہوئی کہ وہ کھیل کود میں بھی اقلیدس کو کھپانے لگے۔ مولانا شہید کی معصوم طبیعت
کا اس لاجواب دلچسپی سے پورا امتحان ہوگیا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے
چچا نے یہ سمجھ لیا کہ اسمٰعیل کی طبیعت میں اعتدال اور سلامت روی ہے، اور اس
کی ذات سے یہ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ضرور جوانی میں ہر علم کے حاصل کرنے
میں زیادہ سرگرم ہوگا۔ اور اس کی لیاقت و قابلیت فخر خاندان خیال کی جائے گی چنانچہ
بہ تحقیق معلوم ہوا کہ مولانا شہید نے ایک مہینے کے عرصہ میں اقلیدس کے چار مقالے
ازبر کر لئے طوطے کی طرح سے نہیں۔ بلکہ ان سے نئی نئی شکلیں بھی حل کرنے لگے
ایک تو شاہ عبدالعزیز صاحب جیسا استاد، اور دوسرے مولانا شہید جیسا ذہین
طباع عالی دماغ بچہ پھر بھلا وہ سرعت ترقی کیوں نہ کرے گا۔ اور لاکھ دو لاکھ طلبا
میں اپنے کو افضل کر کے کیوں نہ دکھائے گا۔

پانچواں مقالہ شروع کرانے سے پہلے ضرور تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب حساب
پڑھائیں تا کہ پانچواں چھٹا مقالہ جس سے اربعہ متناسبہ بنا ہے بخوبی سمجھ میں آسکے
حساب کے پورے قواعد مولانا شہید نے پندرہ دن میں ضبط کر لئے لیکن عملی ضبط

کے لئے بھی دو ڈھائی مہینے کی اور ضرورت تھی جو پیارے شہید نے نہایت سرگرمی سے بے معمولی محنت سے حاصل کیا اسی طرح جبر مقابلہ علم مثلث مساحت وغیرہ وغیرہ غرض ریاضی کی جتنی شاخیں تھیں سب واجب الاحترام شہید نے طے کر لیں اور اب ریاضی میں لاجواب ہو گئے

ریاضی کے بڑے بڑے مسائل واجب التعظیم شہید چٹکیوں میں سمجھا دیتا تھا اور لاکھوں روپیہ کی رقموں کا جوڑ صرف دو چار منٹ کے تامل سے فوراً بتا دیتا تھا

علاوہ بدعت و شرک کی آفت ناک صورت کے ایک غضب عام مسلمانوں میں اور بھی ساری ہو رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ سوائے تفسیر و حدیث و فقہ کے دوسرا علم پڑھنا حرام ہے پڑھنے والا مردود ہے مثلاً تفسیر مدارک والے کا یہ قول ہے

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث — ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

جہلا میں اس خیال کا بڑا اثر تھا اور انہوں نے صد ہا روایتیں من گھڑت بنا لی تھیں کہ دنیاوی علوم مثلاً تواریخ و جغرافیہ ریاضی منطق اور طبیعات کیمیا وغیرہ وغیرہ کفر ہے چنانچہ یہی خیال اب تک علماء کے گروہ کا چلا آتا ہے۔ کئی دنوں کی مشہور روایت دہلی کے ایک مولوی صاحب کی بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ صد ہا برس سے پہلے اسلام کو رنگ ہندوستان میں کیا تھا جو نا بالغت پستی کا اثر ہے کے آتے تھے۔ اور انہوں نے مسائل عقلی و دینی علوم و منطق ترقی کی تھی۔ ملا ... تیغ زنی کی دھن میں وہ رہا ... تھا ان سے محروم ہے قدر سے تھے وہ ... بیٹھے چنانچہ یہ ... جب ... ان کے مرید کو

میں مشہور ہے! ایک دن اپنے ایک مرید کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس نے اپنے روحانی باپ کی اسی تعظیم و تکریم سے خاطر کی جتنی کہ ایک حد سے زیادہ خوش اعتقاد مرید کو سزاوار ہونی چاہیئے کھانا کھانے کے بعد اولیاء صاحب نے اپنے مرید کی تمام چیزیں دیکھنی شروع کیں اور بھی گئی۔ مرید بھی ہمراہ تھے بڑی دیر کے بعد کتب خانہ دیکھنے کی باری آئی کتابیں دیکھتے دیکھتے کہیں ایک کتاب جس کی سنہری جلد بندھی ہوئی تھی اولیاء صاحب کے ہاتھ آگئی جونہی اس کتاب کا نام ورق الٹ کر پڑھا تو آپ لال پیلے ہو گئے طیش و غیظ کے شعلے آنکھوں سے بھڑکنے لگے غصہ سے ہاتھ پیروں میں رعشہ پڑ گیا۔ اور منہ میں کف بھر آئے یہ غیر معمولی حالت دیکھ کے مریدوں کے ہوش اڑ گئے۔ اور ہر مرید اپنے دل میں سخت شرمندہ اور خوف ہوا کہ کہیں مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہو گئی جو پیر صاحب ایسے ناراض و آزردہ خاطر ہو گئے یہ فانی اور نازک چند سیکنڈ مریدوں میں دورا کرتا رہا بعد ازاں اولیاء صاحب نے پیرانہ سر سے اور غضب خیز لہجہ میں فرمانے لگے "مجھے سخت رنج اور غصہ آیا کہ تو اپنے کتب خانہ میں تفسیر کشاف[1] رکھتا ہے" یہ کہہ کے اولیاء صاحب خاموش ہو رہے۔ اور کہا کہ ابھی اس کتاب کو ضائع کر دو حکم کی دیر تھی وہ کتاب

---

[1] تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری کی تصنیف ہے جس کو معتزلی کہتے ہیں اس کی لاجواب نحوی تفسیر کا مطلب چونکہ کٹ ملا نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اس کو خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں افسوس ہے کہ اتنے بڑے مصنف کی قدر مطلق نہیں کی جاتی اور اس کو معتزلی سمجھ کے علیحدگی اختیار کی ہے۔ معتزلی ہونا علم و لیاقت نہیں ہو سکتا۔ جار اللہ زمخشری ایک فاضل اجل عالم تھا ایسا عالم کہ جس پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا۔

مع اور معقولی کتابوں کے ضایع کردی گئی اور مریدوں نے توبہ کرلی کہ آیندہ کبھی اس نوعیت کی کتابوں کی طرف توجہ مبذول نہ کریں گے نہ کبھی انہیں ہاتھ لگائیں گے۔

یہ خیالات تھے جنہوں نے مضبوطی سے مسلمانوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی اور جس کا نوی اثر اب تک جب پیارے شہید نے تعلیم پائی تھی باقی تھا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور ملانوں کو بھی کچھ مسادات ہوگئی تھی وہ بھی اتنی مرفش نہ رکھتے تھے کو انہیں ایسے علوم کی اس لیے کہ انہیں نہ آتے تھے تعلیم بری لگتی تھی۔ اور حتی الوسع وہ اپنے وعظوں میں لوگوں کو روکتے تھے۔ کہ سوائے تفسیر و حدیث و فقہ مسلمان کو دوسری چیز پڑھنا حرام ہے۔

ایسے خیالات پر جس میں شہر دہلی کا ایک بہت بڑا حصہ پھنسا ہوا تھا۔ پیارا شہید چھوٹی سی عمر میں لائق ریاضی دان بن گیا۔ اس کے بعد اس نے منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں تواریخ اور جغرافیہ کا بھی اس والاشان خاندان میں رواج تھا کیوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک قصیدہ میں وطن کا حال بیان کیا ہے اور اس ملک کی شرح کیفیت ادا کردی ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ شاہ ولی اللہ صاحب اعلیٰ درجہ کے جغرافیہ دان تھے اور یہ ہمیں تحقیق ہوا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب علم جغرافیہ اور تواریخ سے کامل ماہر تھے جس کی شہادت ان کی تصانیف دے رہی ہیں۔

مولانا شہید کی پرشوق نظریں علم دین پر زیادہ پڑ رہی تھیں۔ اور آپ کو دنیوی علوم سے اتنی دلچسپی نہ تھی گو آپ ان کی تحصیل اشد ضروری اور انسان کے لئے لابدی خیال فرماتے تھے۔

اس زمانہ میں مختلف قسم کے جغرافیئے[1] مسلمان مصنفوں کے درس میں داخل تھے۔ اور وہی جغرافیئے مولانا شہید نے پڑھے تھے ہمیں تحقیق ہوا ہے کہ مولانا شہید کی توجہ ہندوستان کے علم جغرافیہ کی طرف بہت مبذول رہی اور آپ اپنی طالب علمی کی حالت میں ہندوستان خصوصاً پنجاب کے جغرافیہ کو زیادہ دیکھا کرتے تھے اور آپ کے آئندہ ارادہ کے لئے گویا یہی جغرافیہ زیادہ مفید تھا۔

---

[1] جو جغرافیئے کہ مسلمانوں کے درس میں جاری تھے حسب ذیل ہیں۔ (۱) جغرافیائے مسعودی جس کو طلائی چراگاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے فاضل مسعودی نے ۹۵۶ھ میں وفات پائی ہوگی گنیس نے اس کتاب کا ترجمہ کیا اس کتاب بطلائی چراگاہ میں یورپ، ایشیا افریقہ اور ہندوستان کا جغرافیائی حال بڑے شرح و بسط سے لکھا گیا ہے۔ گو بعض باتیں کسی قدر موجودہ زمانہ میں اختلاف رکھتی ہیں لیکن پہلے اہل یورپ کو جس نے دنیا کا جغرافیہ سکھایا وہ طلائی چراگاہ کتاب ہے۔ مسعودی لکھتا ہے میں بصرہ سے کارواں کی سڑک سے چلا کشمیر چین میں پہنچا اور خراسان۔ تبت اور ملتان ہوتا ہوا پھر عرب میں چلا آیا۔ دوسری کتاب الممالک پڑھائی جاتی تھی۔ اس لاجواب کتاب کا مصنف ابن قرطبہ تھا ۹۱۲ء میں اس فاضل جغرافیہ دان کا انتقال ہو گیا۔ اس نے علاوہ سڑکوں اور شہروں کے محاصل اور خراج تک تحریر کئے ہیں۔

تیسری جغرافیہ کی کتاب قانون المسعودی تھی جس کا فاضل مصنف مشہور سنسکرت دان البیرونی ہوا ہے جس نے شہزادہ مسعود کے نام جو خاندان غزنی کا مشہور حکمران تھا یہ کتاب تصنیف کی تھی چوتھی کتاب عجائبات فطرت و فنون اسی فاضل مصنف البیرونی کی تصنیف سے درس میں داخل

جغرافیہ اور تاریخ جو مسلمانوں کے ایجاد کردہ نہ سہی ایجاد کردہ علوم کے برابر ہیں۔ اور جن کی اشرفیت اور فضیلت تمام علوم سے زیادہ تسلیم کی گئی۔ اور علمائے کبار کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ وہ جغرافیہ اور تاریخ میں زبردست قابلیت پیدا کریں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہندوستان سدا سے ان علوم کی طرف سے بدنصیب رہا ہے۔ چنانچہ جب سر تھامس رو جہانگیر کے دربار میں آیا تو بقول (دہلیہ) اس نے دنیا کا ایک جغرافیائی نقشہ پیش کیا۔ دربار میں اس نقشہ کی ذرا بھی وقعت تھی۔ جس سے سیاحوں اور تاجروں کو بہت مدد پہنچتی تھی۔ اور دنیا کا حال آئینہ کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

پانچویں کتاب نزہت المشتاق درس میں تھی۔ جسے بارہویں صدی کے آغاز میں الشریف سسلی نے بڑی جانفشانی اور لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد تصنیف کی تھی۔ اور پھر اس کتاب کو راجر شاہ سسلی کے نام پر کر دیا تھا۔ جس کا فوراً لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی تحقیق و تفحص سے فائدہ اٹھایا۔ چھٹی کتاب شریف ادریسی مشہور و معروف جغرافیہ دان کی تھی جس سے ۱۶۱۹ء میں اس کتاب کی اشاعت تمام یورپ میں ہو گئی تھی اور ہر زبان میں اس بیش قیمت کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔ ادریسی نے زمین کو حصوں اور طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور نہایت ہی قیمتی اسلامیں مہیا کی ہیں۔ انگریزی مصنفوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ادریسی نے بطلیمی کی پوری تتبع کی ہے۔ مگر سچ بات کے بات ہم آہنگی کرنا کچھ شانِ علم و تحقیق نہیں ہو سکتا۔ ادریسی نے جہاں موقع ہوا ہے وہاں اس نے مخالفت بھی کی ہے۔ اور یہی ہر فاضل کی شان ہونی چاہیئے کہ سچ کی پابندی اور جھوٹ سے مخالفت کرے۔

ساتویں کتاب تقویم البلدان مشہور ابوالفدا جغرافیہ دان کی بھی درس میں شامل تھی۔ یہاں بھی چند جغرافیہ کی کتابیں تھیں جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں عموماً پڑھائی جاتی تھیں گو عام طلباء ان کتابوں سے نفرت کرتے تھے اور ان قیمتی علوم کو فضول جانتے تھے۔ یوں تو مسلمانوں کی صدہا کتابیں صرف علم جغرافیہ میں موجود ہیں۔ مگر یہاں صرف ان ہی کتابوں کا تذکرہ

نہیں ہوئی اداس سے کہہ دیا گیا کہ ہندوستان میں یہ باتیں فضول گنی جاتی ہیں اس
سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان ہمیشہ سے ان قیمتی علوم سے بد
نصیب رہے ہیں۔ مگر یہ بات تعجب سے دیکھی جاتی ہے کہ ہندوستان میں
(شاید اور کہیں بھی ہو) شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں ان علوم کی قیمتی کتابیں
درس تدریس میں داخل تھیں اور اس والا شان خاندان کا بچہ بچہ ان مذکورہ بالا علوم کا
سرپرست سمجھنا چاہیئے۔

مولانا شہید جنہیں اول دن سے تعلیم دی گئی تھی سب سے زیادہ تاریخ سے
دلچسپی رکھتے تھے اور چونکہ بغیر جغرافیہ جانے تاریخ فضول ہے۔ اس لئے پیارے
شہید نے علم جغرافیہ کے حاصل کرنے میں بھی سعی بلیغ کی اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا
ہے کہ ہمارا واجب الاحترام شہید جغرافیہ میں کسی طرح قاصر نہ تھا۔

اس کے بعد یا اس تحصیل سے پہلے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں۔ مولانا صاحب
نے منطق کی کتابیں پڑھیں کیونکہ اصول فقہ کے لئے منطق پڑھنا ضرور ہے۔

بظاہر یہ تعلیم اس آئندہ ارادہ کو جو پیارے شہید کے دماغ میں مثل
بجلی کے کوند رہا تھا کچھ سہارا دینے والی نہ تھی پھر بھی یہ ضرور تھا کہ آئندہ اہم معاملات
کو سلجھانا اور نئے نئے الجھیڑوں میں سے موشگافیاں کرنا قسمت ہو چکی تھیں۔ اس
لئے لازمی تھا کہ آپ کتب معقول کی تعلیم پا کے ان پر عبور حاصل کرتے۔

گیا۔ جو مولانا شہید کو پڑھائی گئی تھیں۔ اور ان کتابوں میں سے بعض بعض کتابیں قلعہ کے کتب خانہ
میں بوقت ضرورت منگائی جاتی تھی۔ علما نے چونکہ ان روشن علوم کے ہمیشہ سے دشمن رہے ہیں۔
اس لئے انہوں نے غریب مسلمانوں میں سے ان ضروری اور شریف علوم کو ایسا مٹایا کہ اب بڑے
سے بڑا لکھا پڑھا آدمی بھی ان کتابوں کا نام تک نہیں جانتا۔

القصہ مولانا شہید نے اس زمانہ لے ترتیب میں اس عمدگی اور باقاعدگی سے تعلیم پائی اور اسے پانی کر لیا جو آئندہ آپ کے اور آپ کی جماعت کے کام آیا اور جس مبارک تعلیم نے اب تک اپنا شیریں اور مقدس اثر لاکھوں بندگان خدا پر ڈال رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ مولانا شہید نے کبھی کسی علم کے سیکھنے میں اور طلبار کی طرح سے محنت نہ کی بلکہ جو کچھ استاد کے آگے پڑھا اسے پھر اٹھ کے گھر میں نہیں دیکھا اس ذہن اور ہونہار اور تیز طبیعت پر بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے طباع طلبار کئی صدی کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو معمولی تعلیم آسمان فضل پر پہنچا دیتی ہے۔ ارسطو جیسا فاضل حکیم جب پڑھنے بیٹھتا تھا تو ایک لوہے کا گولہ ہاتھ میں رکھ لیتا تھا۔ اور پلنگ کے نیچے جست کا طاش رکھ لیتا تھا کہ جہاں نیند آئی اور وہ گولا ہاتھ سے چھٹکے طاش میں گر پڑا اس کی آواز سے فوراً ارسطو بیدار ہو جاتا تھا۔ اور پھر اپنا سبق یاد کرنے لگتا تھا۔ بعض شب اسے پوری محنت کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ اور بہتوں ہوش نہ رہتا تھا۔ کہ دن اور رات کہاں گزرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مولانا شہید کی بے پروائی یاد کرنے کی ایسی حیرت انگیز ہے۔ کہ جس کے قوانین فطرت کا مطالعہ نہیں کیا وہ یکایک ان باتوں کو باور نہیں کر سکتا۔ مگر جو کہو پریوں کے علم اور بناوٹ سے آگاہی رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ روز ازل ہی میں خاص خاص صفتیں خاص خاص نفوس میں ودیعت کی گئی ہیں۔ کروڑوں مر گئے اور روزمرہ مرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہر قوم میں جو ممتاز لوگ ہوئے۔ ان کا ثانی صدی میں بھی مشکل سے دیکھنے میں آیا مثلاً اسلام میں چار امام اور بڑے بڑے مفسر گزر گئے مگر فطرت نے ان کے

لزرنے کے بعد کسی کو یہ شان علمی نہیں بخشی نہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
اسا کوئی پیدا ہوا نہ امام شافعی اور امام مالک و حنبل کا ثانی دیکھنے میں آیا۔ نہ
حضرت امام بخاری جامع احادیث نبویہ جیسا حامی دین متین پھر زمانہ کو دوسرا پیدا
رنا نصیب ہوا اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں یہ قانون فطرت کے خلاف ہے
ہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا ویسا ہی پیدا ہو تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا
ہ ان کی سی مقبولیت نصیب نہ ہوگی یہ کچھ ضروری نہیں کہ قوم اسلام ہی میں یہ بات
ہو نہیں بلکہ یورپ میں جو دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہی کیفیت ہے پہلے سیکسپئر
ی کو لو جو ڈراما کی نظم کا بجائے خود یک موجد ہے جوں جوں صدیاں گزرتی گئیں اس
ی ڈرامیٹک نظم کو مقبولیت ہوتی گئی اور آخر ایسے زمانہ میں جب ترقی کا تخت ہے
یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس قسم کی نظم نہیں لکھ سکتا۔ نہ ملٹن کی سی لاس آف پیریڈائز کسی
و اب تک لکھنی نصیب ہوئی اہل ہند میں آج تک کالی داس جیسا شاعر اور بیاس
یسا جامع وید کوئی پیدا ہوا نہ آئندہ پیدا ہونے کی امید ہے۔

گو ہر صدی میں ہر قوم میں بڑے بڑے طباع اور ذہین پیدا ہوئے ہیں
مگر مقبولیت ایک دوسری چیز ہے جسے مولا بنائے وہی مقبول انام بنتا ہے۔
حالانکہ یہ ہم مانتے ہیں۔

نکوئے گر ز دو زیں بحر نیکوتر شود پیدا   چو گیرد قطرۂ راہ عدم گوہر شود پیدا

یہ صحیح ہے خدا تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے "ہم نے بعض کو بعض
پر فضیلت دی ہے"، یہ خدا ہی کی ودیعت تھی جو مولانا شہید کو عطا ہوئی تھی اور
اس بخشش کے لائق بھی وہی برتر ذات مولانا شہید کی تھی۔

جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہم نے مولانا شہید کی تعلیم کی نسبت لکھدیا۔ اس کے بعد میں صرف یہ لکھ کر اس بات کو ختم کرتا ہوں کہ جو کچھ مولانا شہید نے حاصل کیا وہ چودہ یا پندرہ برس کی عمر تک بعد ازاں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔ کچھ مولانا شہید ہی پر چودہ پندرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونا موقوف نہ تھا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور آپ کے والد ماجد بھی پندرہ ہی برس کی عمر میں تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ محمد اسحاق صاحب غرض اس واجب الاحترام خاندان کے کل ممبر پندرہ یا چودہ ہی برس کی عمر میں پڑھ پڑھا کے فارغ ہو گئے تھے۔ اس خاندان پر کیا مقرر ہے جتنے اسلام کے ارکان گزر گئے انہوں نے اتنی ہی عمر میں تحصیل علم سے فراغت پائی تھی۔

صرف ان ہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ ہر علم کی جتنی کتابیں درس میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہاں مقرر تھیں وہ سب مولانا شہید کو ازبر ہو گئی تھیں اور آپ کی فرصت اور خوشی پر موقوف تھا کہ آپ اور بھی غیر معمولی کتابیں مطالعہ کرتے رہیں۔

دُوسَرا باب

مولانا شہید کی ورزشیں

ہندی اسلامی سلطنت کی ملکی اور مذہبی قوت کے ضعف نے سپاہیانہ فنون کو بھی مسلمانوں میں کمزور کر دیا تھا۔ روزمرہ کی خونخوار جنگوں سے امن مل گیٔ تھی اور اب اسلامی تلوار مضبوطی سے میان میں دی گیٔ تھی اور پھر یہ عہد و پیمان تلوار اور میان میں ہو گیا تھا۔ کہ باہم کبھی مفارقت نہ ہو گی۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں جب ہمارے قاطع بدعت کا ظہور ہوا مسلمانوں کے اولو العزم ارادے مع ان کے اسلامی جوش و خروش کے خیرباد ہو گئے تھے اور ان میں صرف عیش پرستی اور سستی رہ گیٔ تھی۔ گھوڑے پر چڑھنا نیزہ بازی کرنا اور تلوار سے نیبو کاٹنا بھینس اکھیڑنا۔ گولی چلانا۔ شیروں کے شکار کھیلنا۔ غرض اسی قسم کے سپاہیانہ کھیل جو سابق کے مسلمانوں کا روزمرہ بازیچہ تھے۔ کبھی کے رفو چکر ہو گئے تھے اور ان کی جگہ تکیوں میں بھنگ گھوٹنے کے ڈنڈوں سے شب و روز سروکار تھا۔ بایں ہمہ پھر بھی مغلیہ سلطنت کا اثر کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی طبائع میں باقی تھا اور ان کے جوش کی ٹھنڈی راکھ میں کبھی نہ کبھی پہلی چنگاری اپنی چمک دے جاتی تھی۔

دہلی میں ہر محلہ میں ایک نہ ایک اکھاڑا موجود تھا جہاں علاوہ معمولی لڑنت کے

پٹے بازی بنوٹ وغیرہ کی بھی مشق ہوتی تھی۔ مگر یہ نظارہ سخت تعجب خیز ہوگا کہ مسلمان شہزادے
ان ورزشوں سے نفرت کرنے لگے تھے اور ان کی طبائع ان ورزشوں سے جو انسانی زندگی
کے لیے درحقیقت قیمتی ہیں ہٹتی جاتی تھیں اور یہ تمام سپاہیانہ فنون زیادہ تر نیچ قوم میں
محدود ہوتے تھے اس کی وجہ امراء اور شہزادوں کی آرام طلبی تھی اور کوئی سبب سمجھ میں
نہیں آتا۔ مولانا شہید جب پڑھنے لکھنے کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو اب آپ کو بلک
لاالفت کے میدان میں پہلا قدم رکھنے کا موقع ہوا تو اپنے ارادوں کی تکمیل در اپنے
ربانی فرائض کی انجام دہی کے لیے پہلے ضرورت سپاہیانہ فنون میں تکمیل پیدا
کرنے کی لاحق ہوئی مولانا شہید کی معاشرت گو مولویانہ طرز کی تھی پھر بھی آپ کی
تیز تیز نظریں اس بے نظیر جرأت اور بے مثال دلیری کی طرف بلند ہو رہی
تھیں جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کو قدرت سے ودیعت ہوئی تھی۔ اور جس سے مسلمان
ہمیشہ نام آور اور نیک نام ہوتے چلے آئے ہیں۔ آپ کی پیدائش گو مولویانہ
گروہ میں ہوئی تھی لیکن آپ میں خالد جیسے بے دھڑک شجاع کی روح اور موسیٰ
فاتح اندلس جیسے بے خطر دلیر کی طبیعت اور طارق جیسے عظیم الشان جنرل کا
اولوالعزم ارادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

ایسی بلند طبیعت بے دھڑک دلیری اور بے خوف شجاعت نے فطری
طور پر مولانا شہید کو ابھار دیا کہ ولایت کے امن پسند اور سیدھے سادے دائرہ
سے اپنے آپ کو نکالیں اور دنیا کے بڑے جرنیلوں اور بہادروں میں شمار ہوں مولانا
کسی امیر اور شہزادہ کی صحبت زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ گو اپنے خیال میں امراء اور
شہزادے اپنی زندگی پرشان اور فوق البھڑک سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا ایسی

حالت کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری پڑھی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد تھا کہ میں کسریٰ اور قیصر کی سلطنت ایک ادنیٰ مسلمان کی خون کی بوند سے کم قیمت سمجھتا ہوں اپنے لاثانی اور فاتحان ممالک پیشواؤں کے حالات نے مولانا شہید کو ان کے ارادوں میں اور بھی زیادہ مضبوط اور اس دشوار گزار راہ میں جس کو وہ طے کرنا چاہتے تھے زیادہ استوار بنا دیا۔

پہلے مولانا شہید نے گھوڑے کی سواری میاں رحیم بخش چابک سوار[1] سے سیکھی اور گھوڑے کی سواری میں اتنی مشق بڑھالی کہ چاہے کیسا چلبلا اور منہ زور گھوڑا ہو پھر بھی بے زین و رکاب اس پر سوار ہو کر دوڑا سکتے تھے گو آپ دبلے پتلے اور متوسط قد تھے لیکن بلند سے بلند گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہی بے رکیب بآسانی چڑھ جانا اور پھر اتر آنا یہ ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔ رحیم بخش کہا کرتا تھا کہ میں نے اتنی عمر میں اتنا کمال گھوڑے کی سواری کا حاصل نہیں کیا اور مولانا تم نے چٹکیوں میں تمام ترکیبیں اڑا لیں۔ یہ بات قابل نوٹ ہے۔ کہ مولانا چالیس چالیس میل کا چکر گھوڑے پر مار آتے تھے اور ذرا بھی تکان غالب نہ ہوتی تھی۔

---

[1] رحیم بخش ایک سن رسیدہ شخص تھا لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی ہے تو اس کا باپ الٰہی بخش لارڈ موصوف کے گارڈ میں تھا۔ رحیم بخش پہلے بدعتی اور گور پرست تھا لیکن بعد ازاں مولینا شہید کے طفیل سے سچا محمدی ہو کر مولینا صاحب موصوف کے ساتھ پشاور کے گرد و نواح میں ایک خونخوار میدان میں سکھوں سے لڑ کر شہید ہوا اس کی عمر سو کے پیٹے میں تھی۔ لیکن نوجوان کی سی اولوالعزم طبیعت رکھتا تھا۔

جب گھوڑے کی سواری بخوبی آگئی تو آپ نے پٹے بازی مرزا رحمت[1] اللہ بیگ
سے سیکھی چند روز میں پٹے بازی میں بھی کمال حاصل کر لیا پھر بنوٹ میں کمال
حاصل کیا اس کے علاوہ جتنے مشرقی فنون اس وقت رائج تھے مولینا موصوف
نے سب میں اس قدر درک پیدا کر لیا۔ کہ اگر ضرورت ہو تو ان قیمتی ہنرؤں
کو کام میں لا سکیں آپ کے والد او رچچا یہ دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے اور انہیں تعجب
ہوتا تھا کہ ہمارے کنبہ کا بچہ سپاہیانہ روح کا پیدا ہوا ہے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ہونہار
بچہ آئندہ کیا کرے گا۔ اور اس کے پرزور بازوؤں سے کتنے کتنے دشوار گزار
کام حل ہوں گے نہ مولانا خود واقف تھے کہ میرے ہی بازوؤں میں زور چھپا
ہوا ہے ایک پوشیدہ قوت تھی کہ وہ طبیعت کو گدگدا رہی تھی۔ اور دل از خود شجاعانہ
کاموں کی طرف جا رہا تھا۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب جن کی مذہبی پولیسی دہلی در ہندوستان پر
عجیب و غریب اثر ڈال رہی تھی اپنے بھتیجے اسمٰعیل کی ان حرکات پر جو مولویانہ
معاشرت سے بعید تھیں سخت تعجب کرتے تھے گو آپ نگاہ نفرت سے نہ
دیکھتے تھے۔ نہ کبھی ارشاد تاً آپ نے منع فرمایا پھر بھی آپ اور تمام کنبہ کی

---

[1] مرزا رحمت اللہ بیگ تقریباً کل شہزادوں کا استاد تھا۔ اور اپنے ہنر دل میں یگانہ آپ ہی تھا
اس کی تنخواہیں شہزادوں کے ہاں سے مقرر تھیں اور بڑے بڑے رئیس زادے اس کی خوشامد
کرتے تھے مولینا صاحب نے اس سے درخواست کی کہ میں بھی کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اس نے مسکرا کے
کہا کہ آپ مجھے کیا دیں گے آپ نے فرمایا کہ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اسے سینہ بسینہ کرد وں گا گو یہ
ایک معمولی جواب سوال تھا لیکن مرزا اتنا خوش ہوا کہ اس نے وہ داؤں پیچ بھی جو وہ کسی کو نہ سکھاتا تھا
مولانا شہید کو چند روز میں سکھا دیئے۔

متعجبانہ نظریں لانا کے ان قیمتی اعمال پر پڑتی تھیں جو آئندہ حصہ زندگی میں نہایت
ہی ضروری ثابت ہوگئے۔

مولینا نے مہینوں اکھاڑے میں جو اپنے ہی مکان کے پاس متصل چتلی
قبر اور حویلی اعظم خان بنایا تھا لڑنت کی ہے۔ ایک دن آپ لڑنت کر رہے
تھے کہ دو شہزادے جو مرزا رحمۃ اللہ بیگ کے شاگرد تھے آئے۔ گو انہیں شاہ
عبدالعزیز صاحب کے خاندان کا بڑا ادب تھا پھر بھی مولانا کی صورت دیکھ کر
وہ مسکرائے ان کا مسکرانا حقارت انگیز تھا اور وہ یہ سمجھ کے ہنستے تھے کہ مولویوں
کو ان سپاہیانہ فنون سے کیا علاقہ۔

مولانا نے ان کی حقارت آمیز ہنسی کو تاڑ لیا اور جب آپ لڑنت کر
چکے تو شہزادوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا میں ان کی اولاد میں سے ہوں
جنہوں نے ایسی ہی حالت سے دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت کی اور اسلامی
سلطنتیں قائم کر دیں اور آپ ان کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے اپنی آرام طلب
فطرت کے صدقہ میں اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ شہزادے نہ تھے پانچ لاکھ عرب جو آپ کی ماتحتی میں کسریٰ و قیصر
کی سلطنت میں کام کر رہے تھے لال قلعہ کے رہنے والے ورشہزادے نہ تھے
جو کچھ انہوں نے کام کیا وہ بھی زمانہ کی پیشانی پر لکھا ہے اور جو کچھ آپ کے بزرگوں
کی آرام طلبی ورح نے کیا وہ بھی زمانہ نہیں بھولا ہے صاحب عالم کوئی ہنر اور
علم کسی کا خاص حصہ نہیں ہے اللہ اُسی کو اپنی ودیعت سونپتا ہے جو اُس
کے قابل ہوتا ہے۔

مولانا صاحب کی یہ دھیمی اور سنجیدہ دزنی تقریر دونوں شہزادوں کے دل میں گھر کر گئی اور وہ اپنی بیہودہ ہنسی پر نہایت ہی پشیمان ہوئے اور انہوں نے مولانا صاحب سے معافی مانگی۔ اس پر بھی مولانا صاحب نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے بڑے انکار کے بعد وہ راضی ہوئے ان شہزادوں کی مشقیں بہ نسبت مولٰنا کے زیادہ پرانی تھیں لیکن دو تین ہی ہاتھوں میں انہیں معلوم ہو گیا کہ جس ملا زادہ پر ہم ہنستے تھے وہ سپاہیانہ فنون میں ہم سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے مولٰنا کی ذہین طبیعت جیسی علم کی طرف راہنما تھی ایسے ہی فنون کی طرف بھی مددگارانہ رہبری کرتی تھی۔ گولی لگانے میں مولٰنا نے اتنی مشق بڑھائی تھی کہ درخت پر سے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو گولی سے گرا دیا کرتے تھے۔ ایک دن شکار میں مولٰنا نے فخراً بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے جانور میرے سامنے آجائے اور پھر زندہ نکل جائے۔ ایک ساتھی نے ہنس کے کہا اگر اس کی موت ہی نہ ہو تو آپ کیونکر اسے مار سکتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا جب اس کی موت نہ ہو گی تو میرے سامنے آنے ہی کا نہیں۔ یہ برجستہ جوابی اکثر موقع پر سامعین کو حیرت و استعجاب میں ڈالتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ (جب ۵ برس کی عمر تھی) اپنے ملازم کی گود میں جا رہے تھے کبھی اس کی انگلی پکڑ کر چلتے اور کبھی وہ گود میں لے لیتا۔ غالباً باغ تھا یا کوئی سبزہ زار تھا۔ کہ یک شخص پانچ چھ کتے لئے ہوئے نکلا یہ کتے والا شخص مسلمان تھا اور اکثر کتوں کا شایق تھا اس کے قریب آکے مولٰنا کے ملازم سے دریافت کیا کہ یہ کس کے صاحبزادے ہیں دریافت کرنے کے بعد وہ باتیں کرنے لگا۔ پھر مولٰنا نے منہ سے اپنی بھولی بھالی

بولی ہیں کہ تم نے کتے کیوں پال رکھے ہیں مسلمان کتے نہیں پالتے۔ اس نے کہا یہاں کچھ برا ہے، مولانا نے کہا رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں کتے پلے ہوئے ہیں۔ اُس نے سکرا کے جواب دیا میں نے اسی لئے کتے پالے ہیں کہ فرشتے نہ آویں۔ کیونکہ جب فرشتوں کی آمد ورفت بند ہو جائیگی تو پھر مجھے اپنی موت کا خوف نہ رہے گا۔ مولانا نے جواب دیا کہ جو فرشتے تیرے کتوں کی روح قبض کرنے آئیں گے وہ تیری بھی قبض کریں گے۔ غرض تو فرشتوں کی دست برد سے نہیں بچ سکتا یہ سن کر وہ شخص ازحد خوش ہوا اور مولینا کی خداداد ذکاوت کی ازحد تعریف کی۔

جب مولینا کل ضروری سپاہیانہ فنون کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے تیرنا سیکھا ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں طلبا کو سبق بھی برابر دیا جاتا تھا۔ وقت معینہ پر جب طلبا جمع ہو جاتے تھے تو کنارہ پر آکے سبق پڑھا دیا کرتے تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب تین برس اور بعض اقوال کے بموجب چار برس کامل مولینا پانی میں رہے ہیں۔

اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا۔ ہمارا مورخ ہمیں رپورٹ کرتا ہے کہ مولینا دریائے جمن کی راہ سے آگرہ اور آگرہ سے دہلی کئی بار آئے اور خدا نے ہمیشہ آبی خوفناک جانوروں سے پناہ دی۔ آپ کو ہرگز یہ عادت نہ تھی کہ آپ اپنا کمال کسی کو دکھائیں اور واہ واہ کے محتاج ہوں یا کسی کی خواہش ہو بلکہ جن غرضوں سے فنون حاصل کئے جاتے تھے وہ

ابھی دل ہی میں مضمر تھے اور کسی پر بھی اس کا ظہور نہ ہوا تھا اس پر بھی کئی نامی پیراکوں نے مولانا[1] سے تیرنے میں بحث کی لیکن وہ برسر نہ آسکے۔

یہ لکھنا اور بھی تعجب انگیز ہوگا کہ مولینا اپنا شب کا کھانا بھی دریائے جمن کے کنارہ پر کھایا کرتے تھے اس عرصہ میں آندھیاں بھی آئیں تند و تیز ہوائیں بھی چلیں۔ مینہ بھی برسا۔ کڑکتا جاڑا بھی پڑا۔ جھاڑوں نے بھی اپنا زور پورا دکھایا۔ دریا بھی خوب خوب چڑھا لیکن ان تمام فطرتی قوتوں نے مولینا کے عالی ہمم ارادوں اور اولعزمانہ عزم بالجزم میں ذرا بھی خامی پیدا نہیں کی۔

مولینا کی عمر تقریباً ۲۱ برس کی ہوگی کہ تمام ضروری فنون جنگی آپ کو بخوبی آگئے تھے۔ اور آپ جنگ کے وقت ہر فن کو عمل میں لا سکتے تھے۔ گو جنگ کا تجربہ مطلق نہ تھا۔ لیکن وہ مادہ بخوبی موجود تھا۔ جو تجربہ حاصل کرنے کا کافی معاون بن سکتا۔ جنگ کے اتار چڑھاؤ اور جنگ کے داؤں پیچ اس میں شک نہیں بغیر مدت کے تجربہ کئے نہیں آسکتے۔ لیکن یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ مولینا

---

[1] دہلی میں اس زمانہ میں بڑے بڑے تیراک تھے جو اپنے کمال کو جہاں سے افضل خاص اس فن تیراکی میں سمجھتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ ایک بھٹیارہ کی شہرت تھی جس کو شیخ سدو کہتے تھے اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ گو اس کا اصلی نام کچھ اور تھا جس کا ہمیں پتہ نہیں لگا ہے لیکن وہ مشہور شیخ سدو کے نام سے تھا اس نے تیراکی میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ آلتی پالتی مار کے پانی کی سطح پر بیٹھ جاتا ایک زانو پر اپنا وزنی حقہ رکھ لیتا اور دوسرے زانو پر اپنے کسی ٹھال کو رکھتا اور اس ہیئت کذائی سے دریا میں تیرتا ہوا چلا جاتا۔ واقعی یہ بات بہت مشکل تھی اس لئے اس کی تعریف ہوئی تھی۔ اور دور دور کے تیراک شیخ سدو کی تیراکی اصل دیکھنے کے لئے شہروں سے آتے تھے۔ اس نے ایک دن مولینا سے کہا ابھی آپ نے کچھ بھی تیراکی میں حاصل نہیں کیا ہے آپ مشق کریں گے مجھے بھی آتا ہے۔ مولینا نے جواب دیا نہ میں تیراکی کی روٹی کھاتا ہوں نہ تماشا دکھاتا ہوں۔ اس نے پھر

نے اپنے کو اس قابل بنالیا تھا کہ اگر اول ہی اول جنگ کا موقع ہو تو کوئی جنگ جو
مولینا کو فنون جنگ سے محض نابلد نہ سمجھے گا۔

جب مولنا نے تیراکی بھی سیکھ لی تو اب چند باتیں اور بھی باقی رہ گئی تھیں
جن کو مولانا حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان باتوں میں کسی کی استادی اور تعلیم کی
بھی ضرورت نہ تھی یعنی پاپیادہ دوڑنا اور ایک سانس آٹھ آٹھ دس دس میل
چلے جانا۔ پہلے مولنا نے پاپیادہ دوڑنا شروع کیا۔ چونکہ آپ مستقل اور مجرد تھے
اور آپ کی روحانی قوت جسمانی قوت سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ ہمیشہ اپنی
بساط سے زیادہ دشوار کام کرتے لیکن تکان غالب نہ ہوتی۔

چند مہینوں کی محنت اور مشق سے مولینا نے دوڑنے میں یہ طاقت پیدا کر لی
کہ ایک سانس دس دس گیارہ گیارہ میل چلے جائیں اور تکان غالب نہ ہو۔

اس کے بعد ایک دوسری مشق مولنا نے اور بڑھائی یعنی جلستی ہوئی دھکتی
اور تپتی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ برہنہ پا چلیں پہلے پہل تو آپ کے

سوال کیا آخر آپ کر اتنی محنت سے حاصل کیا ہوا آپ نے جواب دیا حاصل کچھ بھی نہیں صرف اتنا ہوا ہے
کہ میں زبردست سے زبردست مخالفت سے پانی میں مغلوب نہیں ہو سکتا یہ سن کر وہ ہنسا اور اس نے
آپکے حاصل جواب کو حقارت سے ٹالا جاتا ہے کہ شب کو دونوں کی بحث ٹھہری کیوں کہ مولنا دن کو اس
کے ساتھ آپ بازی کر کے عوام الناس کو تماشا دکھانا نہ چاہتے تھے، شب کو مقابلہ ہوا تو مولینا نے اس
کو آگے رکھ لیا اور اس قدر غوطے دیئے کہ وہ بول اٹھا یہاں تک کر اس کی تاب و تواں نے جواب دے دیا
اور آخر مولینا نے اس خیال سے کہ مر نہ جائے۔ اسے ادھ موا کر کے ڈال دیا۔ مولینا میں بڑا ہنر
تیراکی کا یہ تھا کہ آپ پچیس پچیس بانس پانی میں رہا کرتے تھے اور سانس نہ چڑھتا تھا۔

تلوؤں میں چھپھولے پڑ گئے۔ لیکن بعد ازاں ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ آپ جامع مسجد کے سُرخ پتھر کے فرش پر (صحن میں) گھنٹوں آہستہ آہستہ گرمیوں میں ٹہلتے تھے اور ذرا بھی جلتی ہوئی زمین اور جان وتن کے جھلسا دینے والے روشن آفتاب کی آتش تیز کرنوں سے متاثر نہ ہوتے تھے۔ مولانا کی یہ غیر معمولی حالت دیکھ کے کوئی آپ کو مجنون کہتا تھا اور کوئی کہتا تھا کہ کسی نے کوئی وظیفہ بتایا ہے۔ وہ آپ پڑھتے ہیں لیکن دراصل ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی اور کوئی شخص اس غیر معمولی سختی کی برداشت کرنے کی کہنہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ہمیں اس بات کی اطلاع ملی ہے کہ مولانا دن بھر دھوپ میں ٹہلا کرتے تھے اور درد سر بھی آپ کو نہ ہوتا تھا۔ ایک شخص نے آپ سے ایک دن دریافت کیا کہ آپ اپنی جان پر اتنی مصیبت کیوں توڑتے ہیں جبکہ قرآن شریف میں یہ حکم ہے اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہاں تک ان کی وسعت ہو۔ آپ نے فرمایا میں اپنے نفس پر اسی قدر بوجھ ڈالتا ہوں جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے پھر اس نے یہ جاہلانہ اور ناواقفیت کا سوال کیا آخر اس قدر سختی اٹھانے اور اپنی جان تیرہ بلاکت میں ڈالنے سے کیا نتیجہ ہے آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں انسانی قوتوں کا جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی ہیں، فطری قوتوں سے مقابلہ کر کے اندازہ کرتا ہوں آیا انسان بحیثیت اپنی اشرفیت سب پر غالب آسکتا ہے تو میں نے اس کا تجربہ کر لیا کہ ہاں انسان اگر چاہے تو اسے خاک، باد، آب، آتش۔ مضرت نہیں پہونچا سکتی، مولانا کا یہ جواب ایسا ویسا نہ تھا۔ جس سے فطرت اللہ کا اصلی منشا ظاہر ہوتا تھا اور یہ کھلتا تھا کہ آپ نے انسانی قوتوں کے اندازہ کرنے کا کیا سہل اور

اور آسان رستہ نکالا تھا۔

جب اس میں بھی آپ کو پورا ملکہ ہو گیا تو اب آپ نے بھوکا اور پیاسا رہنا شروع کیا لیکن اس بھوکے پیاسے رہنے میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کچھ فرق نہ آتا تھا اور کسی طرح آپ سست نہ ہوتے شدہ شدہ آپ نے اتنی مشق بڑھائی کہ اگر تین چار روز تک کھانے کو نہ ملے تو آپ بے تاب و تواں ہو کے بیکار نہ ہو جائیں۔ یہ معتبر ذریعہ سے سنا گیا ہے کہ آپ تین دن کامل گرمیوں کے دنوں میں بے پانی رہ سکتے تھے اور کسی قسم کی افسردگی واقع نہ ہوتی تھی۔ گو لب خشک ہو جاتے تھے اور حلق سوکھ جاتا تھا۔ مگر اس پر بھی اپنی معمولی کڑاکے کی آواز میں وعظ کہنے سے نہ رکتے تھے اور اسی طرح محنت کرتے تھے۔

کڑکتے جاڑوں میں آپ نے اپنے کو برہنہ رہنے کا اکثر عادی بنایا تھا۔ لوگ جاڑے میں لحافوں میں گھسے پڑے رہتے اور آپ اکہرے کپڑوں سے اپنے مکان کی چھت پر ٹہلتے رہتے تھے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بغیر مدتوں کی مشق کے آپ میں جاڑے میں برہنہ پھرنے کی قدرت ہو گئی تھی نہیں ہر مشق بتدریج بڑھائی تھی اور یہ ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ انسان فطرت کی ہر قوت پر غالب آسکتا ہے

کم سونے میں بھی مولٰنا نے کمال حاصل کیا تھا اور ہمارے سوانح کا نظر تعجب سے سنیگا کہ مولانا آٹھ آٹھ دس دس دن تک نہ سوتے تھے اور آپ نے آخر میں اتنی قوت بڑھالی تھی کہ جب چاہیں سو رہیں اور جب چاہیں جاگ اٹھیں اور ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک منٹ کا بھی عرصہ نہ ہوتا تھا مثلاً ابھی پورے دس بجے ہیں اور سوئی پورے دس پر پہنچ گئی اور مولانا سونا چاہتے ہیں تو نصف

منٹ آپ کو نیند کے رستہ دیکھنے میں نہ لگے گا۔ یا آپ شب کے دو بجے جاگنا
چاہتے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ دو پر نصف منٹ زیادہ گزر جائے یا دو میں نصف منٹ
کم رہے جب آنکھ کھل جائے جب مشق پوری بڑھ گئی تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے
ارادہ میں مولانا فیل ہوئے ہوں۔

جب یہ تمام قوتیں کم وبیش مولینا کے قبضہ میں آگئیں تو آپ نے زیادہ
دیر وعظ کہنے کی عادت بڑھائی اور ہمیں معلوم ہوا ہے (بشرطیکہ صحیح ہو) کہ بعض
اوقات مولینا کو سید احمد صاحب کی ہمراہی میں ایک ہی دن میں تین تین چار چار بار وعظ
کہنے کا دو دو تین تین گھنٹے اتفاق ہوتا تھا لیکن کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ کی آواز
بیٹھ گئی ہو یا وعظ کہنے میں پانی پینے کی ضرورت ہوتی ہو۔

غرض تمام ضروری ورزشیں جو آئندہ ارادوں میں جان ڈالنے والی تھیں مولینا
نے چند سال میں ان میں کمال پیدا کر لیا اور اب آپ چاق چوبند ہو گئے اور اپنے
فرائض کی انجام دہی میں پہلا قدم رکھنے کا قصد ظاہر فرمایا۔

مولانا خوب جانتے تھے کہ روحانی قوت کا ابھار اور اس کی پائیداری جسمانی
قوت باقی رہنے سے متصور ہے اسی سے کل مذہبوں میں اسلام کو فخر ہے کہ اس
نے جسمانی قوت کے ساتھ روحانی قوت کے بڑھانے کی ہدایت کی ہے اور دین
کے ساتھ دنیا کا پاس و لحاظ رکھنے کے لئے بھی فرمایا ہے۔

تیسرا باب (۳)

مولینا شہید کا پہلا وعظ اور عوام الناس کی شورش

رمضان المبارک گذر چکا ہے اور الوداع کا دن ہے ہزروں مسلمان ہر طبقہ اور گروہ کے الوداع کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہیں بڑے بڑے واعظ اور مولوی بھی اپنے معتقدوں اور مقتدیوں کے ساتھ بیٹھے ہیں حوض پر فوارے چھوڑے جا رہے ہیں اور سودے والے بھی خوانچے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں غرض عجیب لطف آرہا ہے اس شور و غل کو کشمکش کے ساتھ ہی یہ بھی چرچا ہو رہا ہے کہ مولینا اسمٰعیل صاحب وعظ فرمائیں گے عوام الناس کو چنداں اس کا خیال نہیں ہے لیکن لکھے پڑھوں کے گروہ میں ایک تحریک سی پھیل رہی ہے اور ہر شخص یہ کہتا ہے دیکھئے مولانا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی خاموشی سے اس افواہ کو سن رہے ہیں لیکن کچھ نہیں کہتے۔ طلبہ کا جمگھٹا اور ان کی بحثم بحثا عجیب دلچسپی دکھا رہی ہے۔ ہر طالب علم اپنے خیال میں افلاطون اور ارسطو کا قبلہ گاہ بن رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کو ایک بات میں بند کر دوں گا۔ مولینا شہید نے گو پہلے یوں کھلم کھلا وعظ نہ فرمایا تھا لیکن ان کے خیالات کی کچھ بھنک لوگوں کے کانوں میں پہنچ گئی تھی اور پہلے اس کے کہ وہ اپنے خیالات پبلک میں ظاہر کریں عام مسلمان خصوصاً مولینا فضل حق صاحب اپنی منطق اور فلسفہ کے نشہ میں سرشار

دمتع میں بیٹھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولینا موصوف کو مولوی اسٰمعیل صاحب جیسے عالم کی کچھ پروا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ رنگ ہے، اور دوسری طرف صوفیوں کا گروہ جلوہ افزا ہے ان میں بھی مولینا شہید کے وعظ کا چرچا ہو رہا ہے۔ ہر صوفی سو پچاس مرید (رنگین کپڑے زیب تن) اپنے ساتھ رکھتا ہے جو اس کے ساتھ اس ادب سے چلتے ہیں جس کی نظیر پہلے اسلامیوں میں بہت کم نظر آتی ہے۔

مولانا شہید صاحب عاجزانہ صورت بنا کے پہلی صف میں خاموش بیٹھے ہیں نہ انہیں کسی کی کانا پھوسی کی پرواہ ہے اور نہ کسی کی گپ شپ کا خیال ہے اور اسی میں آپ مستغرق ہیں نہ کوئی مرید ساتھ ہے نہ مقتدی پیچھے بیٹھا ہوا ہے نہ معتقد ہمراہی میں ہے۔ تنہا ہیں لیکن اپنے ساتھ غبار سلطان کو جس کو یہاں سجدہ کرنے آئے ہیں دل کی پوری عاملانہ قوت سے سمجھتے ہیں یہی آپ کا مایۂ فخر ہے اور یہی آپ کا ایمان اور دین ہے۔

ادھر نماز ہو چکی اور ادھر مولینا شہید دلیرانہ بیچ کے در میں آ کھڑے ہوئے آپ کو دیکھتے ہی غول کے غول آ آ کے جمع ہونے لگے اور ہر طبقہ اور ہر گروہ کے آدمی جن میں طلبہ علماء رئیس وغیرہ سب تھے اور ہر شخص ہمہ تن جوش ہو کے مولینا شہید کے وعظ سننے کا شائق بن گیا۔

کثرت سے لوگ جمع ہوئے اور مولینا شہید نے اس کثرت سے مسلمانوں کو جمع اور اپنے وعظ کا شائق پایا تو پہلے کڑاکے کی آواز میں پڑھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَ

لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اسی کو سلطنت ہے اور اسی کو تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے مولٰنا شہید نے اس خوش لہجگی اور کڑاکے کی آواز میں کہا کہ سامعین کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب کے دل کانپ گئے اور کثرت سے مسلمان بے اختیاری کی حالت میں اس شدت سے روئے کہ بعض آوازیں رونے کی خاموشی میں بلند ہو گئیں اور خاموشی کی پرامن سلطنت میں رخنہ پڑ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ اسی کڑاکے کی آواز میں یہی پڑھا پھر اسی طرح سامعین کے کلیجے ہل گئے اور اب ہر شخص اور بھی زیادہ وعظ سننے کا شائق دکھائی دینے لگا۔ پھر مولٰنا صاحب نے یہ فرمایا مسلمانو تم جانتے ہو دنیا میں جس نبی نے وحدت پرستی کا پرزور اعلان کیا۔ وہ ہمارا آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے۔ گو کل نبی خاص وحدت پرستی [illegible] کے لئے مبعوث ہوئے تھے لیکن سب سے زیادہ ہمارے فخر انبیاء صلعم موجودات ہی کو یہ شرف ملا ہے کہ آپ کا ایسی حالت میں کہ جدھر نظر جاتی تھی سوائے بت

---

[1] ہمیں افسوس ہے کہ ہم شاہ صاحب کا وعظ بلفظہ نقل نہیں کر سکتے اس لئے کہ جو کاغذات منشی میرا لال کے لکھے ہوئے ہمیں ملے ہیں وہ علاوہ پارہ پارہ ہونے کے ایسے بدخط لکھے ہوئے ہیں کہ ہم بلفظہ نقل کرنے کا فخر حاصل نہیں کر سکے ہاں یہ خوشی کی بات ہے ہم نے مولانا شہید کے خیالات کا اس پریشان تحریر سے اقتباس کر لیا اور اسے اپنی طرز پر ادا کر دیا لیکن ناظر کے اطمینان کے لئے یہ لکھ دینا کافی ہے کہ ہم نے بالکل اپنی عبارت میں مولنا شہید کے نتھرے ہوئے خیالات ادا کر دیئے ہیں اور جگہ جگہ وہ آیتیں اور حدیثیں نقل کر دی ہیں جو وعظ کے پریشان کاغذوں میں ہم نے لکھی دیکھیں۔ ہیں ہم ہم افتخار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبارت ہمیں صحیح و سالم ملی وہ ہم نے بجنسہٖ درج کر دی اس عبارت میں ہم نے احتیاطاً دست برد نہیں کی گو ہمیں اس میں دست اندازی کرنے کا حق حاصل ہے مگر اس لئے کہ وہ مولنا شہید کے قلم کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم نے اس خیال سے کہ اس عبارت میں بہت سے الفاظ اور

پرستی کے رواج اور بت پرستوں کے زور شور کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور ہر شخص
نہایت درجہ بت پرستی میں غلو رکھتا اور ہزاروں کوس خدا پرست کا پتہ بھی نہ تھا۔
مخالفانہ نظریں وہ بھی شدت اور غضب کے ساتھ نبی پر پڑ رہی تھیں اور ایک متنفس
بھی خدا پرستی کی تصدیق کرنیوالا نہ تھا۔ اس نفرت انگیز دائرہ بت پرستی میں دلیرانہ
یہ فرمانا کہ خدا ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ تمام دیوی اور دیوتا محض نکمے
اور بیکار ہیں نہ صرف مسلمانوں ہی کا بلکہ تمام عالم کا حد سے زیادہ مایۂ افتخار
ہے۔ کلام اللہ کو اول سے آخر تک دیکھ جاؤ جس قدر توحید پرستی پر زور دیا
ہے وہ اور کسی الہامی کتاب میں کم ملے گا۔ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے
وہ اس قدر کھلا ہوا اور روشن ہے کہ ہر مسلمان بشرطیکہ اسلام اور ہادی اسلام
سے اسے محبت ہو، بخوبی سمجھ سکتا ہے تمام خدا پرستی کے منازل اور راہیں
اس قدر صاف ہیں جتنی ممکن ہو سکتی ہیں نادان سے نادان شخص بھی اس سے
اسی قدر مستفیض ہو سکتا ہے جتنا ایک عاقل شخص جس مطلب کو صاف طور پر
خدا وند تعالیٰ نے اپنا کلام پاک میں بیان فرما دیا ہے۔ اور اس سے کوئی منکر
نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ
اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ اور بے شک ہم نے تیری طرف کھلی باتیں اتاریں اور منکر ان سے
وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔" یہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ خالق ارض و سما

[illegible] طیبہ کے بعض کے ملفوظ درج کر دی ہے گو بعض مقام سے عبارت کی سکت بے ربطی
[illegible] خواہش کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ بہر حال مولانا حبیبہ کا پورا اسلامی جوش اس عبارت
[illegible] گا۔ جن احادیث کو مولانا نے اپنے وعظ میں فرمایا ہے ہم نے تلاش کر کے ان
کا [illegible] ہے۔ حاشیہ پر ہر حدیث کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

نے ایسی کھلی باتیں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے اتاریں کہ ہر فرد بشر ان سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے ہاں صرف ایسے لوگ منکر ہو سکتے ہیں جو بے حکم ہیں یعنی خدا کے کھلے حکموں کو نہیں مانتے اور اپنے بیجا تمرد اور نارواسرکشی کے نشہ میں ان روشن احکام سے روگردانی کرتے ہیں۔

یہ خوب سمجھ لو جو کتاب تمہاری ہدایت کے لئے بذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجی گئی وہ ضرور ایسی ہونی چاہیئے جیسے بلا تکلیف تم سمجھ سکو اور اس سے تمہیں خوبی ہدایت ہو خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اللہ ایسا ہے جس نے ان میں ایک رسول کھڑا کیا کہ اس کی آتیں ان پر پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے اور بے شک وہ پہلے سے گمراہی صریح میں تھے۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناپاکوں کو پاک کرنے اور جاہلوں کو عالم بنانے اور نادانوں کو عاقل بنانے اور احمقوں کو دانا اور سمجھدار بنانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے اُن اَن پڑھوں کو عقل کی باتیں سکھلائیں اور انہیں جہان سے افضل بنادیا اور ایسی کتاب کا سبق دیا جو ان کی روحانی اور جسمانی پاکی کی ایک کامل مددگار اور معاون بنی اور انہیں تمام ان ناپاک آلائشوں اور متعفن بیہودگیوں سے پاک کردیا جس میں وہ صدہا برس سے پھنسے ہوئے تھے وہ غلیظ اور قابل نفرت عادتیں جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اور جن ناقابل بیان خباثتوں میں وہ ایک زمانہ مدید سے پھنسے ہوئے تھے انہیں اس طرح پاک کردیا کہ

وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور پھر ان کے ایسے نکھرے ہوئے خیالات ہوئے جن پر آج اسلامی عالم ناز کرتا ہے۔

آپ جانتے ہوں گے کس وجہ سے انہیں جہان کی برائیاں آگئی تھیں اور کس زبون اور زشت خصلت نے انکی پاکیزہ اور بیگناہ فطرت کو طہارت سے دور کر دیا تھا۔ وہ صرف بت پرستی شرک اور خدا سے دوری تھی جس نے انہیں برباد کر کے ہلاکت کے کنارہ تک پہونچا دیا تھا۔

انہوں نے اپنے سچے خالق کی قوتوں کو تقسیم کر دیا تھا اور اس کی عظیم الشان اور غیر قابل تقسیم قوت کے حصے کر کے اپنے ہاتھ کے گھڑے ہوئے بتوں اور ننگی دیولوں میں بانٹ دئے تھے اور اپنی دیویوں اور بتوں کو جنہیں سجدے کرتے تھے بادلوں اور ہواؤں پر حکمران چاند سورج پر قادر خیال کرتے تھے وہ عقل کے دشمن جانتے تھے ہمارے ہی ہاتھ کے گھڑے ہوئے بت ہماری مشکلکشائی کریں گے۔ بعضوں نے چاند سورج کو اپنا معبود بنالیا تھا اور انہیں کے آگے سجدے کرتے تھے انسانی نیکی اور اشرفیت کو شانے۔ الاہی ایک بہت بڑا عیب تھا جو مخلوق میں خون کی طرح رگوں میں ساری ہو رہا تھا۔ غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا الحمد للہ آپ کی نبوت کا جو منشا تھا وہ پورا ہو خدا کا سچا جلال عالم پر چمکا اور دریائے باسفورس سے لیکر سس تک اور لیکر سے جمنا تک اس نور کا کامل پرتو پڑ گیا۔

مگر میں افسوس سے دیکھتا ہوں کہ بعض کوتاہ اندیشیوں اور ملکی جنگلوں کے اتار چڑھاؤ سے جو سلطنت ہند میں تب اور اہل ہنود کے ربط و ضبط سے اکثر ایسے خیالات جنہیں حیثیت اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے موجودہ نسلوں میں پائے جاتے

ہیں جن سے روحانی قوتوں کو شکست ملی اور اسلامی برکتوں نے ہند سے اپنا کوچ کیا۔

دیوی دیوتاؤں یا جن پریوں یا پیر شہید کی پرستش یا ان سے حاجتیں طلب کرنا یا ان کی قبروں پر اعتقاد اور صدق دلی سے چڑھاوا چڑھانا یا ضرورت کے وقت انہیں پکارنا جو دراصل بت پرستوں اور نصرانیوں کا شعار تھا زمانہ کی سنت بڑے ہمارے بھائیوں میں بھی جاری ہو گیا جسے ایک سچے مسلمان کی آنکھ نہا حسرت دیاس سے دیکھتی ہے ہم نے خدا اور رسول کے علم کو بھلا دیا۔ فطرت اللہ کا وہ منشا جس سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے تھے۔ بالکل نسیاً منسیا کر دیا۔ اسی سے ہمیں دینی اور دنیاوی تنزل حاصل ہے اور اسی سے ہماری یہ گت بنی ہے کہ ہم آخر کار دنیا کی مبتذل قوموں میں شمار کیے جانے لگے

بایں ہمہ ابھی ہمیں بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور ہم اپنے رب کے سچے کلام پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً ہم اگر اپنی یہ بری عادتیں چھوڑ دیں گے اور گناہوں سے توبہ کریں گے تو فلاح کا رستہ دیکھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے چنانچہ خداوند کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (اگر تم بُری چیزوں سے بچتے رہو گے جو تمہیں منع ہوئیں تو ہم تمہاری تقصیریں معاف کریں گے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے)۔ یہ سچ ہے کہ اگر تم نیک نیتی سے خدا سے ڈر کر اپنے بُرے اعمال سے توبہ کرو گے تو خوب سمجھ لو خداوند کریم کا یہ وعدہ تمہارے ساتھ پورا ہو گا اور پھر اس کی برکتوں سے مالا مال ہو گے اور تم پر اس کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

خدا کی بے شمار بخششوں کی سرتاج ایک بخشش وحدت پرستی ہے یعنی خدا کو

ایک جاننا اور اسی پر اپنی تمام امیدیں اور ضرورتیں موقوف رکھنا اور یہ سمجھنا کہ ہمارا سچا مشکلکشا وہی ہے اور وہی ہمیں ہدایت کرنے والا ہے کیا تمہیں اس کا خیال نہیں تم پانچوں وقت کی نماز میں ہر رکعت کے ساتھ پہلے کیا آیت پڑھتے ہو۔ بھائیو! وہ سورۂ فاتحہ ہے جس میں یہ مضمون درج ہے "تو ہی ہمارا معبود ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اسلام میں یہ ایک پہلی تعلیم ہے جو ہر مومن کو دی جاتی ہے۔ خدا کی بے شمار عنایتوں کا خیال کرو کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طریقہ سے تعلیم دیتا ہے اور انہیں نیکی اور سچی عبودیت کا کس ریاد لی اور رحم سے رستہ بتاتا ہے اس نے سکھایا ہے۔ تم جب میری عبادت کرو تو ہر بار یہی کہو ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں" جب دن بھر میں صد ہا بار ہماری زبان سے یہی نکلے گا۔ تو ہمارے خیالات اور اعمال پر بھی اس کا اثر ہوگا اور پھر ہم اپنی ضرورتیں کبھی کسی پیر شہید یا جن پری پر موقوف نہ رکھیں گے اور ہماری انسانی شرافت اور فضیلت کے دامن پر دھبہ نہ آئے گا۔ خدا کا جلال کامل طور سے ہماری روح پر چمکے گا اور ہم اللہ کے پیارے بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

بھائیو! تم اپنی پانچوں وقت کی نمازیں کیا پڑھتے اور ان نمازوں سے کیا سیکھتے ہو یا ان نمازوں کا مفہوم کیا سمجھتے ہو۔ اسلام کے روشن اصول ہمیں بتاتے ہیں کہ اس عبادت کا سچا مفہوم یہ ہے ہم پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہے اور کبھی اس کے آگے دوسروں کو معبود نہ بنائیں ان پر بھروسہ کریں اور اپنی تمام توتوں کا انحصار اسی کی تائید پر موقوف رکھیں بغیر اس کے نجات دارین کبھی نہیں ہو سکتی جیسا نبی کرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں اَلصَّلٰوۃُ الْخَمْسُ تُعْتِقُ بِکُفْرٍ مِّنْ جُنَّتِیہِمْ مَا اجْتَنَبُ

الکبائر"(ترجمہ) پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک ان گناہوں کو دور کرتی ہیں جو ان کے درمیان ہوں اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جاوے۔ خداوند کریم کے دربار میں جب ہم نہایت اطاعت اور نہایت فروتنی نہایت انکساری سے حاضر ہوتے ہیں اسوقت ہمیں یہ حکم ہوتا ہے کہ ہم یہ کہیں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں تو ہمیں رستہ دکھا جسپر تیری برکت نازل ہوتی ہے اور اس راہ سے بچا جسپر تیرا غصہ ہے" پھر بڑے افسوس اور حسرت کا مقام ہے خدا کے دربار میں تو حاضر ہوکے ہم یہ عرض کریں اور جب وہاں سے اپنے گھر آویں تو کسی پیر شہید کی قبر پر چلہ باندھنے جاویں اور یہ عہد کرآئیں جب ہمارا فلاں کام نکل آئے گا تو ہم آپ کی یہ نیاز دلوائیں گے۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے خدا کے آگے تو یہ التجا اور یہ وعدہ اور پھر شہید کی قبر پر یہ چڑھاوا اور یہ حاجت طلب کرنا۔

ہمارے یہ کام نہایت ہی خوفناک اور تباہی کرنیوالے ہیں اور یہی وہ کمبخت افعال ہیں جو ہمیں دین و دنیا میں بدنام کریں گے اور کبھی ہمیں اسلامی برکتیں حاصل نہ ہوں گی اور ہم دین و دنیا میں بھی اپنے پرائے کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور ایک عالم میں نکو بنے رہیں گے۔

یہ کس حسرت و یاس سے دیکھا جاتا ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ اسلام نے بہت دھوم دھام سے یہ اعلان دیا تھا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (ترجمہ) اللہ نے گواہی دی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (ترجمہ) تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو کہ اللہ تمہیں چاہے اور تمہارے گناہ بخش دے" اسلام کی صرف یہی ایک نشانی ہے

ہے کہ خدا کو واحد جاننا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پاک نبی سمجھنا اگر یہی ایک
بات نہیں ہے تو کس منہ سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان ہیں اب اس کے علاوہ کسی کا
ایمان ہے تو اس پر افسوس ہے۔ اگر ہم ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنے اعمال
کی طرف دیکھیں جنہوں نے ہمیں ٹھیٹ اسلام سے بہت دور پھینک دیا ہے تو ہمیں
معلوم ہو کہ ہم خدا اور اس کے نبی سے کتنے برگشتہ ہیں اور اس سے اپنی جانوں پر کیا
غضب توڑ رہے ہیں ہمارے کیسے کچے عقیدے اور ہمارا ایمان کیسا ضعیف ہے۔ اللہ جل
شانہٗ کی محبت ہمارے دل میں مطلق نہیں رہی اور ہم اپنی معمولی ضروریات پر کہیں شیخ سدو کا بکرا
کرتے ہیں اور کہیں سید احمد کبیر کی گائیں کرتے ہیں اور کبھی پریوں کا کونڈا کرتے ہیں
اور کبھی حضرت علی مشکل کشا (یہ خطاب شیعوں نے حضرت علی کو دیا ہے اور اسی کا اثر تمام سیدوں تک
پھیل رہا ہے) کا دونا کرتے ہیں کبھی کسی قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور کبھی کسی پیر کی قبر پر
چلہ باندھتے ہیں غرض ہم اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کیا کچھ شرک و بدعت نہیں کرتے
اور پھر کتنی دور اسلام سے جا پڑتے ہیں ہمارے ایمانی ضعف کا یہ سارا طفیل ہے اگر ہم میں
ایمانی ضعف نہ ہوتا تو یہ بیہودہ باتیں کبھی ہم سے ظہور میں آئیں جہاں خداوند کریم صاف طور سے
اپنے کلام مجید میں یہ فرماتا ہے تو دعا کریں قبول کروں گا وہاں ہم محض اپنی کمزوری خوش
اور ناجائز جذبہ کے مطیع ہو کر اس بیش قیمت وعدہ پر تو نگاہ نہ کریں اور ادھر ادھر بھٹکتے
پھریں۔ تف ہے ہماری اس حمیت اسلامی پر اور تف ہے ہماری اس مسلمانوں پر۔

یہ نہیں جانتے کہ جن سے تم اپنی حاجتیں طلب کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح خدا
کے محتاج ہیں جب وہ اپنی مشکل کشائی نہیں کر سکتے تو تمہاری کیا کر سکتے ہیں۔ وہ
خداوند کریم کے عاجز بندے ہیں اور ان کی بخشش صرف اسی کی مرضی پر موقوف ہے اور کوئی

یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کی نجات بھی ہوئی یا نہیں کیونکہ سوائے اِن چند صحابہ کے جن کی بشارت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہم کبھی قطعاً کسی کو ناجی اور ناری کہنے کے مجاز نہیں ہیں تو تم آپ خیال کر سکتے ہو کہ جب ان کے ناجی ہونے کی کوئی شہادت تمہارے پاس موجود نہیں ہے پھر کس طرح ان سے حاجتیں جا کے طلب کرتے ہو اور انہیں اپنا مشکلکشا بنا رکھا ہے کیا تم سے بھی زیادہ کوئی محسن کش اور احسان فراموش ہو سکتا ہے خداوند تعالیٰ تم پر کیسا مہربان ہے اور تم سے کیسی محبت رکھتا ہے اور تم اس سے بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔ ہمارا فرض ہے اور یہی ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر حالت میں اسی کی طرف رجوع کریں کیونکہ جب تک ہم اس کی طرف رجوع نہ کریں گے ہماری بخشش نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا (وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے) بعض ہمارے بھائی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہم ان شہیدوں سے اپنی حاجتیں طلب نہیں کرتے بلکہ ان کے وسیلہ سے خدا سے مانگتے ہیں اور اپنے اس دعوے کی دلیل دنیاوی معاملات پر منحصر رکھتے ہیں کہ جبتک کوئی شخص سفارشی نہ ہو امیر کے دربار تک رسائی نہیں ہوتی۔ مگر یہ خیال اُن کا جیسا رکیک ہے اسی قدر کم عقلی پر دلالت کرتا ہے۔ امیر کے دربار اور خداوند تعالیٰ کے دربار کی مناسبت نہیں ہو سکتی امیر کسی حاجت مند کی حاجت بغیر عرض کئے نہیں جان سکتا اور خدا کو اپنی کل مخلوق کا رتی رتی علم ہے امیر بغیر اطلاع کئے نہیں پہچان سکتا کہ مجھ سے کون ملنا چاہتا ہے لیکن خدا کے صرف دل کے ارادے سے جانا جاتا ہے پھر ایسے عالم الغیب چھپی اور پوشیدہ چیز کو جاننے والے مخلوق کے دلی خیالات کا علم رکھنے والے کے دربار میں کسی سفارشی کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی اطلاع کرنیوالے کی حاجت ہے شریعت کا رستہ صاف اور کھلا ہوا ہے دین کی

رحمت ہم پر پوری ہو چکی ہے اس کی تکمیل کی ضرورت اب نہیں رہی۔ پھر کیا ضرور ہے کہ
غیر ضروری باتوں کی طرف ہم اپنا دل رجوع کریں اور اسلام کے روشن احکام سے
برگشتہ ہوں فقط۔"

یہ اس قیمتی وعظ کا خلاصہ ہے جو مولینا شہید نے دل بار الوداع کے دن فرمایا
گو وعظ اتنا بڑا ہے کہ پندرہ سولہ جزو میں اگر پورا تحریر کیا جاوے تو بمشکل تمام ہو سکے
لیکن ہم نے اس پریشان اور بے ربط تحریر سے جو ان کے منشی ہیرالال کے ہاتھ کی نہایت
جلدی میں لکھی گئی تھی بمشکل بڑے غور و فکر کے بعد یہ خلاصہ کر لیا ہے اور بہت سی
حدیثیں اور آیتیں نقل کی ہیں لیکن وہ ایسی اشاروں میں لکھی گئی ہیں کہ ہم سے مطلق نہیں
پڑھی گئیں۔ بہر حال مولانا کے پرجوش اسلامی خیالات کا اسی سے ایک انداز ہو سکتا ہے اور
سیدھے سادے وعظ سے جو بالکل اسلامی عقاید کو ظاہر کرتا تھا۔ عوام الناس میں
خوفناک تحریک پھیل گئی اور ان کے فاسد خیالات کے سمندر میں ایک عجیب تموج
پیدا ہو گیا وہ نیاز نذر کرنے کے مدت سے عادی تھے وہ اس بات کو اپنا دین و ایمان
سمجھتے تھے کہ ضرورت کے وقت پیروں کا کونڈا کریں اور سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو
کا بکرا کریں انہوں نے یہ تقریر کاہے کو سنی تھی کہ یہ ساری باتیں بدعت و شرک ہیں
اور اسلام سے انہیں کچھ علاقہ نہیں ہے اسلام میں اگر توحید کے مسئلہ پر غور کیا جاوے
تو واقعی ایسا نازک اور باریک ہے کہ بمشکل آدمی شرک سے بچ سکتا ہے مثلاً یہ
سمجھنا کہ ابر آپ پانی برساتا ہے اسلام میں شرک ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پانی کھیتوں
میں اناج پیدا کرتا ہے شرک ہے چہ جائیکہ اپنی حاجتوں کے انبار کو پیر شہید
کی گردن پر رکھنا اور انہی پر اپنی تمام ضروریات کے حل ہونے کو موقوف سمجھنا

یہ تو صریح کفر اور شرک ہے۔ اپنی کسی حاجت پر خدا کے سوا کسی کو پکارنا یہ ایک
کمزور اہال ہے جو ضعیف طبائع میں اکثر اٹھتا ہے انسان کی طبیعت میں قدرتی
احسان فراموشی اور محسن کشی کا مادہ بہت ہے مگر ان پاک اور مقدس انفاس کا
ذکر نہیں جن پر اسلام کی پوری برکتیں نازل ہو چکیں ہیں اور دین خدا کا پورا جلال
اپنی تابانی ان کے جلاء قلوب پر دکھا چکا ہے وہ ہر حالت خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ اور
چاہے ان پر کیسی ہی مصیبت آ کے واقع ہو وہ خدا کریم کے سوا کسی کی بھی مدد نہیں
چاہتے۔ یہی ان کا مایہ انبساط ہے اور اسی پر انہیں ناز اور فخر ہے وہ خدا پرست قوم جس
نے اول وحدت پرستی کا دنیا میں ڈنکا بجایا مسلمانوں کی مرحوم قوم ہے خدا وہ دن نہ
کرے کہ اس کی خدا پرستی کی صفت گور پرستی بت پرستی اور تعزیہ کی صورت بن جائے
یہ سب جانتے ہیں خدا کے آگے سب عاجز ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ کسی کی سفارش
اللہ کی درگاہ میں کر سکے۔ حشر میں جب تمام پیغمبروں کی امتیں باری باری سے اپنے
نبیوں کے پاس جائیں گی اور عاجزی سے یہ عرض کریں گی کہ آپ ہماری شفاعت
خدا کے آگے کیجئے تو وہ خوف باری تعالیٰ سے کانپیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم میں
مجال نہیں ہے کہ ہم تمہاری سفارش کر سکیں ایک نبی دوسرے نبی کے پاس بھیجے گا اور وہ
بھی کہہ کے ٹال دیگا حتیٰ کہ ہمارے آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے
اور آپ خداوند تعالیٰ سے (اس کے حکم سے) سب مومنین کی شفاعت چاہینگے
انبیاء علیہم السلام جو معصوم (بیگناہ) ہیں ان کی یہ کیفیت ہے وہ خدا سے کسی کی
سفارش کرنے کے مجال نہیں ہیں پھر ہم حیران ہیں کہ یہ کیونکر سمجھ لیا گیا اگر فلاں
شہید یا ولی کی نیاز دلوائی جائے گی اور اس کی قبر پر لال ڈورا باندھ دیا جاویگا۔ وہ

منت مانی جائے گی۔ محض اس امید سے کہ یہ خدا سے ہماری سفارش کردیں گے تو ہماری
ضروریات یا ہماری مشکل حل ہو جائے گی۔ یہ کتنے قہر کا مقام ہے خصوصاً مسلمانوں
کیلئے جن کے اسلام کے خلاف ایسے عقیدے ہوں اور پھر وہ اپنے کو مسلمان کہیں۔
یہ سچ ہے کہ ضرورت دنیا میں ایک ایسی قہر کی چیز ہے کہ جس کے سبب انسان سے ناگفتہ بہ افعال
صادر ہوتے ہیں اور ایسے ایسے قبیح کاموں کے کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ اگر ضرورت نہ پڑتی
تو کبھی نہ کرتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے لئے خدا کے وعدے ایسے زبردست سہارا دینے
والے ہیں اگر وہ ان پر غور کریں اور اپنے دل میں سمجھیں اور ان کا پورا یقین اپنے قلب
میں کرلیں تو کبھی بھی ضرورت کا خوفناک جن انہیں نہ ستا دے اور وہ ہمیشہ محض اللہ
کے بھروسے پر مصیبت کے وقت بھی مطمئن اور خوشحال رہیں سب سے زیادہ ایسے
لوگوں پر بھی افسوس ہے جو ضرورت کے وقت یا اپنی سخت تر مصیبت کی حالت میں جب
وہ اپنے معاونین کی مدد سے ناامید ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں خدا ہی سے
مدد چاہنی بہتر ہے اور اس کی مشکلکشائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا تو وہ اس وقت اللہ تعالیٰ
سے مدد چاہتے ہیں اور خدا ان کی مدد کرتا ہے کیونکہ خدا نے خود وعدہ فرمایا ہے
جو مجھے سچے دل سے پکارتا ہے اس کے پاس پہنچتا ہوں اور جب وہ احسان فراموش
اس مصیبت سے رہائی پائے ہیں تو اپنے ناپاک خیالات اور نامقدس افعال کی طرف
رجوع ہوتے ہیں اور پھر دین دنیا میں خسارہ پاتے ہیں جن کی حالتوں پر خداوند تعالیٰ
خود افسوس کرتا ہے اور فرماتا ہے: فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے
پورا اسی پر نیت رکھ کے اور جب انہیں زمین پر بچا لایا تو لگے شریک کرنے۔

ایسے نالائق اور بیہودہ طبائع پر افسوس۔ اس آیت کا صاف یہ مفہوم ہے۔ اگر کشتی میں سوار ہیں اور کوئی بحری یا سماوی آفت آکے واقع ہو تو خدا ہی سے مدد مانگو کیونکہ وہی ناگہانی بلاؤں سے بچاتا ہے اس سے صریح خدا پرستی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے مگر ہٹ دھرم اور ضدی بندے نہیں سمجھتے۔

جب یہ وعظ جس کو ہم نے مختصر طور پر لکھا ہے مولانا صاحب نے فرمایا تو اکثر مسلمان ناراض ہوئے اور انہوں نے باہم یہ کانا پھوسی کرنا شروع کی کہ مولینا نے بزرگان دین کی سخت توہین کی ہے اور بڑی بے ادبی سے پیش آئے ہیں اور نیاز نذر کو برا بتاتے ہیں غرض باتوں کے بتنگڑ بن گئے اور نئے نئے اتہامات اور الزامات وعظ میں جن کا سان وگمان بھی نہ تھا۔ مولینا کی بے گناہ ذات پر لگائے گئے۔ کسی نے یہ مشہور کیا انہوں نے نبی کی توہین کی۔ اور کہا وہ ہم سے زیادہ (معاذ اللہ) نہیں ہیں کسی نے یہ کہا وہ حدیث وقرآن پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں جانتے غرض وہ باتیں جن سے سراسر دشمنی ٹپکتی تھی مولانا کے سر چپکائی گئیں اور بلا واسطہ کی وہ وہ باتیں جن سے مولانا کی ذات والا ہمت دور تھی زبردستی آپ کے وعظ میں داخل کرنی چاہیں۔

یہ لوگ اپنی ان چالاکیوں میں کامیاب ہوئے اور مولینا کے خلاف تمام شہر میں ایک جوش پھیل گیا۔ چند سنجیدہ لوگ انصاف پرست بزرگ جو اس جلسہ میں موجود تھے جنہوں نے مولینا کی تقریر خوب گوش دل سے سنی تھی۔ ایک عام مخالفت کے آگے کچھ دم نہ مار سکتے تھے۔ انہیں اپنی جانوں اور عزت کا خیال تھا کہ کہیں اس طوفان بے تمیزی کے ہم ہی نذر نہ ہو جائیں۔

طلبہ کے گروہ میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور انہوں نے بھی خواہ مخواہ کی مخالفت میں قدم رکھا۔ یہاں عجیب کیفیت تھی کہ طلبہ اور غیر طلبہ سب ایک ہی کھوپری کے لوگ تھے بھلا جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی مستورات بیوی کی صحنک کرتی تھیں اور کوئی منع نہ کر سکتا تھا۔ تو اور گھروں کا کیا کہنا جو لوگ تعزیہ پرستی کو نہی دین وایمان جانتے تھے اور سیتلا کو پوجتے تھے ان کے آگے دین اسلام کی ایسی باتیں بہت ہی گراں گزریں گی اور خواہ مخواہ مخالفت کرنے پر تیار ہوں گے۔ طلبہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ہم مولانا سے اس بات پر گفتگو کریں گے کہ ولیوں اور شہداء کو خدا کی درگاہ میں کیوں وسیلہ نہ بنایا جائے اور ان سے کیوں نہ حاجتیں طلب کی جائیں بعض اس بات پر آمادہ تھے ہم حدیث میں گفتگو کریں گے اور مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد تو بہت سرگرمی سے اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ معقول میں مولینا سے بحث کریں گے غرض ہر شخص اپنے خیال کے مطابق مولانا کی مخالفت پر ٹوٹ پڑا اور شہر دہلی میں نئی نئی باتیں مولانا شہید کی نسبت اڑنے لگیں لیکن یہاں تک نہ عورتوں میں بھی اس کی گفتگو شروع ہو گئی اور وہ بھی مخالفت کے ہتھیاروں کو مولینا کے مقابلہ میں استعمال کرنے لگیں یعنی کوسنے دینے

لہ تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی صفحہ میں بغیر کسی شہادت صریح کے یہ لکھا ہوا ہے کہ صحنک وغیرہ کی رسمیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں بھی جاری تھیں مگر میں اس کا یقین نہیں کرتا کیونکہ یہ خاندان سچا عامل با حدیث ہونے کا افتخار رکھتا تھا۔ بہر حال اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ امراء اور شرفاء کی مستورات شرک و بدعت میں مبتلا تھیں۔ بلکہ مولویوں اور لکھے پڑھوں کی عورتیں بھی ایسا ہی کرتی تھیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ ایسی بڑی بات جیسی کتاب کا مصنف لکھتا ہے بغیر کسی زبردست شہادت کے ہم نہیں مان سکتے

اور مولانا کا نام لے کر بیٹھنا۔ ایک دن مولانا شہید عصر کی نماز پڑھ کے جامع مسجد
میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک بڑھیا مولوی صاحب کے پاس آئی
اور اس نے کہا مولوی صاحب مُوا اسمٰعیل کون نیا مولوی پیدا ہوا ہے جو یہ کہتا
ہے بیوی کی صحنک نہ کرنی چاہیئے آپ نے جواب دیا۔ بڑی بی۔ مُوا اسمٰعیل نہیں کہتا
بلکہ جس بیوی کی تم صحنک کرتی ہو اس کے باپ نے منع کر دیا ہے کہ میری بیٹی کی صحنک نہ
کیا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ کہنے لگی جب بیوی کا باپ یہ کہتا ہے میری بیٹی کی صحنک نہ کیا کرو
میں اس پر صدقے گئی۔ آئندہ سے نہ کیا کروں گی واری جاؤں یہ بات ہے تو سچ نا۔
آپ نے فرمایا خدا گواہ ہے یہ بالکل سچ ہے، وہ بڑھیا مولانا کی بلائیں لینے لگی اور
دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ اس سے ناظر سوانح اس عام مخالفت کا اندازہ کر سکتا ہے جو
مولانا شہید کی عورت و مرد میں پھیل گئی تھی اور یہ ضرور ہونا تھا صدیوں کی بری عادتیں
جو دل والوں کی گھٹی میں بیٹھ گئی تھیں یکا یک بغیر ایک عظیم الشان جھگڑے کے
نہ جا سکتی تھیں۔ مولانا شہید کو ایک ایک ادنیٰ واقع کی روزمرہ رپورٹ گزرتی تھی۔
اور آپ ہر مخالفت کی خبر کو نہایت سنجیدگی سے سنتے تھے اور اس پر غور کرتے تھے
لُطف یہ تھا کہ ابھی یہ وعظ نہایت دھیما تھا اور جو بات یا ہدایت کی گئی تھی۔ وہ بیعتِ
غائب میں کی گئی تھی اور ابھی ان رسوم کی بابت بہت کم بیان کیا گیا تھا جو قلعہ اور
قلعہ کے باہر کی جاتی تھیں۔ ابھی تقلید اور پیر پرستی کی بحث ہی نہ ہوئی تھی نہ اس
پر کسی قسم کے اعتراض کئے گئے تھے ایسے سادے وعظ پر جب یہ شور و غل ہوا تو
اس کا اندازہ ہو سکتا تھا کہ جب کھلم کھلا ہر مسئلہ پر بحث کی جائے گی تو کیا آفت
برپا ہوگی۔ مولانا شہید نے خطرہ کے وزن کو پورا پہچان لیا اور گو ابھی شاہد و اعیان

شہر اس طرف رجوع نہ ہوئے تھے ورنہ ابھی مولوی فضل حق صاحب کی مخالفانہ کاروائی شروع ہوئی تھی پھر بھی عقلمندی یہ تھی کہ ہر طرح سے بندوبست کیا جائے اور ایسا نہ ہو مخالف غافل پا کے کوئی جسمانی مضرت پہنچائیں۔

آپنے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کے مرید کیا اور انھیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ یہ کاروائی کی جائے کیوں کہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی اور خدا کی شان سے روزمرہ ایسی ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں کہ اس مخالفت میں ادرجان پڑتی تھی مثلاً ایک دن مولوی اسمٰعیل شہید معہ اپنے چند معتقدوں کے جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے اس عرصہ میں خدام زیارت [1] کی چیزیں لے کے اکبر شاہ کے لیئے قلعہ میں جانے لگے تھے

---

[1] یہ تبرکات جو جامع مسجد میں ملے ہوئے ہیں محمد شاہ کے وقت قلعہ سے جامع مسجد میں لائے رکھے گئے تھے۔ کیوں کہ وہاں فسق و فجور بہت ہوتا تھا اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ قلعہ پر اسی لئے تباہی پڑی ہے۔ جہاں یہ تبرکات رکھے ہوئے ہوں وہاں اس قسم کی عیاشی ہو جس کی نظیر دنیا میں کم ملے گی۔ ان تبرکات میں موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جبہ شریف نبی اکرمؐ۔ نعلین شریف نبی اکرمؐ۔ قدم مبارک نبی اکرمؐ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ پنجہ شریف حضرت علیؓ۔ قرآن شریف نوشتہ حضرت امام حسنؓ۔ موئے مبارک حضرت حسینؓ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت امام حسین شہید کربلا۔ موئے مبارک حضرت امام حسینؓ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ امام جعفر صادق۔ غلاف روضہ اطہر نبی اکرمؐ۔ غلاف کعبہ شریف۔ ان تبرکات کی ماخذ یہ ہے۔ جب تیمور لنگ نے دمشق فتح کیا ہے اور وہاں کی غنائم اس کے قبضہ میں آئیں تو سب سے متبرک چیزیں جو اس کے قبضہ میں آئیں وہ یہ تھیں۔ مذکور بالا تھا۔ یہ وہ دمشق ہے جو کئی صدی تک بنی امیہ کا پایہ تخت رہ چکا تھا اور یہاں شاہی جبروت کی انتہا ہو چکی تھی۔ یہ تبرکات تیمور نے بہت ادب سے اپنے قبضے میں رکھے اور جہاں جاتا اپنے ساتھ لے جاتا چنانچہ ہندوستان میں آیا تو ان تبرکات کو بھی ساتھ لایا۔ اس کے آگے پتہ نہیں چلتا کہ یہ تبرکات شریف ہار

لوگ جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے سب کھڑے ہو گئے اور سب نے نہایت خوش اعتقادی سے اٹھ کے تعظیم دی اور کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ مگر مولینا شہید اور آپ کے رفقاء بیٹھے رہے اور تعظیم پر مطلق توجہ نہ کی۔ تمام معتقدین اشیائے زیارت جل کے خوک ہو گئے اور خدام تو اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کا بس نہ چلا ورنہ وہیں خون خرابا کر ڈالتے وہ سید سے اکبر شاہ ثانی کے دربار میں حاضر

بادشاہ کے ہاتھ کیوں کر پڑ گئے۔ ایک روایت کے بموجب یہ معلوم ہوا ہے کہ بابر ان تبرکات کو لے کے بلخ روانہ ہوا۔ جب بابر کی وفات ہو گئی تو یہ تبرکات بخارا میں چلے آئے اور وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ ہندوستان میں جب شاہجہان کی سلطنت ہوئی تو اس نے ان تبرکات کو اس بناء پر کہ میرے بزرگوں اور بابر کی ملک تھی۔ امیر بخارا سے واپس منگا لیے اور انہیں نہایت ادب سے موتی مسجد میں رکھا۔ بعد ازاں یہ مقدس چیزیں دہلی کے لال قلعہ میں چلی آئیں اور جب عالمگیر دکن پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ ہوا تو یہ مقدس چیزیں لال قلعہ سے جامع مسجد میں مغربی جانب والی مینار کی طرف رکھ دیں ۱۸۵۷ء کے طوفان بے تمیز غدر میں بڑی جانفشانی سے یہ تبرکات محفوظ کئے گئے۔ در سرائے روح الدین خاں میں انہیں بڑی حفاظت سے رکھا گیا ۱۹۱۳ء میں جب جامع مسجد واگزار ہوئی۔ عمائد شہر دہلی ان تبرکات کو اس سرائے سے جامع مسجد میں لے آئے اور جنوب والی بارہ دری میں انہیں محفوظ کیا چنانچہ وہ اب تک موجود ہیں۔ یہ تاریخ ان تبرکات کی ہے جو ہماری آنکھوں کے آگے رکھے ہیں۔ خدام تبرکات کی بیان کی ہوئی تاریخ کی مگر کسی معتبر تاریخ میں ہم نے اس کا کوئی ذکر نہیں پڑھا۔ سر ولیم میور صاحب نے مختلف تبرکات کا ذکر کیا ہے (دیکھو لائف آف محمد صفحہ ۵۵۹ کا فٹ نوٹ) لیکن ان تبرکات کی بابت وہ کچھ نہیں لکھتا۔ حضرت عثمان غنی کے قرآن کی نسبت اسے ابن بطوطہ اور ادریسی کی خبریں پہنچی ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا تھا لیکن میور پھر یقین نہیں کرتا اور کہتا ہے ہزاروں خاندانی تغیر و تبدل کے بعد یہ ناممکن ہے کہ تبرکات محفوظ رہے ہوں چنانچہ وہ لکھتا ہے حضرت عثمانؓ کا نظر ثانی کیا ہوا قرآن حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے استعمال میں آیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے قرآن لکھا تھا اہل شیعہ کے یقین اور خیال کے بموجب مشہد علی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا قرآن لکھا ہوا رکھا ہے اور اسی طرح

ہوئے زیارت کی چیزیں دیکھ کے اکبر شاہ سر تا پا کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک سے
سب کو آنکھوں سے لگایا اور ان پر بوسہ دیا۔ یہ کہہ کے خدام رونے لگے اور انہوں نے ہاتھ باندھ
کے کچھ عرض کرنا چاہا۔ اکبر شاہ نے ان کے رونے اور عرض کرنے پر توجہ مبذول کی اور کہا تم
کیوں روتے ہو۔ وہ اور بھی روئے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ آخر اکبر شاہ کے متواتر
اصرار پر خدام نے ٹھنڈی سانس بھری اور روتی آواز میں کہا اسمٰعیل نے جو شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا ہے
بڑا ہی ستم کر رکھا ہے۔ وہ برملا دین اسلام کی توہین کرتا ہے اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کا مطلق ادب نہیں کرتا۔ ابھی یہ تبرکات جب کوٹھری شریف میں سے لے کے نکلے ہیں۔ تو
جتنے مسلمان تھے سب کھڑے ہو گئے لیکن وہ اور اس کے مرید نہ کھڑے ہوئے اور
ہمیں اور تبرکات کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ حضور ظل اللہ اور خلیفہ رسول اللہ

دستخط بھی ثبت ہیں۔ قرآن مجید کے چند اوراق حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے لاہور کے توشہ خانہ میں
موجود ہیں اور اسی طرح حضرت امام حسین کی قلم کے لکھے ہوئے قرآن بھی محفوظ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کے
بعد میور صاحب اپنے نیچے نوٹ میں لکھا ہے (لائف آف محمد صفحہ [illegible]) وہو ہذا

مسلمان ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن نسخہ
اب تک موجود ہے یعنی شہادت کے وقت حضرت آپ تلاوت فرما رہے تھے وہ بنو [illegible] القدس میں کتب خانہ [illegible] رکھا ہے
اور لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے اوراق قرطبہ کی بڑی مسجد میں لگے ہوئے تھے اور ان تقریبات پہ بیان کیا
ہے جو ان اوراق پر ظاہر ہوا ان میں۔ وہ اوراق اسی طرح فیض (دارالخلافہ مراکو) میں پہنچا دئے گئے۔
ابن بطوطہ نے جب [illegible] میں بصرہ کا سفر کیا ہے بیان کرتا ہے یہ عثمانی قرآنی نسخہ بصرہ کی مسجد میں تھا
خلیفہ کے خون کے قطرے [illegible] ظاہر طور پر معلوم ہوتے تھے (اور وہ الفاظ یہ تھے) [illegible]
[illegible] (سورہ بقرہ) روایت کے بموجب یہ معلوم ہوا کہ مظلوم خلیفہ کا خون ان الفاظ پر
ہوا تھا۔ ان کے علاوہ اور نسخے حضرت عثمان کے [illegible] کے لکھے ہوئے روایت کئے جاتے ہیں [illegible]
[illegible] دمشق میں [illegible] کی طرح محفوظ ہیں [illegible] اس کے نیچے یہ نوٹ دیا ہے حضرت
عثمان [illegible] اور ترتیب پائی اور اس [illegible] ان کی ترتیب کے مشورہ [illegible]

ہیں۔ اگر خداوندِ زمین وزمان کی سلطنت میں ایسا دشمن اسلام (افسوس) مار نہ ڈالا گیا یا جلاوطن نہ کیا گیا تو خدا کے ہاں کیا جواب دیا جائے گا۔ یہ سن کے اکبر شاہ بہت ہی متردد ہوئے۔ کیونکہ وہ خود کمپنی کے پنشن خوار ملازم تھے ان کا اختیار نہ تھا کہ بلا وجہ کسی شخص کو پکڑ کے مار ڈالیں یا جلاوطن کریں۔ ہاں یہ ضرور تھا وہ انگریزوں سے شکایت کہہ سکتے تھے اور خوش قسمتی سے انہیں یقین تھا کہ اگر میں کسی کی شکایت کروں گا تو کمپنی اس پر اعتبار کر کے اس کا ربند ہوگی پھر بھی اس عاقل بادشاہ نے ایسے روشن اور نیکنام خاندان کے ایک ممبر پر خدام کے کہنے سے دست اندازی نہیں کی بلکہ یہ مناسب سمجھا کہ پہلے مولوی صاحب کو بلائیں اور ان سے بالمشافہ گفتگو کرلیں تاکہ مولینا کے عقائد پر پورا علم ہوجائے اور پھر جو کارروائی کی جائے پیچھے اس پر پچھتاوا نہ کرنا پڑے اپنے دل میں یہ خیال کر کے اکبر شاہ نے خدام کی تسکین کردی اور کہا تم رنج نہ کرو میں اس بات کا بندوبست کروں گا۔ چنانچہ مولینا کو اکبر شاہ نے بلایا۔ مولانا شہید سمجھ گئے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے آپ کے معتقدوں اور کنبہ کے بعض ممبروں نے مشورہ دیا آپ پہلے ریذیڈنٹ سے مل لیں اور اپنی مخالفت کی ساری حقیقت بیان کردیں۔ مبادا آپ کو اکبر شاہ کچھ مضرت پہونچائے مگر آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:-

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک نسخہ بھی اب تک موجود ہو۔ جبکہ صدہا خاندانوں کے اختلافات ظہور میں آئے جس میں اسلامی دنیا کا ہر حصہ ہلتا تھا۔ کوئی بہت پرانا نسخہ عثمانی قرآنی نسخہ کہدیا جاتا ہوگا۔ (میور کا نوٹ ختم ہوگیا)۔

جب ایسی تاریخی اور علمی شہادتوں پر میور کو یقین نہیں آتا۔ تو دہلی کے تبرکات کی نسبت جس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے کیا کہا جاسکتا ہے۔

المؤمنون ٥ (ترجمہ تو کہہ نہ پہنچے گا ہمیں ہرگز مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے وہی ہے صاحب ہمارا اور چاہیئے مسلمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

اور آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خیال میں کوئی جرم نہیں کیا ہے نہ دنیوی نہ دینی پھر میں کیوں خوف کھاؤں اور ابھی مجھے یہ بھی علم نہیں ہے اکبر شاہ کا خیال میری نسبت کیا ہے میں اس کی ناحق کیوں شکائیت کروں میں دلیری سے اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور جو کچھ وہ دریافت کرے گا اس کا شافی جواب دیا جائے گا۔

آخر آپ بڑی دلیری سے اکبر شاہ کے دربار میں پہنچے مگر ہاں ہم یہ لکھنا بھول گئے۔ دربار میں جانے سے پہلے آپ نے اکبر شاہ کو یہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اگر آپ مجھے دربار میں بلاتے ہیں تو میں ان تمام درباری قیود سے معاف کیا جاؤں جو آپ کے ہاں ایک لازمی امر ہے میں اسلامی طریقہ سے ملوں گا اور جیسا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تہذیب سکھائی ہے ہم اسی طرح عمل درآمد کریں گے۔

اکبر شاہ نے بعد غور و فکر اور مشورہ کے یہ بھی تسلیم کر لیا۔ پھر مولانا شہید دربار اکبری میں داخل ہوئے، جاتے ہی السلام علیکم کہا اور اکبر شاہ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا جواب دیا۔ ملاقات پرائیویٹ تھی۔ سوائے دو تین خواجہ سراؤں کے اور کوئی نہ تھا اکبر شاہ ایک گدی پر بیٹھے ہوئے تھے شاہ صاحب بھی پاس جا کے بیٹھ گئے۔ اکبر شاہ نے نہایت خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا اور آپکے خاندان عالی کی تعریف

لہ یہی ایت حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت لشکر پر اس وقت پڑھی تھی جب آپ لڑتے ہوئے اس کے کیمپ میں ملنے گئے اور لوگ مصر ہوئے تھے کہ دشمن کی فوج میں تنہا تشریف نہ لیجائیں اور آپ نے اس آیت کے بعد دوسرے کسی کی بھی پرواہ نہ کی۔ (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۳۸۹) ۱۲

کرنے لگے اس کے بعد اکبر شاہ نے یہ کہا میں نے آپ کی نسبت مختلف افواہیں سنی ہیں چوں کہ مجھے ان کی تصدیق کرنی ضرور تھی اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ کیا خدانخواستہ آپ کے ایسے خیالات ہیں آپ اسلام اور بانی اسلام نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں جانتے یہ سن کے مولانا شہید نے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا اور پھر دین اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے اور خوش اسلوبی سے بیان کئے کہ اکبر شاہ حد سے زیادہ محظوظ ہوئے اور آخر میں انہیں رقت آ گئی وہ ہر چند چاہتے تھے کہ اپنے کو ضبط کریں لیکن نہ کر سکے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی جب یہ تمام باتیں ختم ہو گئیں تو اکبر نے دبی آواز سے کہا کہ حبیب رسول مقبول کی آپ کی نظر میں یہ فضیلت اور بزرگی ہے۔ پھر آپ نے جمعہ گذشتہ کو تبرکات کی کیوں نہیں تعظیم دی۔ میرے خیال شاید یہ بات غلط ہو کیونکہ آپ کی ذات سے یہ بعید ہے آپ تبرکات کی تکریم نہ کریں۔ مولانا شہید نے جواب دیا نہیں صحیح ہے میں نے تبرکات کی تعظیم نہیں کی اس لئے کہ میں انہیں تبرکات نہیں سمجھتا۔ نہ ایسے تبرکات کی جو فرضی ہیں اسلام میں تعظیم کرنے کا حکم آیا ہے یہ سن کے اکبر شاہ چونکے اور کہا یہ افسوس کی بات ہے آپ تبرکات کی عزت نہیں کرتے۔ اس پر شاہ اسمٰعیل صاحب نے یہ کہا کہ اگر یہ تبرکات ہوتے تو آپ ان کی زیارت کو جاتے نہ کہ یہ تبرکات آپ کی زیارت کو یہاں آتے۔ یہ سنتے ہی اکبر شاہ کو سناٹا آ گیا اور انہوں نے مولانا شہید سے معافی مانگی اور کہا آئندہ میں یہ بدعت کبھی نہ کروں گا۔ پھر مولانا نے اکبر شاہ کے ہاتھوں کی طرف اشارہ جس میں سونے کے کڑے تھے اور جن میں ایک بیش قیمت پتھر (جواہر کی قسم) جڑا ہوا تھا اکبر شاہ نے مولانا شہید کے کہنے پر کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے فوراً کڑے اتار کے مولانا کے حوالے کئے

مولانا شہید بڑے ذہین اور رسا طبیعت کے تھے۔ انہیں اپنے ہم وطنوں کی مشتبہ طبائع
کا پورا اندازہ تھا اور اپنی بدنامی کا حتی الوسع خیال کرتے تھے اس لئے آپ نے وہ کپڑے
واپس کر دئے اور فرمایا انہیں فروخت کر کے مساکین کو دے دیں میں نہیں لے سکتا۔ گو
میں بھی محتاجوں کو دے سکتا ہوں۔ لیکن لوگ یہ طعنہ ماریں گے کہ اسمٰعیل نے اکبر
بادشاہ سے کپڑے اتروا کے آپ اینٹھ لئے۔ اسی لئے سونا پہننے پر اعتراض کیا ہوگا
لہٰذا میں ایسی بدگمانیوں سے ہمیشہ بچنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کے اکبر شاہ اور بھی خوش
ہوئے اور نہایت عزت و توقیر سے مولانا شہید کو رخصت کیا۔ ہمیں ایک راوی کی روایت
کے بموجب یہ اطلاع ملی ہے کہ مولانا کو ایک خلعت فاخرہ سات پارچے کی بھی عنایت کی
تھی اور رخصت کرتے وقت اکبر شاہ نے یہ دعا دی تھی "خدا کرے اسلام کے عقیدہ کا مول
کی مشکل کشائی تمہاری ہی قوت بازو سے ہو"۔ جب مولوی اسمٰعیل صاحب کا یہ اعزاز
ہوا تو اور بھی مخالفوں کے دانت کھٹے ہوئے اور انہیں اپنے خیالات میں ناکام
ہونا پڑا۔ اشرکات کے آنکھیں پھاڑے ہوئے یہ رستہ دیکھ رہے تھے اسمٰعیل
قلعہ میں بے عزت کیا گیا ہے اور اکبر شاہ نے اسے قید کر کے انگریزوں کے
حوالے کر دیا۔ مگر وہاں اور ہی صورت نظر آئی۔ یہ وجہ اور بھی ان کی بے بنیاد
دشمنی کی آگ بھڑکانے والی تھی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سر بازار آپ کے قتل
کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ جس سے مخالفین کے غصے کا پورا جوش معلوم ہوتا تھا
اس عرصہ میں موصوف اپنی منزل سے باز نہ رہے جس آگ کو انہوں نے
بھڑکایا تھا اس کے خاتمہ تک پہنچانے کو موجود تھے یا جس کام کو اٹھایا تھا اس کو
پورا کرنے کا وہی جوش باقی تھا اور اب اسی مخالفت میں آپ نے دوسرے وعظ کا

ارادہ کیا اور یہ وعظ اور بھی خوفناک اور دہلی والوں کے لئے ایک عجیب صورت کا ثابت ہوا۔

ضروری تمہید

(مولانا شہید کے مختلف مضامین پر وعظ اور مولوی فضل حق صاحب کی تلخ تر مخالفت)

پہلے اس سے کہ ہم مولانا شہید کے وعظ اور تلخ تر مخالفت کا تذکرہ کریں جو مولوی فضل حق صاحب نے مولانا شہید سے برتی تھی اور اپنی تمام سررشتہ داری کی قوت مولانا شہید کے مقابلہ میں صرف کر دی تھی یہ بہتر ہو گا کہ ان دونوں علماء کا تذکرہ کریں اور دونوں کی علمی قابلیت اور زہد و تقویٰ اور حمیت اسلامی کا مقابلہ کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں۔ تاکہ انہیں دونوں کے افعال اعمال اور ضمیری جوہروں کے جانچنے کا پورا پورا موقع ملے۔ یہ بحث چونکہ دلچسپ ہے اس لئے امید ہے شوق سے پڑھی جائے گی۔

پاکی اور تقدس جو اسلام نے نونہال بچے ہیں ہمیشہ اس کی گود میں نہایت لاڈ سے پالے گئے ہیں اور جن پاک اور برتر نفوس نے اسلام قبول کیا انہوں نے بھی ان بچوں کو ایسے لاڈ اور احتیاط سے پرورش کی جسطرح کہ اسلام کی گود میں پلتے تھے اس انتظام کے لئے کہ لاڈ کی یہ چاہت اہل اسلام میں سے نہ نکل جائے انہیں بذریعہ علم تہذیب سکھائی گئی۔ ادب اور شائستگی سے ان کے دل کو منور کیا اور ان کے ضمیری جوہروں کو اپنے جلال اور جبروت کی پوری درخشانی سے تاباں کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کے علم سکھانے سے (خواہ وہ منقولی اور معقولی) یہ مراد ہے کہ ہمارے اخلاق درست ہوں اور ہماری تہذیب و تیاری دینی شائستگی کے ساتھ

ترقی کرے ہم اسلام کے سچے فرمانبردار اور پیارے مقتدی بن جائیں اور ہماری ذاتی طہارت اور دلی صفائی سے غیر اسلام کی نگاہوں میں اسلام کی توقیر بڑھے اور وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔

اسلام جو دنیا میں اپنے کو کُل ادیان کا سرتاج سمجھتا ہے ہمیشہ زیادہ تر اسی علم پر فخر کرتا ہے کہ جس کے ساتھ ایمان کا بھی لفظ ہے اس میں شک نہیں علم کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قاطع اسلام یا ایمان ہو مگر بھی ایسے شخص کی ذات سخت نفرت کے انگیز ہے جو علم حاصل کر کے اسے اپنی ناپاک نفسانی خواہشوں اور حیوانی جذبات سے حظ حاصل کرنے کا آلہ بنائے اور اپنی انسانی برتری اور فضیلت اسلامی اور حرمت علمی کو شاکے ذلت کے آخری درجہ پر پہنچ جائے۔ ایسے شخص کو کیا عالم کہیں اور کن شرمناک الفاظ میں اس کی اور اس کے علم کی تعریف کریں۔ علم بجائے خود کوئی مضر چیز نہیں ہے لیکن دل اور دماغ کی خوبی ایسی کہ علم مضر اور مہلک بن جاتا ہے وہی خنک پانی ہے جو روح کو تازہ اور معدہ کو سیر آب کرتا ہے وہی پانی اگر ایک ایسے مریض کو دیا جائے جس کا پھیپڑا گل چکا ہوا اور ہر دم پر دم واپسیں کا شبہ ہو تو وہ ایک گھونٹ پیتے ہی عالم ارواح کو سدھار جائے گا ایسی حالت میں ہم پانی کو مہلک کہیں گے بلکہ اس ظرف کو مریض بتائیں گے کہ جو ایسے شے سے بجائے مستفید ہونے کے اپنی جان دے۔ ہمارے دین کی کتاب یعنی قرآن مجید میں روشن اور صاف الفاظ میں یہ لکھا ہوا ہے:۔

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔ جو تم میں ایمان اور علم رکھتے ہیں۔

فطرۃ اللہ کا اصلی مفہوم اور کلام ربانی کا اصلی منشا صرف یہی نہیں ہے کہ وہ علم علم ہے جس کے ساتھ ایمان ہو اور وہ علم کچھ علم نہیں ہے جس کے ساتھ بددیانتی بدنیتی، زنا اور شراب خواری جو انسانی شرافت اور فضیلت کا خون کرنے والے ہیں، ہوں، علم انسانی ضمیری جوہروں کو چمکاتا ہے لیکن ایسے علم کو سلام ہے جس سے وہ اعلیٰ جوہر اور بھی مدھم پڑ جائیں اور پھر ان میں ایسا زنگ آجائے کہ ان کی ہستی تک مٹ جائے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنی روشن اور سب سے برتر تعلیم پر فخر کیا ہے اور اس کا فخر ہر صدی میں بے جا نہیں بلکہ بجا ثابت ہوا ہے۔ یونانیوں کے علم و فنون جو یا در ہوا کی بے جا خود غرضانہ تعلیم سے نیست و نابود ہو گیا تھا، عرب ہی بعد ازاں اس کے سرپرست بنے اور انہوں نے ہی ان کو زندہ کر کے نئی تحقیقات کی پوشاک پہنا دی۔ لیکن ہمارا روئے سخن خاص علمائے دین کی طرف ہے کہ ان کے لئے کیا کیا احتیاط شرط ہے اور پہلے کس کس قدر احتیاط کرتے تھے۔

دنیاوی علوم کا عالم اگر کسی قدر خلاف شرع بھی ہوگا۔ جب بھی اس کا اثر قوم کے بچوں پر نہیں پڑ سکتا۔ لیکن جو شخص مولوی کے نام مشہور ہوا اور مذہبی مباحث میں سب سے زیادہ حصہ لے۔ اور وہ کھلم کھلا وہ افعال کرے جو حرام ہوں اور شریعت محمدی کی اس سے سخت توہین ہوتی ہو تو ایسے شخص سے ایک کندہ ناتراش جاہل نمازی بہتر ہے بجائے اس کے ہم ایک متقی اور پرہیزگار حامی دین متین مولوی صاحب کے مقابلہ میں اسے کھڑا کریں اور دونو کے علوم کی جانچ کریں۔ پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ بوجہ ہمعصر ہونے اور باہمی نوک جھونکی ہونے کی جہت

سے دونوں کی قابلیت علمی اور اتقائے دینی کا تذکرہ کریں۔

ہمارے مذہب میں جہاں مذہبی علماء سے بحث کی گئی ہے وہاں یہ صاف طور پر کھول دیا گیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا اس میں کچھ سمجھ نہیں ہے۔ خواہ وہ تمام معقول علوم کا حافظ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ۔ — اس کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جن میں سمجھ ہے۔

خدا تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے جو کچھ ہم نے اپنے کلام میں بیان کیا ہو خواہ امثال ہوں یا اور پہلو سے ہو اس کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جن میں سمجھ ہے اس سمجھ سے مطلب دین میں سمجھ ہونے کی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صدرہ شمس بازغہ اور بو علی سینا کی تصنیفات میں سمجھ میں ہو جیسا کہ اس نے صاف الفاظ میں ارشاد کر دیا

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ — اور یہ مثالیں ہم آدمیوں کے لئے بیان کرتے ہیں

وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ — اور نہیں بوجھتے وہی ہیں جنہیں سمجھ ہے۔

نظرۃً العدو کا جو نشا ہم نے اوپر بیان کیا وہ آگے آنیوالی آیت صاف طور پر ظاہر ہو گیا اسلام کی پہلی سیڑھی تقوی و طہارت ہے اور جب ایک ایسا شخص جس کے نام کے ساتھ مولویت کا لفظ ہو اور وہ تقوی و طہارت سے عاری ہو پھر اس پر مولوی کا اطلاق حکم دین کے لحاظ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ — اے آدم کی اولاد ہم نے تمہیں پوشاک دی۔

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۚ   کہ تمہارے عیب چھپائے اور رونق بخشے اور بہترین پرہیزگاری کے کپڑے ،

اس آیت کی تفسیر میں مفسروں نے لکھا ہے لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور یقین تقوے سے مراد حیا ہے جب علم کے ساتھ حیا اور یقین کی صفتیں نہیں ہیں تو ایسے دینی علم پر تین حرف خدا کے آگے ایسے علم والے جاہل اور فاسق ہیں۔ بار بار خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں کو جاہل کہتا ہے جو قرآنی آیتوں پر عمل نہیں کرتے اور احکام ربانی سے روگردانی کرتے ہیں مثلاً زور دے کر خدی تعالیٰ یہ فرماتا ہے :-

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ   بلکہ یہ قرآن ان کے سینے ہیں جن میں کچھ عطا ہوئی ہے صاف نشانیاں ہیں ۔

قرآنی آیات بینات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی موجود ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے خداوند تعالیٰ کی سچی ہدایت اسی کو پہنچتی ہے اور وہی سیدھے رستے پر ہے جس کو دین میں سمجھ ہے یعنی جس نے دینیات پڑھ کر اور عمر کا بہت بڑا حصہ اس میں صرف کر کے تحصیل کیا اور پھر اس پر عمل نہ کیا وہ محض بے کار اور ناکارہ ہے۔

ہر مسلمان پر خصوصاً ایسے شخص پر کہ جس نے نبی اور خدا کا علم حاصل کیا۔ اور پھر اس نے عمل کے وقت روگردانی کی اس کی کمینہ طبیعت اور سفلگی اس شرافت کو مٹا کے خاک میں ملا دیتی ہے جو نفس انسانیت کو روز ازل سے جوہر ہو چکی ہے۔ ایک سچا مسلمان اپنے اتقا اور خدا پرستی طہارت اور تقدس نفسانی اپنے ضمیری جوہروں کی تابانی۔ دیانت۔ نیک نیتی اخلاق کی شائستگی اور خیالات کی نجابت

پر افتخار کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ یہ جنتی نعمتیں ہیں۔ سب ایک مسلمان کے لئے خاص ہیں اور جن میں یہ صفتیں نہیں گویا وہ خدا کے سچے جلال کی روشنی اور اسلامی برکتوں سے محروم اور اس بخششوں اور لازوال نعمتوں سے بدنصیب ہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَیُلْہِمْہُ رُشْدَہٗ[1] — جس کی اللہ بہتری چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ دیتا ہے اور اسے راہ الہام کر دیتا ہے

اس سے ثابت ہو گیا جسے دین میں سمجھ نہیں ہے اس کے لئے بہتری ہی نہیں ہے، وہ ہمیشہ زشتی اور زبونی میں اپنی زندگی برباد کرے گا اور کبھی نہ دین میں نہ دنیا میں سرسبز ہوگا۔ کسی بندے کے لئے خدا کا بہتری نہ چاہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بندہ اپنے بداعمال سے پورا مغضوب ہو چکا ہے اور اب نہ اس کی فلاح کی کوئی امید ہے نہ اس کی نجات کی علماء کی شان میں یہ حدیث نبوی موجود ہے یعنی العلماء ورثۃ الانبیاء[2] (عالم انبیاء کے وارث ہیں) ظاہر ہے کوئی درجہ درجۂ نبوت سے بڑھ کے نہیں ہے اور جب ایسے اعلیٰ درجہ کی وراثت عطا ہوئی تو وہ شخص کس اتقا اور پرہیزگاری کا ہونا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے[3] عالم کے واسطے زمین اور آسمان میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے لہٰذا اس سے زیادہ اور کوئی منصب نہیں ہو سکتا جس کے لئے آسمان و زمین کے فرشتے بھی مغفرت چاہیں ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہے[4] حکمت شریف کی بزرگی زیادہ کرتی ہے۔

---

[1] یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس میں ویلہمہ رشدہ نہیں ہے اس جز کو طبرانی نے جامع کبیر میں روایت کیا ہے۔ [2] ابوداؤد و ترمذی نے ابو درداء سے نقل کیا ہے۔

[3] یہ ٹکڑا بھی حدیث ابو درداء کا ہے۔
[4] ابو نعیم اور عبدالغنی اندلسی نے انس سے روایت کیا ہے ۱۲

اور ملوک کو اتنی بلندی بخشتی ہے کہ بادشاہوں کے تخت پر بٹھا دیتی ہے۔" اس حدیث میں نبی اکرم نے علم کا نتیجہ دنیا میں ارشاد فرما دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ علم دین حاصل کر کے جو اس میں سمجھ نہ پیدا کرے اور اس کی ہدایت نہ کرے منافق ہے چاہے کیسا ہی عالم ہو دینی یا دنیوی علوم کا مفہوم یہی ہے کہ اس سے نیک باتیں سیکھ کے ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی ہدایت کریں اور جب کسی دینی عالم سے یہ کام نہیں ہوتے وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق منافق ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

خَصْلَتَانِ لَا يَكُوْنَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَفِقْهٍ فِی الدِّيْنِ ○۱
دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں اول خوبی ہدایت دوم دین میں سمجھ۔

ہمارے مفخر موجودات امین حدا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوب صاف الفاظ میں مولوی کی شان بیان فرما دی کہ کسی تشریح اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہی نہ کوئی مسلمان اسے انکار کر سکتا ہے وہ حدیث یہ ہے۔ "آدمیوں میں سے بہتر اور ایماندار عالم ہے کہ اگر لوگ اس کے پاس حاجت لیجاویں تو انہیں فائدہ پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی کریں تو وہ اپنے نفس کو اس سے بے پروا کرے۔ جس عالم میں یہ دو صفتیں نہیں ہیں وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق کبھی نیک بندوں میں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے جتنی علم اور اہل علم کی توقیر کی ہے اور کسی مذہب میں یہ بات نہیں ہے نہ مسیحی مذہب کو یہ فخر حاصل ہوا ہے اور نہ زرتشتی مذہب نے اس میدان میں اسلام کے برابر قدم رکھا ہے اور

---

۱ ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث غریب ہے ۲ بیہقی نے موقوف روایت کی ہے

نہ آریہ مذہب میں عالم اور علم کی بابت اس بے مثال عزت اور لاثانی توقیر کا نام آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"ایک[1] قبیلہ کا مر جانا ایک عالم کے مرنے کی نسبت آسان تر ہے"۔

ان ہی روشن اصول پر اسلام فخر کرتا ہے وہ ایک عالم کی جان کے آگے ایک قبیلہ کی جان کی کچھ قیمت نہیں سمجھتا لیکن یہاں ایسے عالم سے مراد ہے جس کا ذکر اوپر کی لکھی ہوئی حدیثوں میں کیا گیا۔

اس[2] میں شک نہیں کہ عالم زمین پر خدا تعالیٰ کا امانتدار ہے اور جس نے خدا کا امانتدار بن کے اس میں خیانت کی اس کے برابر کوئی نالائق دین محمدی میں نہیں ہو سکتا۔

خدا کی مخلوق کی بہتری اور اصلاح کی کنجی حکمران اور علماء کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر یہی دونوں بگڑ جائیں تو دین و دنیا میں مخلوق کا پھر کہاں ٹھکانا مل سکتا ہے نبی اکرم یہاں خود ارشاد فرماتے ہیں۔

میری[3] امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہو جائیں اور اگر وہ بگڑ جائیں۔ تو سب لوگ بگڑ جائیں۔ ایک امیر یعنی حکمران اور دوسرے فقہا یعنی عالم ایسا فاضل اور مولوی یا عالم جس کی وجہ سے پرفسق کو ترقی ہو وہ سو منافقوں کا ایک منافق ہے اور اس سے بدتر اسلام میں کوئی نہیں ہے اور اپنے نفس کی برائی پر سے نیچے دکھاتی ہے نہ کہ خدا کی صدہا مخلوق کو تباہ کرنا اور انہیں گمراہ کر دینا مذہب اسلام میں عالم کی فضیلت بڑے زور شور سے بیان ہوئی ہے کہ اس سے نقل

---

[1] طبرانی نے ابوداؤد سے روایت کیا ہے۔ [2] ابن عبدالبر نے حضرت معاذ سے روایت کیا ہے۔
[3] ابن عبدالبر و ابو نعیم نے بسند ضعیف روایت کیا ہے۔ ۱۲

ی قرار ہی نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ بڑے زاہدوں اور عابدوں پر عالم کو فضیلت
شی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:۔

فضل العالم علی العابد کفضلی (عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے میری
علی ادنٰی رجل من اصحابی[۱]۔ بزرگی میرے ساتھیوں میں سے کمتر شخص پر)

ر ایک اور حدیث میں آیا ہے:۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر (عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں
لیلۃ البدر علی سائر الکواکب[۲]۔ رات کے چاند کی سب ستاروں پر)

ر ایک اور حدیث میں آیا ہے اور وہ بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے:۔

یشفع یوم القیٰمۃ ثلٰثۃ الانبیاء (قیامت میں تین آدمیوں کی شفاعت قبول ہوگی
ثم العلماء ثم الشھداء[۳]۔ انبیاء کی پھر علماء کی پھر شہیدوں کی)

ں سے یہ ثبوت بدرجۂ ادنیٰ ہوگیا کہ انبیاء کے بعد علمائے دین کا درجہ ہے ہمیں
ثابت کرنا تھا اور اسی کو ہم ثابت کر چکے۔ اب ہم مولوی فضل حق صاحب اور
لینا شہید کی بابت کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو بحث اور بھی دلچسپ ہوگی۔ مولوی فضل
م صاحب مولوی فضل حق صاحب کے والد ماجد ایک مسکین مسلمان تھے۔ گو دنیاوی
ر تے انہیں گھیر رکھا تھا پھر بھی وہ اسلامی ارکان ادا کرنے کے کچھ نہ کچھ عادی
تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے بھی تھے چونکہ ہمیں ان کی بابت
ی بحث نہیں کرنی اس لئے نہ ان کا مبلغ علم دیکھنا ہے نہ ان کے چال چلن کی جانچ

---

[۱] ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے ۱۲ [۲] ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ
روایت کیا ہے۔ [۳] ابن ماجہ نے حضرت عثمان سے روایت کیا ہے ۱۲۔

کرنی ہے صرف ہمیں مولوی فضل حق صاحب سے بحث ہے۔

مولوی یا منطقی صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے معقولی تھے اور یہ مشہور تھا کہ م
جیسا منطقی صاحب پڑھانے ہیں شہر میں اور کوئی نہیں پڑھا سکتا اس میں شک نہیں
ہمارے مولوی منطقی صاحب اعلیٰ درجہ کے لائق اور فائق شخص تھے اور یہ بھی مسلم ال
ہے کہ آپ طلبار کے پڑھانے کے ایسے پابند تھے کہ نا واجب موقع پر بھی سرچ
تھے یعنی جب آپ طوائف کے ہاں ہوتے تھے اس حالت میں بھی سبق پڑھانے
دریغ نہ کرتے تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ادیب بھی بہت اچھے تھے اور شاع
اعلیٰ درجہ کے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بہت سے قصائد عربیہ بے نقط دیکھے
ہیں ان قصائد پر نظر کرنے سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے مصنف یا شاعر ایک غیر م
لیاقت کا شخص ہے اور اسے خداداد ذہانت اور تیز طبعی کا بہت بڑا حصہ ملا ہے
افسوس یہ ہے کہ اکثر اشعار عرب کے روزمرہ سے گرے ہوئے ہیں اور بعض نحوی غلط
بھی پائی جاتی ہیں با ایں ہمہ مضمون کی عمدگی مطالب کی درستی میں کوئی کلام نہیں
ہم یہاں ان اشعار کو لکھ کر دکھاتے۔ مگر جب رسالہ تیرہویں صدی میں تمام حوا
(جو مولوی فضل حق صاحب نے منطقی کتب پر چڑھائے تھے۔ اور اشعار کی پوسـ
کندہ کیفیت درج ہے اور جس کی ترتیب مولانا سید احمد صاحب رامپوری نے کی
بعد کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے صفحے اس بحث میں سیاہ کریں جن اصحاب کو ذوق
اس رسالہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ بعض حواشی معقول کتب پر عجیب و غریب قابلیت
سے مولوی منطقی صاحب نے چڑھائے ہیں لیکن مولوی صاحب موصوف کی

ملا ۔ مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے مولوی فضل حق کا رسالہ نعت ... حواشی ...
... اس رسالہ ... صدی ... مولوی فضل حق ... کثیر ...

ظیم کرنے والا وہ نظارہ ہوگا۔ جب ان لاجواب حواشی کو دوسرے علماء کے
حواشی کا مترادف پائیں گے اور جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے دوسرے
سے نقل کرلی ہے۔

بہر حال ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولوی فضل حق صاحب
اپنی عالی دماغی جودتِ طبع اور علوم عربیہ (معقولات) میں قابلیت تامہ رکھتے
تھے۔ اور یہ بات تعریف کے قابل تھی کہ درسی کتابیں ریاضی و منطق و ہیات کی
درسی زیر تحصیل کہ باوجودیکہ وہ اپنی دربار کی طرف اپنی طبیعت مائل رکھتے پھر بھی
اپنے نکتہ چین اور جھکی شاگردوں کا اطمینان کر دیتے تھے۔ یہ بات تعریف کے
قابل ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی جدت پسند طبیعت اور عالی دماغی نے انہیں زمرۂ
علمائے دینی میں پابند نہ رہنے دیا بلکہ ان کی لاثانی معقولی قابلیت اور قانونی دماغ نے
مجبور کیا کہ وہ ملازمت انگریزی کریں گو پہلے انہیں کوئی عہدہ ملا ہو۔ لیکن آخر وہ
سررشتہ دار بن گئے تھے۔ اور اس سررشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ و شوکت و قوت
حاصل تھی جو اس زمانہ میں ڈپٹی کمشنر کو ہے آپ کے مکان پر اہل مقدمہ کا دربار لگا رہتا
تھا۔ اور زندگی نہایت عزت و آرام سے بسر ہوتی تھی۔ بایں ہمہ یہ بات قابل لحاظ
ہے کہ ہمارے منطقی مولوی سرکاری کاروبار کی اس کثرت پر بھی طلبہ کو پڑھاتے تھے اور
مولوی مفتی صدر الدین کی طرح اپنے خالی وقت کا کچھ نہ کچھ حصہ طلبہ پر قربان کر رکھا تھا

ان کی معاشرت پر ہمیں ضرور نہیں کہ ہم نکتہ چینی کریں کیونکہ گو وہ مولوی
کے نام سے مشہور تھے لیکن سرکار انگریزی کے ملازم بن کے انہوں نے اپنے کو دائرۂ
علماء سے خارج کر لیا تھا۔ جب مولانا شہید کے وعظ پر نئے نئے حاشیئے یار لوگوں

نے چڑھائے اور شہر میں خواہ مخواہ ایک تلاطم برپا ہوا تو منطقی صاحب بھی اس کی
طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے بھی اپنی سررشتہ داری کی اسٹیج پر شہید کی مخالفت
کا ایک پارٹ ایکٹ کرنے کو پسند کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے ہمارے منطقی صاحب کو
لوگوں کی افواہوں کا کہاں تک خیال تھا اور وہ عوام الناس کی بکواس کو کہاں
تک صحیح جانتے تھے۔ لیکن یہ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کو اپنی سرکاری قوت
کی مخالفانہ آزمائش کا پہلا موقع شہید پر ملا جو یقیناً ان الزامات سے بالکل بری
تھا۔ جو اس پر قائم ہوئے تھے۔ نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں۔ اور روزمرہ مشورے
اس امر میں ہوئے کہ جس طرح ہو سکے مولینا شہید کو علی موقع پر زک دیں۔ زید میں
کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی کہ مولینا شہید کے وعظ سے امن میں خلل پڑنے
کا خوف ہے۔ مگر ابھی ابھی بہت خبر تھی۔ منطقی صاحب کے غضب نے طول کھینچا
اور وہ صرف اسے ایک معمولی بات سمجھ کر ابھی زیادہ زور بھی نہ دیتے تھے۔
ایک دن جب مولانا شہید اپنے مکان پر طلبہ کو پڑھا رہے تھے منطقی صاحب
نے چند طالب علم بحث کرنے کے لئے بھیجے اور بعض نکات درسی کتابوں کے انہیں سمجھا
دیئے اور یہ بھی پڑھا دی اگر ہشت مشت ہو جائے تو تم چوکنا نہیں۔ میں سب
بندوبست کر لوں گا۔ ان طلبہ کا لیڈر جو بحث کرنے چلے تھے ایک شخص عبدالصمد
نامی بنگالی تھا۔ اور یہی گویا فضل حق صاحب کے شاگردوں میں بڑا ذہین اور
طباع مشہور تھا۔ وہ بعض وقت خود بدولت کو بھی کچھ نہ سمجھتا تھا۔ اور اس کی خداداد
ذہانت اور قوت تفہیم نے ایسا بہکایا تھا کہ وہ بڑے بڑوں کی عیب گیری کرنے میں
ذرا تامل کرتا تھا۔ تعداد اُنہیں مقدس طلبہ تھے جو مولوی شہید کے پاس بحث کرنے کیلئے آئے

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ پیارے شہید کو کہاں تک اپنے دوست منطقی کا علم تھا۔ ہاں کئی وجوہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ پڑھے لکھوں میں اول نمبر مخالفت میں منطقی صاحب کا ہے جب یہ بحث کرنے والے پہونچے ہیں تو شہید بخاری پڑھا رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ یہ خاموش بیٹھ کے گوش گزار کرتے اور جب سبق ہو چکتا تو در بحث وا ہوتا انہوں نے تو جاتے ہی ایک شگوفہ یہ چھوڑ دیا جب تک آپ ہم سے بحث نہ کرلیں کبھی طلبار کو نہ پڑھائیں اس میں جاہل بیٹھے ہیں اور آپ کو عالم سمجھ کے آپ کی بات تسلیم کرلیتے ہیں۔

یہ ایسا ناتراشیدہ اور نامہذب حملہ تھا کہ کیسا ہی مسکین سے مسکین شخص ہو اسے غصہ آجائے اور پیارا شہید تو ابھی نوجوان تھا۔ فطری طور پر اس ناملائم دخل سے پیارے شہید کو غیظ تو بہت آیا لیکن قرآن کی اس آیت نے کہ "جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور معاف کرنے کی عادت رکھتے ہیں" کسی قدر دھیما کردیا اور نہایت حلیمی اور انکساری سے یہ جواب دیا "جو کام میں کر رہا ہوں خواہ وہ ناواجب طریقہ سے ہو خواہ واجب طور پر آپ کو لازم ہے آپ خاموش رہیں اور جب میں اپنا فرض منصبی ادا کرلوں پھر آپ مجھ سے ہر سوال کرنے کے مجاز ہیں" یہ جواب اسی قدر معتدل تھا جتنا خیال میں آسکتا ہے پھر بھی یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ان کے حسد کی آگ کو معتدل جواب کا خنک پانی بجھا سکتا۔ انہوں نے اور بھی سختی سے جواب دیا "ہم تمہیں اس فرض سے اس لئے روکتے ہیں کہ مخلوق اللہ ظلمت اور گمراہی میں نہ پڑے اور بحیثیت حنفی ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم کبھی وہ کام نہ کرنے دیں خصوصاً اپنی آنکھوں کے آگے جس سے دین خدا میں رخنہ پڑے" ان کی یہ حد سے زیادہ بڑھی

ہوئی گرم باتیں پیارے شہید کے شاگردوں کو بھڑکانے کے لئے کافی تھیں۔ اگر انہیں ایک زبردست اور پراثر آواز اپنے استاد کی نہ روکتی تو ضرور سر پھٹول ہو جاتی اور وہ آواز یہ تھی "تم ہرگز خفا نہ ہو تا انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔ جناب ہمارے رسول مقبولؐ کو مخالفین ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے تھے اور آپ اُف تک نہ کرتے تھے اور یہ دعا دیتے تھے "خدا تم پر رحمت کرے" کیا تمہیں وہ یاد نہیں رسول مقبول کے ایک قرضخواہ یہودی نے چادر کھینچی تھی اور اس نا ملائمت سے اپنا قرض مانگا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر لال پیلے ہوئے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور یہ فرمایا تھا عمر چادر تو میری گھسیٹی ہے تجھے غصہ کیوں آیا۔ جوں ہی شاگردوں نے یہ ارشاد بے حس و حرکت سمندر کی طرح ساکن ہو گئے اور صورت بت وہ اپنے جلیل القدر استاد کی طرف تکنے لگے۔ بعد ازاں مولانا شہید نے کہا بھائیو! جو کچھ تمہیں سوال کرنا ہو کرو۔ انہوں نے چھوٹتے ہی یہ دریافت کیا ہم صرف آپؒ سے یہ دریافت کرتے ہیں آپ امام ابوحنیفہ کو کیسا سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا بڑا زبردست فقیہ مجتہد خیال کرتا ہوں۔

طلبہ: جو فقہی مسائل ان کے ہیں آپ انہیں تسلیم کرتے ہیں یا مانتے ہیں!

شہید: اکثر کو تسلیم کرتا ہوں مگر بعض وہ مسائل جو حدیث میں موجود ہیں ......

ابھی پورا کہنا نہ پائے تھے کہ وہ بول اٹھے "آپ میں اتنی سمجھ ہو گئی کہ آپ ان کے بعض فقہی مسائل کو ناپسند اور اکثر کو پسند کرنے کے مجاز ہیں"

شہید: نہیں جناب شاد کا! یہ میں نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ میں یہ کہتا ہوں امام اعظم کو جو حدیث نہیں پہونچی، وہ وہاں انہوں نے اپنے رائے سے بیان کیا اور اس کے خلاف

۱؎ سوانح ص ۔۔ سے ص ۔۔ تک یہ کل طویل مناظرہ یا سوال و جواب مندرج ہیں ۱۲

حدیث موجود ہے تو ہمارا فرض ہے کہ حدیث نبوی کے آگے امام اعظمؒ کے قول یا رائے کو تسلیم نہ کریں۔

طلبہ | اور جو اس کے خلاف کرے اسے آپ کیا کہتے ہیں۔

شہید | ابھی تک میں نے اس کی بابت کوئی غور نہیں کیا۔ پھر بھی میں اتنا کہتا ہوں چاہے میرا خیال درست ہو چاہے نادرست۔ وہ اچھا نہیں کرتا۔ کیوں کہ امام صاحب خود فرماتے ہیں "اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث ملے تو اس میرے قول کو دیوار پر مار دو۔"

طلبہ | کیا امام اعظمؒ صاحب حدیث نہیں جانتے تھے؟

شہید | جانتے کیوں نہیں تھے۔ مگر وہ زمانہ احادیث کی اختراعات کا ایسا غضب ناک تھا کہ بیکایک ہر حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکثر مسائل میں اپنی رائے سے کام لیا ہے۔

طلبہ | کیا اس سے وہ ملزم ٹھہر سکتے ہیں۔

شہید | نہیں ہرگز نہیں ان کا دامن تقدس ہر بے جا الزام سے بالکل پاک ہے ہاں اگر یہ کہتے کہ حدیث صحیح ہو پہنچنے پر بھی تم میرے ہی قول پر عمل کئے جاؤ تب تو جائے اعتراض ہو سکتی ہے اور جب وہ یہ نہیں فرماتے پھر ان پر کسی طور کا الزام قائم کرنے والا جھوٹا ہے۔

ان سوال و جواب میں کوئی بات ایسی نہ تھی کہ بحث کرنیوالوں یا سوال کرنے والوں کی آرزو بر آتی جو تکاب بھی ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ غصہ میں تھرتھرا رہے تھے انہوں نے یہ بے جوڑ سوالات کرنے شروع کئے۔

طلبہ | ایسے بھی مسائل ہیں جن سے امام صاحب کو دیگر اماموں پر فضیلت ہو سکتی ہے

شہید: اس کا جواب دینے کے لئے میں ابھی تیار نہیں ہوں۔

طلبہ: پھر آپ کو آتا ہی کیا ہے آپ تو بالکل ہی نہیں جانتے۔

شہید: میں نے ابھی تک اپنی علمیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جو تم مجھے یہ کہتے ہو۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

طلبہ: زیادتی نہیں ہے ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام اعظم تینوں اماموں سے افضل ہیں اور اسے ہم ثابت کر سکتے ہیں۔

شہید: ممکن ہے ایسا ہو، اور آپ بھی ثابت کریں لیکن جب میرے چاروں جلیل القدر آئمہ کی لیاقت جانچ کرنے کا کوئی آلہ نہیں ہے پھر میں کیونکر اپنی رائے دے سکتا ہوں۔ میں چاروں کو واجب التعظیم خیال کرتا ہوں اور میرا مذہب یہ ہے جو کچھ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہے اس کا عظیم الشان صلہ تو خداوند حقیقی نے انہیں دیا ہی ہوگا۔ لیکن اس کے خلاف ہماری گردن پر ان کے اتنے احسان ہیں اور قیامت تک مسلمانوں پر رہیں گے۔ کہ وہ اُن سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

یہ سن کر طلبہ خاموش ہوئے اور اب انہیں زیادہ سختی کا بھی موقع نہیں رہا۔ عبداللہ بنگالی جو سب کی طرف سے محض طفلانہ اور بے جوڑ سوال کر رہا تھا۔ اور دندان شکن مگر منکرانہ جوابوں پر بھی اس کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ سوچتے سوچتے یہ تواریخی سوال کرنے لگا۔ آپ بڑے عالم ہیں آپکا خاندان بھی بڑا فاضل ہے اور تمام علوم آپ کو حاصل ہیں اب یہ تو بتائیے کہ امام ابوحنیفہؒ کون تھے۔ کہاں کے رہنے والے تھے انہوں نے کس کس سے تعلیم پائی اور ان کے شاگرد کون کون تھے

ذرا معلوم تو ہو کہ آپ آئمۂ دین کے حالات سے کتنے واقف ہیں۔

شہید (تبسم آمیز لہجہ میں) اس طول وطویل بیان کرنے کی تم مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو۔ کتابیں بھری پڑی ہیں ان میں دیکھ کر شرح حال بخوبی معلوم ہو جائیگا۔

طلبہ (زہر خندہ کر کے) یہ تو ہم جانتے ہیں کتابوں میں سب کچھ بھرا پڑا ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے آیا آپ کو کچھ آتا ہے۔ یا یوں ہی دور کے ڈھول سہانے ہیں۔

شہید (ہنس کے اور بطور مضحکہ کے) اگر تم میرا امتحان لینے آئے ہو تو ہی تمہیں پہلے انعام کی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ اگر میں تمہارے امتحان میں پورا اترا تو تمہیں ضرور انعام دینا ہوگا۔ اور اگر تم محض استفادہ کے طور پر دریافت کرتے ہو تو تمہیں ایسی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ تلامذہ کے خلاف شان ہے کہ وہ اس سختی سے گفتگو کریں۔

مولانا شہید کی اس تقریر نے عبد الصمد بنگالی کے چھکے چھڑا دئیے۔ اور اب کسی قدر نادم ہوا مگر اس کے دل میں ایک کریدسی پیدا ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ اپنی ضد اور سوالات سے دستبردار نہیں ہوا تاہم وہ بہت نرم ہو گیا اور مولینا شہید کی ملامت اس کے دل میں کھب گئی۔ اس کا یہ جنہ پھر نہ رہا کہ وہ کہتا ہیں امتحان لینے آیا ہوں۔ بلکہ اب اس نے کسی قدر نرم زبانی سے یہ کہا "اچھا بطور استفادہ ہی سہی۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔

اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بہت خوشی سے میں تمہارے حکم کی تعمیل کرنے کو موجود ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ جواب ان تاریخی سوالات کا ارشاد فرمایا۔

آپ کا اصلی نام نعمان ہے اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور لقب امام اعظم ہے اور شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ بن عسکر بن خیان ابن شہ۔

آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ثابتؒ پہلے پہل حضرت علیؓ کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور علاوہ اور تحائف عجیبہ کے اپنے خاگینہ حضرت علیؓ کی فرمائش سے اپنے باورچی سے پکوا کے پیش کیا۔ حضرت علیؓ انڈوں کا خاگینہ اور عجیب تحائف لے کر بہت خوش ہوئے اور ثابتؒ کو دعائے خیر دی۔ جب امام ابوحنیفہؒ بڑے ہوئے تو شعبیؒ کی ترغیب سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ بحث بڑی دقیق ہے کہ آپ نے کسی صحابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور آپ کو تابعی ہونے کا افتخار بھی حاصل تھا۔ چونکہ مجھے اس میں کچھ رد و قدح نہیں کرنی چاہیئے مگر تواریخ پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے بچپن کے زمانہ میں انسؓ صحابی کو دیکھا تھا۔ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزار تھے۔ امام صاحب کا زمانہ بچپن و جوانی ایک پُر آشوب زمانہ تھا۔ ایسے زمانہ میں بعض وجوہ سے آپ علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر بعد ازاں چند احباب کی ترغیب سے آپ اول حمادؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ گو ابھی امام ابوحنیفہؒ کو پورا حدیث میں ملکہ نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی جیسا کہ لیاقت آپ میں قابل ہو گئے تھے کہ فقہی مسائل کی جن کی اس زمانہ میں ضرورت تھی کچھ جانچ پڑتال کرتے۔ اس کے بعد آپ نے قتادہؒ کی شاگردی کی۔ پھر آپ نے سلیمان، سالم بن عبداللہؓ سے حدیث پڑھی۔ سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ پھر بیروت میں جو بندر دمشق ہے امام اوزاعی سے تعلیم حدیث پائی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ تر حضرت امام باقر علیہ السلام کے حلقہ درس میں شامل ہونے کا امام اعظم کو حاصل ہوا۔ جب آپ کی بہت شہرت ہوئی اور آپ کے ہزاروں شاگرد بن گئے۔ تو

یزید بن عمر بن ہبیرہ گورنر کوفہ نے آپ کو میر منشی اور افسر مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار کیا۔ یزید نے بہت سمجھایا اور زبانی ڈرا دیا۔ لیکن آپ اپنے انکار ہی پر قائم رہے ناچار اس نے آپ کو درے لگوائے۔ ہنوز یہاں دُرے کھانے پر بھی انکار ہی تھا۔ روزمرہ وہ ابوحنیفہؒ کو اپنے سامنے بلاتا تھا اور میر منشی کا بستہ پیش کرتا تھا۔ اور ایک طرف درہ رکھتا تھا کہ اسے قبول کرو نہیں تو یہ درہ موجود ہے آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں جب انکار کر چکا تو اگر مار بھی ڈالے گا تو میں منظور نہ کروں گا۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ تو ایک مسلمان کے قتل کا حکم دے اور میں اس پر مہر کروں۔ جب وہ بہت تنگ ہوا تو اس نے امام صاحب کو چھوڑ دیا آپ رہائی پاتے ہی فوراً مکہ معظمہ چلے آئے اور ۱۳۷ھ ہجری تک وہیں رہے بلکہ ایک روایت کے موجب ہے کہ آپ نے اڑتیسواں سال بھی وہیں گزارا۔

جب ۱۳۲ھ ہجری میں بنو امیہ کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت اسلام حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کی اولاد کے قبضہ میں آئی تو پہلا حکمران ابوالعباس سفاح ہوا اس نے بہت ہی قلیل زمانہ حکومت کے بعد وفات پائی اس کے بعد اس کا بھائی منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا لیکن اس نے کوفہ کی آب و ہوا مزاج خلافت کے خلاف دیکھ کے نئے دارالخلافہ کی بنیاد ڈالی اور یہاں علمؔ خلافت فرانے پھرنے لگا منصور کو امام ابوحنیفہؒ سے جانی عداوت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ انہیں قتل کر ڈالے عداوت کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ نے ابراہیم کا بغاوت میں ساتھ دیا تھا۔ امام صاحب بھی اس خونی عزم سے ناواقف نہ تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ منصور بغداد چلا گیا تو آپ مکہ سے کوفہ تشریف لائے مگر منصور نے گو تخت خلافت کو بغداد میں بدل دیا تھا۔

پھر بھی کوفہ میں اس کی حکومت تو تھی اس نے فوراً ابو حنیفہؒ کو بغداد طلب کیا اور داخلہ کے دوسرے دن دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دربار میں جس نے امام ابو حنیفہؒ کو پیش کیا وہ ربیع تھا جو حجابت کا عہدہ رکھتا تھا۔ اس نے یہ کلمے امام صاحب کی نسبت پیش کرتے وقت کہے تھے "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور گو آپ کو قتل کرنے کا بہانہ ڈھونڈھتا تھا پھر بھی اس کی علم دوست طبیعت نے اسے مجبور کیا کہ آپ کی قدر کرے چنانچہ اسی خیال سے اس نے آپ کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا منصور نے غصہ میں بھر کے کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا قابلیت نہ رکھنے کا دعویٰ سچا ہے کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا پھر امام صاحب نے بہت سی وجوہ بیان کیں کہ اس وجہ سے میں عہدۂ قضا قبول نہیں کر سکتا۔ منصور نے قسم کھا کے کہ تم کو ضرور قبول کرنا پڑے گا۔ اس کے مقابلہ میں امام صاحب نے بھی دلیری سے قسم کھائی کہ میں ہرگز یہ قبول نہ کروں گا۔ ربیع مارے غصہ کے تھرا گیا اور اس نے گرم لہجہ میں یہ کہا ابو حنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے جواب دیا "ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ سہل ہے۔

جب یہ ردو بدل ہوئی تو منصور نے آپ کو قید خانے میں بھیج دیا۔ چار برس آپ قید خانہ میں رہے در ماہ رجب ۱۹ تاریخ ۱۵۰ھ ہجری میں آپ کی وفات ہو گئی۔

یوں تو امام صاحب کے کروڑوں شاگرد تھے مگر سب میں مشہور معروف امام محمد اور امام ابو یوسف تھے۔ مولانا شہید یہاں تک پہونچے تھے کہ عبد الصمد نادم ہوا

اور جو کچھ اس نے سخت بیانی کی تھی اس کی دل سے معافی مانگی اور آپ کا ایک مضبوط معتقد بن گیا۔ اور جتنے اس کے ساتھ آئے سب نے آپ کی اطاعت قبول کی۔ جب مولوی فضل حق صاحب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اور بھی رنجیدہ ہوئے اور اب انہوں نے مولٰنا شہید کو اذیت دینے کی نئی نئی تدبیریں کرنی شروع کیں۔ مولٰنا شہید نے اس عرصہ میں بارہا وعظ فرمایا تھا مگر جامع مسجد میں جمعہ کے دن معرکہ کا دوسرا وعظ فقیری پر فرمایا جس سے مخالفین کو بھڑکنے کا اور بھی موقع ملا۔

مولٰنا شہید کا دوسرا وعظ فقیری پر[1]

(آپ نے معمولی آیت قرآنی پڑھنے کے بعد فرمایا) ؎ اے مومنین میں آج آپ کو ایسی باتیں سناؤں گا جو حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان اور تمہاری موجودہ حالتوں میں موازنہ کریں گی موجودہ زمانہ میں عموماً لوگوں کی زبان پر ہے کہ فلاں شخص فقیر ہے اور فلاں صاحب کرامت ہے ایک حضرات صوفیہ کا گروہ ہے جو دریائے فقر میں ڈوبا ہوا ہے اور ہزاروں ان کے مرید بھی ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کی فقیرانہ معاشرت پر حملہ کروں یا اس پر اپنی کچھ رائے دوں بلکہ میں چاہتا ہوں (اگر اللہ میری مدد کرے) کہ فقیر کی اصلی حالت تم پر بیان کردوں۔ کہ ہادی اسلام اور نیز خود خدا تعالیٰ نے کس شخص کو فقیر گردانا ہے اور کون کونسی صفتیں ایسی ہیں جو ایک فقیر میں لازم ہیں۔ در اصل فقر حاجت کا نام ہے اور بے حاجت ہونے کو فقیر نہیں کہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوائے خداوند تعالیٰ کے ہر چیز فقیر ہے کیوں کہ اسکو اپنے

---

[1] تذکرہ مشاہیر دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ و تواریخ علمائے دہلی صفحہ ۳۱۳۔

دوسرے وقت موجود ہونے کی حاجت ہے مگر میں تمہیں اس منطقی الجھاؤ میں پھنسانا نہیں چاہتا۔ جو حقیقت فقر کی خدا اور رسول نے بیان کی ہے وہ میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں تاکہ اس سے تم اصلی بناوٹی فقیر کے شناخت کرنے میں غلطی نہ کرو۔

فقیر جس کو ہم دوسرے الفاظ میں محتاج کہہ سکتے ہیں اپنے ساتھ ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ شریعت غرا نے اس شخص کو فقیر تسلیم کیا ہے جو سوائے خدا کے سب سے بے نیاز ہو اور جو دوسروں کا محتاج ہو وہ ہرگز فقیر کے لقب سے پکارے جانے کا مستحق نہیں (جزاک اللہ فی الدارین خیراً ایک جوشیلی آواز سامعین میں سے آئی) ۔ بھائیو! یاد رکھو ایسی فقیری سے جو دوسروں کا محتاج بنا دے خود رسول مقبولؐ نے بھی پناہ مانگی ہے جہاں آپ ارشاد کرتے ہیں "اعوذ بک من الفقر یعنی مفلسی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ دوسری حدیث ان ہی گرم الفاظ میں آئی ہے وکاد الفقر ان یکون کفراً قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جائے" حقیقت میں خدا اپنے کسی بندہ کو ایسے فقر میں مبتلا نہ کرے جس میں اضطراب پایا جاتا ہو۔ جیسا سعدی شیرازی نے لکھا ہے ؎ جز ایں دو رکعت و آنہم بصد پریشانی۔

لیکن میں کہتا ہوں ایسا شخص جو دولت مند ہو اور ہزاروں روپے کا سامان رکھتا ہو اور پھر اس کی ہوس ناکی اسے چین نہ لینے دے اور وہ کثرت پریشان ہو سو فقیروں کا ایک فقیر ہے۔ ان ہی کے لئے یہ جملہ بھی چسپاں ہو سکتا ہے "آناں کہ غنی تر اند محتاج تر اند" مگر ایسا فقر وہ فقر جس کی دعا رسول مقبولؐ نے کی ہے یہ ہے اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً۔ الٰہی مجھ کو زندہ رکھ مسکین اور مار مجھ کو مسکین، لیکن کہ اول میں مضطر کا فقر مراد ہے جس سے آپ نے پناہ مانگی ہے۔

اور جس فقر کی دعا مانگی ہے وہ یہ ہے کہ اقرار مسکنت اور ذلت اور احتیاج کا خدا کی طرف ہے اب دونوں حدیثوں میں مخالفت نہ رہی۔

اے مومنین! تم نے بغور سنا اور دیکھا کہ شریعت غرا نے کس فقر کو ناجائز قرار دیا مگر موجودہ زمانہ میں افسوس ہے کہ صرف رنگین کپڑے اور گلے میں پانسو دانوں کی تسبیح ڈالنے کا نام فقیری قرار دے لیا ہے چاہے اس کے اعمال اور افعال کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ خدا اور رسول کے فرمودہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ جہاں عوام الناس نے اس رنگ و روپ کا کوئی شخص دیکھا اسے ولی سمجھ لیا اور یہاں تک مبالغہ آمیز خیالات اسکی طرف منسوب ہونے لگے کہ جو حقیقت اسلام سے کوسوں دور ہیں کہیں اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے اور کہیں اس سے طلب مغفرت کی آرزو کی جاتی ہے اور کہیں اسے پہنچا ہوا مانا جاتا ہے کہیں اس کے ہاتھوں میں زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجی دی جاتی ہے اور خبر نہیں اس کی نسبت کیا کیا خوش اعتقادیاں کی جاتی ہیں۔ میں کسی خاص شخص پر اپنی رائے قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ عموماً ہندوستان کے ان حصص میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اور یقیناً کوئی کونہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان نہ ہوں ایسے ہی فقیروں کو معاذ اللہ مشکل کشا تسلیم کیا جاتا ہے اور اپنی دینی اور دنیوی بہبودی کا دار و مدار ان ہی پر رکھا جاتا ہے۔ اب یہ دیکھنا بہت مشکل ہے آیا اس قسم کے بنے ہوئے فقیر بھی اپنے کو اپنے معتقدوں سے ایسا منوانا چاہتے ہیں اور اپنے کو ان صفات سے جو خدا اور رسول کے لئے خاص ہوگئی ہیں شہرت دینا چاہتے ہیں یا یہ معتقدین ہے کہ آپ پیراں نمے پرند و مریداں می پرانند ہیں ان کی نسبت اپنی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔

دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے مگر ان کی ظاہر امعاشرت اس خیال کرنے میں مدد دیتی ہے کہ انہوں نے جو جو کچھ باتوں کے تینگڑ بنا دیئے ہیں اور جس طرح وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اس سے صاف اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو ولی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ منوانا چاہتے ہیں وہ کسی مقبرہ میں یا کسی پیر شہید کی قبر پر گیروا کپڑے پہن پہن کر بیٹھے رہتے ہیں بظاہر لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کھاتے اور شب و روز روزے سے گذارتے ہیں مگر ان کی توانائی اور چاق و چوبند رہنے میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے یہ کرتب محض جاہلوں کو دھوکا دینے اور فریب میں پھنسانے کے ہوتے ہیں شعار اسلام سے اے بھائی مسلمانو! ان کی یہ باتیں مستبعد ہیں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایسوں سے جہاں تک تم سے ہو سکے اپنا دین و ایمان بچاؤ۔ ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی   بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے

ان کی صحبت بظاہر خوش اور سعید معلوم ہوتی ہے لیکن ان کا زہریلا اثر نہ صرف تمہارے دلوں کو زہر آلود بنا دے گا بلکہ تمہارے دین کو بھی ایسی سخت مضرت پہنچے گی کہ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔

اگر میں اپنی طرف سے ایک لفظ بھی کہوں تو الٹا میرے منہ پر مارو، چونکہ تم مسلمان ہو اور تمہارا ایمان حدیث و قرآن پر ہے اس لئے جو کچھ میں کہوں گا انہیں دو مقدس مجموعوں سے کہوں گا اور تمہیں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے تمہارا فرض ہوگا کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کرو۔ لو سنو خدا تعالیٰ کس فقیر کی شان میں ارشاد کرتا ہے اور کس فقیری کی فضیلت بتاتا ہے۔

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یعنی وہ مہاجر فقیر جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔"

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اصلی فقیر وہ ہے جس نے اپنا تن من دھن سب خدا کی راہ میں قربان کر دیا اس لئے خدا کی رضامندی اور فضل انہیں حاصل ہو خدا کی رضامندی کی تلاش میں گھروں سے بے گھر ہوتا اور اپنے اس مال کو جو زندگی کا بڑا حصہ کما کے حاصل کیا لٹا دینا یہ شان فقیری ہے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص فقیر ہے۔ برخلاف اسکے آج کل ہم کن فقیروں کو دیکھتے ہیں جو فقیری کے پردہ میں بیچارے غریبوں کا مال غصب کرتے ہیں یتیموں کے حلقوں سے نوالہ نکالتے ہیں اور اپنی تن پرستی کی دھن میں انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا کہ کہاں جا رہے ہیں اور ہم نے کونسی راہ اختیار کی ہے۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا کبھی بھی انہوں نے دین خدا کی مدد کی یتیموں پر کبھی بھی انہیں رحم آیا اور کبھی بھی ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ریاضت کر کے کچھ پیدا کریں اور وہ مساکین جو لنگڑے لولے ہیں ان کا پیٹ بھریں یا اپنے متعلقین کو جن کا ان پر حق ہے خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ جو کچھ انہیں خیرات دیتے ہو اپنے معصوم بچوں کے حقوق کا ان کے دینے میں ذرا پاس و لحاظ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ اس کا جواب تمہیں خدا کے ہاں دینا ہوگا۔ قرآن مجید میں جن مساکین کے دینے اور ان کی مدد کرنے کا حکم ہے وہ دین اللہ کے خادم بہت بے دست و پا ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا — یعنی دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں اور چل پھر نہیں سکتے ملک میں

اس آیت سے یہ مراد بھی ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کی رضامندی میں اپنا گھر لٹا کے اپنے کو وقف کر دیا۔ اور اب دشمنانِ دین کی وجہ سے وہ ملک بملک روزی کمانے کے لئے نہیں جا سکتے ان کا مصداق اللہ ہے مگر اس کے مقابل میں جو روزی پیدا کر سکتے ہیں اور چل پھر سکتے ہیں۔ خدا اپنے وعدے کے موافق ان کی روزی پہنچانے میں کبھی ان کی مدد نہ کرے گا۔ اے مومنین! فقیر کی شان یہ ہے کہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے کچھ پیدا کرے اس سے اپنا بھی پیٹ بھرے اور محتاجوں کو بھی دے۔ نہ کہ فقیر کی یہ شان ہے کہ غریبوں بے کسوں رانڈوں یتیموں کا مال ہڑپ کر جائے اور خبر نہ ہو۔ تم نے دیکھا ہے کوئی ایسا شخص جو اپنے کو فقیر کہتا ہے آج تک اس نے اپنی ریاضت سے دو پیسے پیدا کئے ہوں ایک پیسہ کے چنے چبا کے اپنا پیٹ بھرا ہو اور دوسرے پیسہ سے کسی رانڈ اور یتیم کا پیٹ بھرا ہو (ایک طرف سے سخت زاری و بکا کی آواز آئی)

اگر مسلمان بننے کی آرزو ہے تو خدا کی سچی رضامندی کے دل سے خواہش مند ہو یاد رکھو بغیر اس کے ہرگز نجات نہ ہو گی سچے مستحقوں کو نہیں دیتے اور ان موٹے تازے کو کما کما کے دیتے ہو جو خود محنت کر سکتے ہیں، مگر نہیں کرتے۔ خدا و رسول کا فرمانا تو ایک طرف ان کا وجود قوم میں سخت مضر ہے ہماری نسلیں اسی طرح برباد ہوتی جا رہی ہیں اور ان کی کوئی مطلق پرواہ نہیں کرتا جب لوگ انہیں دیکھتے ہیں کہ بے محنت و مشقت انہیں ملا چلا جاتا ہے وہ بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی ڈھر

بنا لیتے ہیں اور جاہلوں کو تمام عمر ملک در ملک ٹھگتے پھرتے ہیں۔ نئے نئے شعبدے سیکھتے ہیں اور نادانوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں، رسول خدا نے مخلوق میں کسے افضل گردانا ہے لو سنو میں کیا کہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا لوگوں میں سے کون بہتر ہے عرض کیا جو مالدار ہو اور اللہ کا حق اپنے نفس و مال میں ادا کرتا ہو۔ آپؐ نے ارشاد کیا یہ شخص اچھا ہے مگر جس کو میں نے پوچھا ہے وہ نہیں پھر اصحاب نے عرض کیا خدا و رسول اسے بہتر جانتے ہیں کہ کون شخص بہتر ہے آپؐ نے فرمایا فقیر یعنی جو جہد کا جو فقیر اپنی جانفشانی کی چیز دیوے اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ افضل وہ شخص ہے جو باوجود محتاج ہونے کے اپنی جانفشانی سے کچھ پیدا کرے اور اس میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں دے اس حدیث پر نظر کرکے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج کل جو شخص اپنے کو فقیر اور ولی اللہ اور رحم جانے کیا کیا کہتا ہے کیا واقعی وہ افضل ہو سکتا ہے۔ اور شریعت غرّا سے کہاں تک لوگوں پر فضیلت دے سکتی ہے۔ وہ کبھی خدا و رسول کا پیارا نہیں ہو سکتا جو خود نہ محنت کرے اور دوسروں کو فریب میں پھنسا کے اپنا گھر بھرے اور امیروں کی طرح اپنی زندگی بسر کرے۔

اب میں تمہیں فقیری کا دوسرا رنگ دکھانا چاہتا ہوں اور وہ رنگ مجذوبیت کا ہے تم روزمرّہ اکثر قبروں پر دیکھتے ہوگے۔ بعض فقیر ہاتھوں میں ڈبل ڈنڈا لے کر کودتے ہیں اور خدا کی جناب میں گستاخانہ کلمات نکالتے ہیں اور یہ کہتے ہیں نہیں ہیں میں ڈنڈا مارکے تیرا عرش توڑ ڈالوں گا۔ جاہل بیچارے یہ دیکھ کے

سمجھتے ہیں فقیر صاحب بڑے پہونچے ہوئے ہیں نہ معلوم انہیں کتنی رسائی حاصل ہے کہ یہ خدا کے عرش کے ٹکڑے اڑائے دیتے ہیں اور وہ بیچارے جوان سے بن آتا ہے اسے لیکر دوڑتے ہیں اور انہیں دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے نذرانہ قبول کرلیا تو اپنی نجات سمجھتے ہیں اور نہ قبول کیا تو انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہمارے لیئے کوئی آفت آسمانی نہ مستقر ہو اور کسی وقت آکے ہمارا فیصلہ نہ کر دے ان کی جان بھی بسبب جہالت کے عجیب کشمکش میں پھنسی رہتی ہے ایک تو اپنا پیٹ کاٹ کے دیں اور دوسرا یہ غضب مول لیں۔ الٰہی توبہ۔ خدا ان پر رحم کرے۔ خوب سمجھ لو اے میرے بھائی مسلمانو! خداوند تعالیٰ ان باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور اسکی ذات پاک ان بناوٹی جذبوں سے بہت دور ہے صرف دنیا کو اپنا معتقد بنانے اور ان سے ان کا مال اینٹھ لینے کے یہ سارے زبون فریب ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ[1] — یعنی اللہ تعالےٰ اس فقیر صاحب عیال کو پسند کرتا ہے جو سوال نہ کرے۔

نبی اکرم کا تو یہ ارشاد ہو اور تم اس بے ادب فقیر کو مجذوب اور خدا کے پاس پہنچا ہوا تسلیم کرو تم خود سمجھ سکتے ہو اگر کوئی شخص تمہارے بزرگوں کو کھڑے ہو کر برہم رہ گالیاں دے تو تمہیں کتنا برا معلوم ہو اور تم سے کچھ نہ ہو سکے تو تم ضرور اس کی طرف پھر کے نہ دیکھو گے چہ جائیکہ تمہارے برحق خالق اور رزق دہندہ کو ان بے ادب اور گستاخ الفاظ سے یاد کرے اور تم اسے ولی سمجھ کر اور اس کی

---

[1] ابن ماجہ بروایت عمران بن حصین ۱۲

طرف اپنا مال و متاع جو تمہارے بچوں اور لواحقین کا حق ہے ملیکے دوڑ دا اور اس کی ایک نظر التفات کے طلبگار رہو کاش اگر اتنا خوف خود خداوند تعالےٰ سے تمہیں ہو تو پھر اس کے پیارے بندوں میں سے ہو جاؤ۔

جن فقیروں کی نسبت رسولؐ مقبول نے بشارت دی ہے کہ امیروں سے پانسو برس پہلے داخل جنت ہونگے وہ یہ بے ادب لچے گنڈے نہیں ہیں بلکہ ان فقیروں سے مطلب ہے جو محتاج ہو کے اپنی جانفشانی سے پیدا ہوا مال خود بھی کھاتے ہیں اور محتاجوں کو بھی دیتے ہیں جیسا رسولؐ مقبول نے فرمایا ہے "یدخل فقراء امتی الجنۃ قبل اغنیاءھم بخمس مائۃ یعنی میری امت کے فقیر دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائیں گے" جو حدیث میں تمہارے آگے بیان کر چکا ہوں جس میں افضل شخص کی نشانی نبیؐ اکرم نے بتائی ہے۔ یہ حدیث اور بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ حقیقت میں وہ فقیر افضل ہے اور وہ دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائے گا۔ جس نے اپنی ریاضت سے کمایا اس میں کچھ آپ کھایا اور کچھ خدا کی راہ میں دیا۔

یہ کہیں ثابت نہیں کہ کسی ولی کو محنت کرنا حرام ہو اور اس کے لئے جائز ہو کہ وہ دوسروں کا ہاتھ تکے اور نئے نئے ڈھچر بنا کے دنیا ٹھگنے کے لئے کھڑا کر دے دولت دنیا جو دین کی زینت اور آرائش کیلئے نہیں ہے اور جس سے خدا نے نفرت دلائی ہے۔ ہمارے اس زمانے کے فقراء کی زندگی اور ایمان کا جزو اعظم ہو رہی ہے۔ کون صوفی اور سچا ہوا فقیر ایسا ہے جو اپنی ریاضت میں محو ہو اور دنیا کو اسی حد تک پیدا کرے جو اسے زندہ رکھ سکے اور تمام تعیش خیز سامانوں سے جو

خدا کی یاد سے غافل کر دیں بخت پر بسر کرے میں خیال کرتا ہوں کوئی بھی ایسا نہیں ہے اور کوئی ہے بھی تو اس پر صد رحمت ہو۔ آج کل جو بڑے بڑے ولی اولیاء مشہور ہیں۔ ان کے گھر نہایت قیمتی سامانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں اور وہ انہیں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ان نفیس نفیس سامانوں نے ان کا رہا سہا دین بھی برباد کر دیا اور انہیں نفس کا ایسا بندہ بنا دیا وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے ان کا ہمسایہ تو فاقہ کشی کرتا ہے اور وہ اپنے معتقدوں کے صدقہ میں روز زردہ مطنجن اڑاتے ہیں ہر وقت دیگیں ان کے مکان میں کھٹکتی رہتی ہیں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیروں عطر اپنی پوشاک میں لگاتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں کہ ہم ان عطریات کا اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کو خوشبو بہت پیاری تھی یہ ان کا نرا دھوکا اور فریب ہے اس صورت میں تو وہ رسول اللہ کی تقلید کرتے ہیں لیکن جہاد۔ فرمان نبی اکرم کے ہیں ان سے انہیں کچھ غرض نہیں

خدا تعالیٰ کا ارشاد اپنے بندوں کیلئے کیسا زبردست ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا" یعنی مقام رکھ اپنے کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح و شام طالب ہیں اس کے منہ کے اور ان کو چھوڑ کر رونق دنیا کی زندگی تلاش میں تیری آنکھیں نہ دوڑیں اور اس کا کہنا نہ مان جن کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا۔" خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو رونق دنیا کی زندگی کی تلاش سے روکا ہے اور منع فرمایا ہے کہ ہماری یاد سے جس کا دل غافل ہے اس کا کہنا نہ مان۔ یہاں فرمودہ خدا

کے خلاف کیا جاتا ہے۔ اور وو ٹ دوڑ کے انہیں کا کہنا مانا جاتا ہے۔ جن کا دل خدا کی یاد سے غافل ہے۔ اے بھائیو! یہ یاد رکھو کہ جیسے وہ خود غافل ہیں تمہیں بھی خدا کی یاد سے غافل کر دیں گے پھر دین و دنیا میں تمہارا ٹھکانا نہ رہے گا۔ اور اگر اب بھی تم نہ مانو تو خدا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر لو۔ وہ تمہیں اپنی راہ چلانا چاہتا ہے۔ اور تم اس سے ضد کر کے دوسری راہ چلنا چاہتے ہو۔ تمہاری بربادی کے لئے تمہاری یہ سمجھ کافی ہے۔

دنیا کا مال و متاع جیسا ایک عجوبہ سمجھ لیا ہے صرف اس لئے ہے کہ اس سے ہمارا تن ڈھکے اور پیٹ بھر جائے اور ساتھ ہی ہم محتاجوں کا جو اس کے مستحق ہیں پیٹ بھر سکیں اگر کروڑ روپیہ ہے تو اسی قدر ایک دیندار خرچ کر سکتا ہے جتنا شریعت محمدی نے اسے اجازت دی ہے اور اگر صرف محدود رقم کی آمدنی ہے تو اسیقدر اٹھا پھر کیا مزہ ہے کہ اپنی قیمتی زندگی کا بڑا حصہ ظلم کھوکے فریب اور دغا سے روپیہ پیدا کیا جائے اور عارضی زندگی کیلئے ہمیشہ کے واسطے عذاب مول لیا جائے۔

درحقیقت رسول مقبول نے کیا خوب فرمایا ہے۔ طوبیٰ لمن ھدی الی الاسلام وکان عیشہ کفافا وقنع بہ یعنے خوشحالی ہو اس کو جو ہدایت کیا گیا ہو اسلام کی طرف اور اسکی معیشت بقدر گذران ہو اور اسی پر قانع ہو" پھر نبی صلعم نے خود فقیروں کیطرف مخاطب ہو کے یہ ارشاد کیا یامعشر الفقراء اعطوا اللہ الرضیٰ من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والا فلا" اے فقیروں کے گروہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی اپنے دلوں سے کرو کہ تمہیں تمہارے فقر کا ثواب ملے ورنہ نہیں ملے گا" کیا خدا کی رضا جوئی اسی میں ہے کہ ہم

اپنے کو ولی کے نام سے شہرت دیں اور لوگوں کو نجات آخرت دلانے کا ٹھیکہ لیں تمام جہان کے مال کو بٹور کر جائیں اور ہر وقت یہ نگاہ ہو کہ لوگ ہمارے جال میں آ کے پھنسیں اولیاء اللہ کی قبور پر جا کے خود بھی اپنی حاجتیں طلب کریں اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی گمراہ کریں یا مولانا روم کی مثنوی خوش آوازی سے پڑھنے کا نام فقیری اور اسکا بھائی تصوف ہے کیا خوبرو مردوں کے گانے پر تھرکنے کا نام فقیری رکھا ہے کیا ان لمبی لمبی زلفوں میں ولایت گھسی ہوئی ہے۔ کیا یہ پیر صاحب ڈھنگا عصا عصائے موسیٰ کا حکم رکھتا ہے کیا اسی کو عین اسلام کہتے ہیں۔ کیا یہی فرمودۂ خدا و رسول ہے توبہ کرو اللہ کے پاس اپنی مغفرت چاہو اور جو کچھ کیے چکے ہو اس سے باز آؤ۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ رباعی

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اگر کوئی دنیادار ہوسِ دنیا میں مبتلا ہو تو اس قدر قابل نفرین نہیں لیکن وہ شخص یا وہ گروہ جو تارک الدنیا مشہور ہو اور پھر حلال و حرام کی شناخت نہ کر کے دنیا کمانے میں محو ہو جائے وہ کس قدر قابل نفرین ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں، اے مسلمانو! تم ان کے لئے دعا کرو کہ خدا ان پر رحم کرے حقیقت میں وہ لوگ قابل نفرین نہیں ہیں بلکہ لائق رحم ہیں۔ بڑا قہر یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے جاہلوں کی نگاہ میں اپنا ظاہر درست بنایا ہے بہ نسبت خدا پرستوں کے زیادہ پوجے جاتے ہیں۔ ضعف اسلام کی تمہارے دلوں میں ایک یہی بڑی نشانی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں سے ایک چھٹا ہوا رند ہزار درجہ بہتر ہے جو برملا بازار میں کھڑے ہو کے شراب پیے اور کسی کے گوشے پر جا دے کیوں کہ اس کو اس خرابی میں مبتلا دیکھ کے

کوئی بھی اس کی طرف رجوع نہ ہوگا نہ اس کی تقلید کسی فعل میں کرے گا۔ بلکہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اس لئے جو گناہ وہ کرتا ہے اس میں صرف اسی کی ذات کو مضرت پہنچتی ہے مگر ایسا شخص جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنا ظاہر درست کرے۔ پانچ وقت کی نماز اس کی ناغہ نہ ہو وظیفہ وظائف کا ہر دم چرچا رکھے اور اللہ کے سوا دو سرا لفظ نہ کہے۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا شخص بھولے بھالے مسلمانوں کے حق میں کالا ناگ ہے جس کا کاٹا کبھی نہیں بچ سکتا۔ فقط"۔

مولانا شہید کا یہ وعظ تو بہت بڑا تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آگے کے ورقے اس وعظ کے جو منشی ہیرا لال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں گم ہو گئے اور پھر کئی ورق کے بعد مطلب شروع ہوا ہے لیکن ایسے کرم خوردہ اوراق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید فقیری اور تصوف پر وعظ دیا تھا ایک ٹکڑا نقل کر دیا۔ گو مجھے لفظ بلفظ نقل کرنے کا فخر حاصل نہیں ہوا پھر بھی یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس ردی یادداشت میں سے میں نے مولانا شہید کے وعظ کی عبارت اور کسی قدر جملوں اور الفاظ کا ہیر پھیر کر کے مفہوم پورا ادا کر دیا۔ الفاظ غیر مانوس ہونے کی وجہ سے بدلے گئے ورنہ ایسا تبادلہ نہیں کیا ہے کہ جس سے مطالب میں کچھ فرق آ دے اور مفہوم بدل جائے اول تو لکھنے والا کا لستھ دوسرے اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تیسرے جلدی میں لکھنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہی اردو عبارت بلفظہا نقل کر دی جائے تو ناظرین کی کیا سمجھ میں آئے اور مولانا شہید کا مفہوم کیونکر ادا ہو۔ ہاں اس کے مقابل مولوی اسمٰعیل صاحب کے جو نامے یا خطوط دستخطی ہمارے ہاتھ لگے ہیں وہ ہم ضرور بعینہ نقل کریں گے اس میں ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل نہ ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ ایسے دلیوں صوفیوں اور فقیروں کو سلام ہے جو نفس کے بندے ہو کے مال جمع کرنے کی دھن میں لوگوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ اور جو کچھ انکے پاس ہے اس پر مطلق قناعت نہیں کرتے۔ ناخداترسی سے ناواقفوں کا اپنے مکر کی الٹی چھری سے گلا کاٹتے ہیں اور اف نہیں کرتے کبھی نبی کو خواب میں بلوا لیتے ہیں۔ اسکے علاوہ صرف دولت دنیا کمانے کے لیے کیا کیا ڈھب گانٹھتے ہیں مگر خوف خدا اور موت کی تاک جھانک کا خیال نہیں رہتا جو ہر دم کمین گاہ میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت امام غزالی کا ایک قطعہ جس کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا گیا ہے اسجگہ لکھدینا کافی سمجھتا ہوں۔ پس وہی میرے مقصد کا پورا مفہوم ہو جائے گا (مگر صرف ان دنیا طلب فقیروں اور صوفیوں کیلئے جو مذہب کی آڑ میں دنیا کمانے ہیں۔)

قطعہ

زاری ببارگاہ خدا کن نہ پیش خلق
مستغنیاز کن بسر از خویش دزدی رحم
اے محو منع و جمع تراد ہر در کمیں
رلائے ہمی زند کہ تبو مرگ چوں رسد
مال و منال جمع نمودی دسے بگو
فخر دیں بلئے وارث است آنچہ جمع گشت
خرم دل آنکہ کہ یقین کرد بر خدا
پس ہیچ نلئے بند آرد سے او
در ساحت قناعت خوش سایہ برفگنت

قانع بیاس باش کہ ایں ست عز و ناز
آنکس غنی بود کہ شد از خلق بے نیاز
اندازہ مے کند کہ نماید دست فراز
روزانہ یا شبانہ ست بر تو تر کتاز
ایام صرف نیز کنی جمع بس دراز
انال تست صرف نوئے آنچہ ماند باز
کہ روزیش دیدہ کہ کریم ست دکارساز
روزیش ہمیشہ تانہ بر آید ز ترک آز
فکر معیشتش نکند دیدہ باز

پانچواں باب

سرکارِ انگریزی کی طرف سے وعظ کی ممانعت

پہلے اس کے کہ ہم اس سنگین دشمنی کا تذکرہ کریں جو شہر دہلی کے عوام الناس نے پیارے شہید سے برتی تھی۔ مختصر طور پر سرکارِ انگریزی کی کارروائی کا ذکر کر دیتے ہیں۔

لارڈ لیک نے جب ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی تو شاہ اور اہلِ شہر کو مرہٹوں کی جابرانہ قید سے رہائی دلوائی۔ مرہٹوں کا دہلی پر قبضہ دہلی کیلئے بدفالی کا دیباچہ تھا۔ جب شاہ کی بے عزتی کی جاتی تھی تو روسائے دہلی کی کیا خاک عزت ان کی نگاہ میں ہوتی۔ عدالتیں اوندھی پڑی تھیں کوئی قانونی کارروائی مطلق نہ ہوتی۔ مرہٹہ اگر کسی کو بیجا ستاتا تھا تو کوئی دریافت کرنے والا نہ تھا۔ نہ اس کیلئے فوجداری کی عدالتیں تھیں، نہ کوئی دادرسی کی کورٹ تھی۔ چاروں طرف ظلم اور زبردستی کی حکومت تھی۔ یہی نہ تھا کہ مسلمان ہی ستائے جاتے ہوں بلکہ ہندو بھی سخت نالاں تھے۔ دوکانیں معمولی گفت و شنید پر لوٹ لی جاتی تھیں اور دوکاندار کسی سے فریاد نہ کر سکتا تھا۔ حمیدالدین عراقی لکھتا ہے کہ میں چاندنی چوک میں جا رہا تھا کہ ایک مرہٹہ سوار نے ایک بزاز سے ڈھاکے کی ململ کا تھان مانگا۔ اس نے مفت دینے سے انکار کیا۔ فوراً اس کے انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مشکیں باندھ لی گئیں اور اس کی دکان میں آگ لگا

دی گئی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ شاہی خاندان کا ممبر سر بازار مرہٹہ کے ہاتھ سے کوڑے نہ کھائے۔"

فاضل عراقی کے یہ واقعات چشم دید ہیں اس سے زیادہ یہ نظارہ قابل ماتم ہوگا کہ مرہٹوں کے زمانہ میں ڈولیوں کی رسم بالکل جاتی رہی تھی شرفاء کی مستورات نے باہم ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا کیا ممکن تھا کہ کوئی شریف زادی ڈولی میں نکلے اور بسلامتی اپنے گھر پہنچے۔ گھٹتے ہوئے وزن اور سکوں کی گوناگونی نے تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچایا تھا گیہوں بیشک روپیہ کے دو تین من ہو گئے تھے۔ لیکن یہ سستا سماں اس لئے زیادہ فائدہ بخش نہ تھا کہ مفلسی نے لوگوں کو گھیر لیا تھا۔ نوکری نہایت سخت ہو گئی تھی اور مسلمانوں کی بربادی کی پوری تدبیریں کی جاتی تھیں جب یہ کیفیت ہوئی تو ناچار نابینا شاہ دہلی نے اپنے کو انگریزوں کے سپرد کیا اور التجا کی آپ ہمیں آکے پناہ دیں۔ مرہٹوں نے ہمارا ستیاناس کر دیا ہے درخواست پر لارڈ لیک فوج لے کر بڑھے اور معمولی جنگوں کے بعد بے دھڑک دہلی پر قابض ہو گئے۔ یہ تاریخ عروج دہلی کی شمار کرنی چاہیئے۔ سرکار انگریزی نے شاہ کے قدیمی حقوق بحال کر دئے اور جو درباری توقیر ایک خود مختار حکمران کی طرف سے خود مختار شاہ کی کی جاتی ہے بہت فراخ دلی سے کی گئی۔

انصاف کی عدالتیں کھل گئیں اور ملازمت کو وسعت دی گئی بعد ازاں اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوئے ان کی بھی ایک پنشن قرار تنخواہ اور چند علاقے کوٹ قاسم وغیرہ بحال رکھے گئے۔ شہر میں بھی گہما گہم ہو گئی اور قلعہ میں بھی رونق نظر آنے لگی۔ شاہ کی سفارش اور کہنے کا بہت کچھ پاس و لحاظ کیا جاتا تھا۔ تاہم شہر کا

انتظام سرکار کمپنی کے سپرد تھا اور وہ اس کی ذمہ دار بھی تھی۔ لائق مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہونے لگے اور عموماً مقدمات کا فیصلہ انہی کی رائے پر ہوتا تھا ہر مذہب کو آزادی تھی۔ وعظ خوب دھڑلے سے کئے جاتے تھے اور سرکار کمپنی کی طرف سے ذرا بھی مزاحمت نہ ہوتی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کوئی کارروائی ایسی نہ ہو جس سے امن میں خلل پڑنے کا خوف ہو۔

یہی زمانہ گویا مولینا شہید کی ریفارمیشن کا آغاز تھا، اور یہی زمانہ اس تلخ نزدشمنی کا تھا جو خواہ مخواہ حاسد مولینا سے کرتے تھے جب مختلف مضامین پر وعظ ہوئے تو لوگوں میں جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ایک شورش سی پھیل گئی اور چاروں طرف ایک دندمچ گیا علاوہ تو مت سے مختلف پیروں شہیدوں سیتلاماتا کے پوجنے کے عادی تھے انہیں اکیلے خدا کی پرستش کا ہے کو اچھی معلوم ہوتی وہ بھڑکتے بھڑکتے مولینا شہید کے فقری کم وعظ سے پورے بھڑک اٹھے اور اب انہوں نے عدالت کی طرف رجوع کرنی شروع کی کیونکہ اکبر شاہ کی طرف سے تو صاف جواب مل چکا تھا مگر عدالت میں جانے سے پہلے انہیں ضرور ہوا کہ وہ مولوی فضل حق صاحب سے مشورہ کرلیں کہ کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔ مولوی فضل حق صاحب رزیڈنٹ کے بڑے منہ چڑھے اور معتبر تھے اور وہ انہی کے کہنے پر زیادہ چلتا تھا۔ جب یہ لوگ سررشتہ دار صاحب کے پاس پہنچے اور ساری کیفیت عرض کی تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے۔ کہ اسمٰعیل دین محمدی کی بیخ کنی کئے بغیر نہیں رہنے کے۔ یہ مولوی منطقی صاحب کا پہلا حملہ تھا۔ جو انہوں نے پیارے شہید کی نسبت استعمال کیا۔ عوام الناس نے پھر یہ فریاد کی کہ وہ صوفیوں کو برملا گالیاں

دیتے ہیں ورہم سنتے ہیں کیا کریں آپ کچھ مدد کریں۔ ورنہ سارے مسلمان اس پر آمادہ ہیں کہ شہر سے جلاوطن ہو جائیں۔

مولوی فضل حق صاحب پہلے ہی شہید کی طرف سے خون کے گھونٹ پی رہے تھے ورد انت پیس رہے تھے انہیں اپنی کامیابی کی یہ فال نیک معلوم ہوئی اور انہوں نے فوراً اپنے منشی سے ایک عرضی عام مسلمانوں کی ناراضی کی صاحب رزیڈنٹ کو لکھوائی اور اس پر پندرہ سو دستخط کرائے اور وہ عرضی رزیڈنٹ کو ان الفاظ میں کہہ کے دیدی۔

"حضور میں کئی بار عرض کر چکا تھا۔ آپ نے توجہ مبذول نہیں فرمائی دیکھئے معاملہ طول پکڑتا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ذراسی بے توجہی پر فوجی قوت کی طلبی دفعہ کرنے کیلئے ضرورت ہو اس عرضی میں جس پر پندرہ سو مسلمانوں کے دستخط ہیں۔ صرف مولوی اسمٰعیل کے وعظ کو بالکل روک دینے کی التجا کی گئی ہے۔ اب حضور کو اختیار ہے چاہیں جو کچھ اس میں کارروائی کریں"

یہ سنتے ہی رزیڈنٹ کے ہوش اڑ گئے اور اس نے اس عرضی کو کئی کئی بار بغور دیکھا اور یہ الفاظ زبان پر لایا۔

"تعجب ہے شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا ایسا فسادی ہو گیا۔ مولوی فضل حق صاحب نے دوسری تدبیر یہ کی تھی کہ سو پچاس آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور انہیں سکھایا تھا کہ جس وقت صاحب پیچھے کی طرف دیکھیں تم داویلا و بکا کرنا اور جو کچھ تمہیں بیان کرنا ہوگا اسمیں چوکنا نہیں غرض یہی ہوا مولوی منطقی صاحب کی مراد بر آئی اور کوتوال کے نام حکم بھیج دیا گیا کہ آئندہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ کہنے نہ پائیں

ادھر خود مولانا شہید کے پاس بھی ایک حکم نامہ بھیجدیا کہ تمہیں سرکار کمپنی کے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی لہذا تمہارے وعظ سے چونکہ امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اس لئے روک دیا گیا۔ تا حکم ثانی تم عام طور پر وعظ نہیں کہہ سکتے۔" برق انداز نے یہ حکم نامہ رزیڈنٹ کی طرف سے مولانا شہید کو دیا۔ آپ نے خاموشی سے اس فرمان کو لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ آپ کے معتقدین پریشان و خستہ آپ کے پاس آنے لگے اور سخت افسوس کرنے لگے مگر اس سے چارہ ہی کیا تھا۔ اور گورنمنٹ کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔

اصلی کارروائی تو یہ تھی جو لکھی گئی لیکن شہر میں عجیب عجیب افواہیں اڑ رہی تھیں کوئی کہتا کہ مولانا اسمٰعیل قید ہو گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ انہیں جلاوطن کر دیا حکم ہوا ہے۔ کوئی کہتا تھا انہیں پھانسی دی جائے گی کوئی یہ بڑ ہانکتا تھا کہ ان کا گھر منبط کرنے کے لئے برق انداز گئے ہیں۔" غرض دشمنوں نے خوب خوب اپنے جلے پھپھولے پھوڑے اور سوائے زہر اگلنے اور بے بنیاد گپوں کے انہیں اور کچھ بن نہ پڑا۔ "ملا کی دوڑ مسجد تک" مشہور مثل ہے بفضل حق سے جو کچھ ہونا تھا ہو کر چکے تھے اور شہر والوں سے جتنی مخالفت ہو سکتی تھی انہوں نے کی نہ رکھی تھی چالیس دن تک وعظ بند رہا۔ آپ کے دوستوں نے مختلف مشورے دئیے کہ یہ کرو اور یوں رزیڈنٹ کے پاس سفارش پہنچاؤ لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا خدا خود اپنے دین کی حفاظت کریگا مجھ سے زیادہ اس کو علم ہے۔"

بڑے بڑے رئیس جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ خواہ شیعہ ہوں یا سنی آپ کے سمجھانے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے کو روک لیجئے۔ یہ بڑی بدنامی

کی بات ہے شاہ صاحب سب کو یہی جواب دیتے تھے جب تک اسمٰعیل سے خلاف شریعت امر سرزد نہ ہو میں کیونکر اسے روک سکتا ہوں۔ وہ کوئی فساد انگیز تقریر نہیں کرتا کہ اس پر میں معترض ہوں آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہیئے جس سے میں اس کی کارروائی میں دست اندازی کرسکوں۔"

جب اعیان شہر شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ جواب پاتے تھے تو اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے تھے سوائے وعظ تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی طرح جاری تھا۔ اور اب کوئی روک نہ سکتا تھا شاہ اسمٰعیل صاحب کو اپنے وعظ کے بند ہونیکا اس لئے اور بھی بارہ قلق تھا کہ مسلمان پھر اسی شرک و بدعت میں پھنس جائیں گے جس سے انہیں کسی قدر نفرت دلائی ہے اور دوسرے اس امر کا قلق تھا کہ میری ضد سے لوگ اور بھی شرک و بدعت کرنے لگیں گے یہ تمام خیالات ایسے زبردست تھے جن میں ذرا بھی کلام نہیں ہوسکتا مگر مجبوری تھی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ علاوہ اور ستائے جانے کے پیارا شہید اس فانی گلستان میں بیٹھے اور بلنگ پر سینکڑوں کروٹیں بے چینی کی حالت میں بدلتا رہے۔

آخر سوچتے سوچتے شاہ اسمٰعیل صاحب نے اتنی وجہیں رزیڈنٹ کو لکھ کے بھیجیں اور ثابت کیا کہ اگر میرا وعظ بند ہوگا تو یہ خرابی واقع ہوگی جونہی رزیڈنٹ نے پیارے شہید کی درخواست کو پڑھا۔ آنکھیں کھل گئیں اور قدرتی طور پر اس کو پیارے شہید کی تحریر کا بغیر کسی شہادت کے اب یقین ہوگیا۔ کہ فوراً سر رشتہ دار صاحب طلب کئے گئے جونہی وہ حاضر ہوئے رزیڈنٹ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے مولوی فضل حق صاحب کہ آپنے چالیس دن تک شاہ اسمٰعیل صاحب

عظ بند رکھا میری رائے میں یہ بالکل غلط کاروائی ہوئی ہے اور ایسے بڑے
بی کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے۔ ایسی حکم لکھ دو کہ وعظ کھولا جائے
جو کوئی مزاحم ہو گا اسے قانوناً سزا دی جائے گی۔ یہ سنتے ہی مولوی منطقی صاحب
ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ادھر ادھر
بکا تکنے لگے۔

اب یہ تو مجال نہیں تھی کہ رزیڈنٹ کی کچھ تردید کرتے اور اسے اونچ نیچ سمجھاتے
تے۔ اب قریب جینے کا زمانہ جاتا رہا تھا۔ رزیڈنٹ نے بعد ازاں کوتوال
نام دوسرا حکم جاری کیا اور لطف یہ ہے کہ مولوی منطقی صاحب ہی نے
حکم لکھا۔ ایک معافی نامہ لکھ لیا گیا۔ اور اس پر دستخط بھی ہو گئے لیکن بدقسمتی
مولوی فضل حق صاحب نے اپنے بستہ ہی میں رکھا اور اسے جاری نہ کیا۔

ناظر اس قہرناک دشمنی کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جو منطقی صاحب علی النواز بے
شہید کر رہے تھے اور لطف یہ تھا کہ ابھی تک کوئی جواب پیارے شہید کی طرف
نہ دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کیں نے اپنی بہادری سے پشاور اور قند۔ صاحب
وں سے جیتیں لی تھا۔ وہ منطقی صاحب کو دنداں شکن جواب نہ دے سکتا تھا۔
یں صبر اور تحمل اس عظیم الشان اصلاح کی کتاب کا دیباچہ تھا جسے وہ لوگوں
سنانا چاہتا تھا۔ اور اس بڑے کام کے لئے سنجیدگی متانت مخالفین کے
رں سے بے پروائی۔ محتاط طبیعت لازمی بلکہ فرض تھی۔ جیسی اخلاق کی وسعت
ضرورت تھی۔ اسی قدر دشمنوں کی گالیاں سہنے کا عادی ہونا بھی لابد تھا۔ یہ سب
یں مولانا شہید نے اپنے میں دیکھ لی تھیں۔ جب اتنے بڑے کام کا بیڑا

اٹھایا تھا جس کی نظیر ہندوستان میں مذہب اسلام کی تواریخ میں نہیں ملتی۔

مولانا شہید کی تقریر اور تحریر میں فطرتی اثر پیدا تھا۔ اور ساتھ ہی اس د
درخواست دینے پر آپ کو یقین بھی تھا کہ ضرور مجھے سرکار کمپنی کی طرف سے وعظ کہ
کا حکم ہو جائے گا۔ مگر جب تین چار روز گذر گئے تو آپ کو بڑا تردد ہوا کہ ہاں نا
جواب کچھ نہیں آیا خیال بھی درست تھا۔ اگر انکار ہوتا اور پہلا حکم بحال رکھ
جاتا تو معلوم ہو جاتا اور جو پہلا حکم منسوخ کر دیا جاتا تو یہ لازم تھا کہ فوراً ہی اطلا
دی جاتی۔ اس تردد کو مٹانے کے لئے شاہ صاحب نے آخر یہ ارادہ کیا۔ کہ خو
رزیڈنٹ سے ملیں اور اس سے گفتگو کریں تاکہ یہ تردد دور ہو۔

آپ نے خارجی طور پر دریافت کر کے کہ فلاں وقت ملنے ملانے اور
فرصت کا ہوتا ہے۔ سیدھے کوٹھی پر پہنچے۔ ساتھ میں صرف مولوی عبدالصمد
بنگالی اور مولوی عبدالرحیم محدث تھے اور ایک آپ کا منشی ہیرالال تھا۔ اور ایک
خدمتگار تھا۔ پہلے آپ نے جا کے اطلاع کرائی۔ جونہی رزیڈنٹ نے سنا کہ شاہ اسمٰعیل آئے
ہیں فوراً باہر نکل آیا اور باہر برانڈے سے آگے لے گیا۔ حد سے زیادہ عزت کی اور
بار بار یہ کہا۔ "آپ نے بڑا ہی سرفراز کیا"

معمولی مزاج پرسی کے بعد رزیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے۔

"مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپ کے وعظ بند کر دینے کا حکم
میں نے جاری کر دیا تھا لیکن جب آپ نے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو میں
نے اسی وقت حکم ثانی لکھوا دیا تھا کہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی
مزاحم نہ ہو۔ غالباً آپ وعظ فرماتے ہوں گے"

مولوی صاحب نے اس حکم سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اس پر وہ حیران ہوا اور اس نے تیزی سے کہا "شاید آپ جانتے ہیں کہ اس حکم ثانی کے متعلق حکم دے چکا ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ فضل حق نے اس کی تعمیل نہیں کی"۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ جو دست خطی عرضی میرے خلاف گذری تھی اس کی سچائی کا مولوی فضل حق صاحب کی اس بے نظیر عداوت سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ فوراً ایک برق انداز روانہ کیا گیا کہ بہت جلد فضل حق کو لائے۔ چنانچہ منطقی صاحب تشریف لائے اور شاہ صاحب کی صورت دیکھتے ہی تن بدن میں رعشہ پڑ گیا۔ اور سمجھ گئے کہ آج خیر نہیں ہے۔

ہم یہاں اس نا ملائم زجر و توبیخ کو نہیں لکھنے جو رزیڈنٹ نے منطقی صاحب ہی کی صرف ناظرین کے اندازہ اور جانچ پر چھوڑا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ فضل حق صاحب تین مہینے کے لئے معطل کئے گئے اور وہ دلوں احکام فوراً جاری ہو گئے۔ گو پیارے شہید کو اپنے دوست مولوی منطقی کے معطل ہونیکا صدمہ تو ہوا لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ گو سفارش کا ارادہ کیا لیکن ایسی التجا کرنی اپنی شان کے خلاف جانی۔ اور آپ اُٹھ کے وہاں سے چلے آئے۔ رزیڈنٹ صاحب نے اسی عزت اور تپاک سے رخصت کیا یہ موقع ہمارے منطقی صاحب کا حد سے زیادہ ذلت کا تھا علاوہ ناکامی کے ان کا معطل ہونا ان کی پارٹی پر اور غضب ہوا ہر چند انہوں نے سفارشیں پہونچائیں اور اپنے بحال ہونے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا ناچار انہیں تین مہینے کیلئے شہر چھوڑنا پڑا اور وہ سیدھے امپور چلے گئے ان کی پارٹی نے تو مولانا شہید کے جلا وطن ہونے کی جھوٹی خبر

اڑائی تھی۔ لیکن ان کا لیڈر سچ مچ بیچارہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

یہ بھی خدا کی بہت بڑی حکمت تھی حقیقت میں وہ ہی اپنے کاموں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے مولانا شہید کا چالیس دن وعظ بند رہنا ان کے لئے کیمیا بن گیا۔ شہر میں عوام الناس کی شورش بھی دھیمی پڑ گئی اور اب اتنی مخالفت بھی نہ رہی۔ بایں ہمہ لوگ اب بھی دانت پیستے تھے اور رستوں میں مولانا پر پھبتیاں اڑتی تھیں۔ ڈھیلے پھینکے جاتے تھے اور گالیاں دی جاتی تھیں مگر یہ تمام باتیں محض کم ظرفی کی تھیں اور وہ بھی معمولی تھیں جو کہ ریفارمروں کے ساتھ عوام الناس کیا کرتے ہیں۔ ہاں ان باتوں کا سہارنا بیشک بڑا کام اور سہارنے والے کی کامیابی کا دیباچہ ہے۔ یہ واقعہ ایک ایسا تھا جس سے شہر میں تہلکہ پڑ گیا اور سب کی رنگتیں فق ہو گئیں۔ اب یہ اڑنے لگا کہ مولوی اسمٰعیل نے ریزیڈنٹ پر جادو کر دیا ہے کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ رائے زنی کرتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے میاں فضل حق کی اس فاش شکست سے ایک یہ بھی اثر ہوا کہ لوگ کچھ ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر آنے لگے اور باہم ہر جگہ گفتگو ہونے لگی۔

جونہی مولانا صاحب گھر میں تشریف لائے رہنے آپ کو مبارک باد دی اور مرحبا و صد مرحبا کے نعرے بلند ہوئے پھول برسائے گئے۔ اور خوشیاں منائی گئیں۔

یہ مولانا کی عمر کا تینتیسواں سال تھا اس سن و سال کا بچہ جب اس پایہ کا ہو تو خیال کیا جا سکتا ہے سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کی گارنٹی روز ازل ہی سے پیارے شہید سے ہو گئی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ کیسا فاضل شخص ہو

جب بھی اتنی سی عمر میں اپنے ہم چشموں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔

جو الزامات مولانا شہید پر لگائے گئے تھے پہلے ان کے ازالہ کی فکر کرنی تھی۔ گو یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ محض جھوٹے اور غلط تھے ساتھ ہی اس کے مولوی اسمٰعیل صاحب کا فرض تھا کہ وہ عام جلسوں میں ان اتہامات کو اپنے اوپر سے اٹھا دیں اور لوگوں کو بدگمانی کا رستہ نہ دیں۔

یہ زیادہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ آپ کے وعظوں کی اتنی دھوم مچی۔ کہ مخالفین بھی جوق در جوق آنے لگے "مجموعہ واقعات" والا خود اپنے کان سے سنا ہوا ایک بوڑھے کا قول نقل کرتا ہے۔ جو دھوپ میں لکڑی ٹیکے ہوئے بہت زور سے چلا جا رہا تھا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا خدا کرے میں وعظ شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں۔ ایک بچہ اس کے ساتھ تھا۔ جو غالباً اس کا پوتا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ بوڑھے کے جلدی چلنے پر اس نے یہ کہا "ابا جان رات کو تو تڑپے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ خدا اسمٰعیل کے وعظ میں نہ لے جائے مگر اب اتنی جلدی چل رہے ہو اور کہتے ہو کہیں وعظ شروع نہ ہو گیا ہو۔ یہ کیا بات ہے" بوڑھے نے جواب دیا" یہ تو سچ کہتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں جب وعظ کا وقت ہوتا ہے تو از خود دل اچھلتا ہے گھڑی بھر بھی صبر نہیں ہوتا" پھر وہ بچہ کہنے لگا۔ آپ تو کہتے تھے کہ وہ ہم لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔ بوڑھے نے ہچکیاں بھر کے کہا بیٹا اسی کی گالیوں میں تو مزا ہے کہ پیٹ ہی نہیں بھرتا اور سننے کو جی چاہتا ہے۔ مجموعہ واقعات والے کے اس قول سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مخالفین کی زبان پر بھی آپ کے پُر تاثیر کلمات

کے چیلے موجود تھے۔ پہلا الزام جو مولانا پر قائم کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ آپ آئمہ دین کی عزت نہیں کرتے خصوصاً امام ابوحنیفہ صاحب کو برا بھلا کہتے ہیں۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ اہل تصوف اور اولیاء کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں برا بتاتے ہیں۔ تیسرا الزام یہ تھا کہ نبی کو بے حقیقت (معاذ اللہ) جانتے ہیں۔ چوتھا الزام یہ تھا کہ تقلید امام اعظمؒ کو حرام بتاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نکتہ چینیاں اور افتراپردازیاں تھیں جو آپ کی پاک ذات پر عائد کی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے مولانا شہید نے اپنا یہ فرض جانا کہ وہ ان چاروں الزامات کو اپنے پر سے اٹھادیں اور عوام الناس کی شورش اور غلط فہمی کو بالکل مٹادیں۔

ہم آئندہ بابوں میں ان معاملات پر پوری بحث کریں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہ وعظ جو مولانا شہید نے ان خاص مضامین پر فرمائے ہمیں بجنسہٖ نہیں ملے لیکن یہ ضرور ثابت ہے کہ وہ تحریر کئے گئے۔ کیونکہ منشی ہیرالال کے بہت سے پراگندہ کاغذ ایسے ہیں جن سے کچھ کچھ پتہ چلتا ہے۔ پھر بھی ہمیں آپ کی تصنیفات سے آپ کے خیالات اور دینی عقائد کا جو علم ہوا ہے اس کے وسیلہ سے ہم ان مضامین پر جنہیں اکثر اصحاب نے صرف غلط فہمی اور زیادہ تر پارٹی فیلنگ کی وجہ سے تسلیم کر رکھا ہے بسیط بحث میں ادا کردیں اور سمجھادیں کہ وہ سچا دیندار تھا اور اس پر کسی قسم کی بدگمانی کرنا دین و دنیا میں اپنا منہ کالا کرنا ہے۔

چھٹا باب

مولانا شہید کی متواتر کامیابیاں صریح خلاف شرع امور میں اصلاح

یہ صحیح ہے کہ حق کو کہیں زوال نہیں ہوتا گو چند روز کے لئے کذب چمک جاتا ہے اور کوتاہ بینوں کو یہ دکھلائی دیتا ہے کہ اس چمک میں صدق کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن نہیں بعد ازاں چند روزہ زندگی خود بخود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ناحق کو فنا ہے اور حق کو فنا نہیں۔ اگر اسے سات پردوں میں بھی بند کر دگے جب بھی اس کا جلوہ وہیں سے دکھائی دیگا۔ لاکھ چاند پر خاک ڈالو۔ پھر بھی کچھ نہیں ہوتا کوئی چاہے کہ خاک ڈال کے اُسے میلا کر لے یہ ناممکن ہے۔

ہزاروں ریفارمر دنیا میں ہر ملک اور قوم میں پیدا ہوئے انکے ساتھ بھی زیادتیاں کی گئیں جو پیارے شہید کے ساتھ دہلی میں ہوئیں مگر وہ ارادے کے پورے اپنے کام میں مستعد تھے اور انہوں نے وہ بیج بویا جو پودا بنا اور وہ پھلا پھولا اور اسی کا ہم آج پھل کھا رہے ہیں۔ نبی عربی پر جو ظالم بت پرستوں نے توڑے تھے ان کی نظر تمام دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے طائف میں کمینہ آدمیوں کا آپ پر سنگباری کرنا اور آپ کا زخمی ہو کے مکہ واپس چلا آنا۔ بار بار پیارے شہید کے دل کو مخالفین کی بے جا سختیاں سہنی اور اف نہ کرنے پر مجبور کرتا تھا

ابن اسحاق کا قول ہے۔

"اگر کوئی شخص ناکامی میں بھی کوشش کئے جائیگا اور جی نہ ہارے گا۔ تو

آخر وہ ناکامی بھی کامیابی کی صورت میں بدل جائے گی۔ خدا نے قرآن میں خود بشارت دی ہے "میں صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہوں"

بردباری، سکینی، اخلاق اپنے فرض کی انجام دہی میں سرگرم رہنا ایک زبردست مقناطیسی کشش رکھتا ہے جو مخالفین کو اپنی طرف ایک ایک دن جبراً کھینچ لاتا ہے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اتنے کم رہے جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا۔ مگر اس ناکامی سے کسی قسم کی دلشکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔ ایک دن آپ وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے بغل میں حمائل تھی اور ذرا شاہانہ قدموں سے جا رہے تھے۔ ایک بوڑھے شخص نے جس نے اپنی جان اسلام پر قربان کرنے کا ارادہ کر لیا تھا آبدیدہ ہو کے کہا:-

"اے ہمارے نوجوان ہادی تو اس طرح راہ حق دکھانے میں کوشش کرے اور تیری کوشش یوں رائگاں جاوے۔ افسوس کیسے سنگدل لوگ ہیں جو تیری بات نہیں سنتے اور اگر سنتے بھی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے"

آپ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بڑے میاں ہر کام بتدریج ہوتا ہے صدیوں کی خرابی صدیوں ہی میں دفع ہو سکتی ہے۔ یکا یک کوئی سنگلاخ پر بیج نہیں ڈال سکتا اس امید سے کہ بار آور ہو اور جس کا یہ خیال ہے وہ ہوا پر نقش کرنے چاہتا ہے۔

بوڑھے نے منہ اٹھا کے یہ دعا دی:-

"تو ضرور کامیاب ہوگا اے نوجوان ہادی۔ خدا تیری عمر میں کامیابی کے ساتھ برکت دے"

دلی کے راہ گیر نے بہت دور سے آمین پکاری۔ یہ دعا فوراً مقبول ہوئی اور اس کا اثر دو گھنٹے کے بعد ظاہر ہو گیا جب آپ وحدانیت پر وعظ فرما رہے تھے۔ وہ ایک پراثر اور پرجوش لہجہ میں ربانی مطالب کو حل فرما رہے تھے تو قریباً دو سو آدمیوں کے گروہ نے غل مچا کے یہ کہا کہ ہم نے شرک و بدعت سے توبہ کی اور آئندہ ہم عہد کرتے ہیں کہ کبھی اپنی حاجتیں سوائے خدا کے کسی کے پاس نہ لے جائیں گے۔ قرآنی مطالب میں بیشک زبردست اثر ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اثر کا دوسروں پر پرتو ڈالنے کے لئے بھی زبان کی خصوصیت درکار ہے جیسا سانچہ ہو گا ویسے ہی پرزے ڈھلیں گے جب خدا کی لازوال قوتوں پر دل سے بھروسہ ہے اور جو کچھ زبان سے کہا جا رہا ہے دل میں اس سے بھی زیادہ یقین ہے۔ پھر تاثیر خود بخود سامعین پر ہو گی۔

ہمیشہ بڑے بڑے فارغ التحصیل طلبہ خاص اس نظریہ سے آتے ہیں کہ ہم فلاں مسئلہ میں مولانا شہید سے مناظرہ کریں گے۔ لیکن وعظ سننے کے بعد کسی میں یارا نہ رہتا تھا کہ کچھ بھی زبان سے کہہ سکے اور ہر بات تسلیم کرتے بنتی تھی اور یہ شبہ بھی کسی کے دل میں نہ رہتا تھا کہ اس میں کوئی بھی غلطی ہے۔

مولانا شہید کے مختلف وعظ اپنا اثر برابر پھیلاتے جاتے تھے اور گروہ کے گروہ سچے دیندار بنتے جاتے تھے جوں جوں کامیابی ہوتی جاتی تھی دوسری طرف دلی میں عداوت بھی بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مفتی صدرالدین صاحب کے مکان پر ایک

---

[1] مولوی مفتی صدرالدین صاحب مولانا شہید کے بڑے گہرے معتقدین میں سے تھے اور اس جلسہ میں وہ خود شریک بھی نہ تھے۔ (مجموعہ واقعات صلا۲)

جلسہ ہوا اور اس میں مولوی حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی اور دینا بیگ خاں[۱] اس جلسہ کے سرغنہ تھے۔ اذیت دینے میں تو ان لوگوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی۔ لیکن جب یوں بس نہ چلا تو تعصب نے آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ وہ بالکل ہی اندھے ہو گئے اور ان دونوں نے باری باری سے پہلے تو وعظ کہا اور اس میں بے گناہ پیارے شہید پر تبرے بازی کرتے رہے اور بعد ازاں یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ جس کو اسمٰعیل حلال کہے ہم اسے حرام کہیں گے۔ اور جسے وہ حرام کہے گا ہم اسے حلال کہیں گے۔

اس صریح ہٹ دھرمی اور قابلِ نفرین ضد کا اثر اہلِ جلسہ پر جس میں گو مولانا شہید کے مخالف ہی تھے کچھ بھی نہ ہوا اتنی سی عقل ان پڑھوں میں بھی ہوتی ہے۔ آخر کو وہ مسلمان تھے اور ان کے بزرگوں کی جا بے عنوانیوں سے ان کے عقائد میں فرق آ گیا تھا مگر نہ ایسا جیسا حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی۔ اور دینا بیگ خاں کا خیال تھا خدا کی قدرت ہے کہ تاریکی میں ہمیشہ نور چمکتا ہے اس تاریک تر جلسہ میں جہاں بکثرت بدعتی جمع تھے۔ خدا پرستی کا نور چمکا اور باہم یہ گفتگو کرنے لگے۔ ہم ایسا کبھی نہ کریں گے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب سود اور شراب کو حرام کہتے ہیں یہ کیونکر ممکن ہوگا۔ ہم اسے حلال کہنے لگیں گے۔ حاجی قاسم کی محض ہٹ دھرمی ہے۔

اس جلسہ کا الٹا اثر بدعتی گروہ پر پڑا اور وہ محمدی دائرہ کی طرف رجوع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن میں اگر "ہم مجموعہ واقعات" والے کی بات کو سچ مانیں تو آٹھ

---

[۱] دینا بیگ خاں وہ شخص تھا جس نے پیارے شہید کی شہادت کی خبر سن کر اس خوشی میں شکر شیرینی جامع مسجد میں تقسیم کی تھی۔ مجموعہ واقعات صفحہ ۱۰۱

سو آدمی دیندار ہوئے تھے انہوں نے قبروں پر سجدہ کرنا چھوڑ دیا اور پیروں شہیدوں کی اپنی حاجات برآری کیلئے نیاز نذر دلوانا ترک کر دیا۔ یوں بھی جتنی بدعتیں کرتے تھے ان سب سے توبہ کی۔

یہ کامیابیاں بظاہر کچھ وقعت نہ رکھتی تھیں لیکن ان میں ہی ایسے جوہر شامل تھے جو بعد ازاں چمک کے رہے اور ایسی تابانی دکھائی جن کی روشنی ہنوز جھلک مار رہی ہے۔

جب بدعتیوں کو پے در پے یہ فاش شکستیں ملیں تو اب انہوں نے مخالفت کا دوسرا پہلو بدلا اور وہ پہلو یہ تھا کہ ہر گلی کی نکڑ پر ایک ملا نا کھڑا کر دیا۔ کہ وہ مولانا شہید کو کافر بتائے اور گمراہ کہے غرض سوائے تبرے کے اور کچھ نہ کہے۔ جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی۔ کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ شہر میں دو چار جگہ لاٹھی چل تھی کہ گورنمنٹ کمپنی کی طرف سے اکبر شاہ کے مشورہ کے ساتھ وعظ بند کر دیئے گئے۔ بند در بند گالیاں مولوی اسمٰعیل صاحب سنتے تھے لیکن کچھ نہ کہتے تھے جس عظیم الشان فرض کا انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ طعن و تشنیع سننا اور اذیت اٹھانا ضرور تھا۔

کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آپ کے وعظ میں دس پانچ ہندو اور درجنوں بدعتی مسلمان نہ ہوتے تھے بلکہ یہاں تک جو اپنے مذہب شرک بدعت میں پختہ تھے وہ جان کے نہ آتے تھے مبادا ہم پر کوئی اثر مولوی کے وعظ کا پڑے دلی میں تو مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی مگر پنجاب میں جو بدعت خیز خطہ ہے کچھ کم مخالفت

مولانا شہید کی طرف سے ان کی طمانیت میں نہ تھی۔ تمام پنجاب جانتا تھا کہ جس طرح ہو کوئی جا کے مولوی اسمٰعیل کو قتل کر آئے یہ حد سے زیادہ مسلمانوں کی بدبختی کا زمانہ تھا کہ وہ سکھوں کی سلطنت کے قابل رحم مظالم میں مٹے جاتے تھے۔ ان کا کچھ بھی نہ سکتا تھا۔ ایسے موقع پر کہ رنجیت سنگھ نے اذان پکار کے کہنا منع کر دیا تھا۔ کوئی مذہبی رکن کھلم کھلا ادا نہ ہو سکتا تھا۔ رمضان میں سکھ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے کھانا کھلاتے تھے اور ان کے روزے توڑ ڈالتے تھے۔ مولویوں کی سکھوں کے راج میں وہ گت بنی تھی۔ کہ تو بہ سور کے گوشت کی بوٹیاں معمولی جرائم میں ان کے منہ میں جبراً ٹھونسی جائیں اور انہیں مجبور کیا جاتا۔ کہ تم اسے کھاؤ۔ کھا لیا تو جانبر ہو گئے نہ کھایا تو تلوار سے سر قلم کر دیا گیا۔

ایسے ظالمانہ اور حد سے زیادہ جابرانہ سلطنت میں تو کبھی پنجاب کے مسلمانوں کو یہ خیال نہ ہوا کہ ہم اپنے کو اس بلائے بے درماں سے نجات دیں اور ایسے ظالم حکمرانوں کو تہ تیغ کریں بہادری نے جوش مارا تو ایک بیچارے شہید کی جان پر جو تنہا تلوار حمائل کئے ہوئے جنگل کے قبرستان میں پھرا کرتا تھا یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ ہر وقت تلوار ہی پاس ہو۔ نہیں بعض وقت لکڑی بھی نہ ہوتی تھی اور آپ صرف اللہ کے بھروسہ پر قانع ہو کے آزادانہ ادھر ادھر پھرتے تھے لاہور میں ایک انگریز رہتا تھا۔ جو رنجیت سنگھ سے تعلق پیدا کر کے بڑا امیر کبیر ہو گیا تھا اس کی بیٹی سے رنجیت سنگھ نے شادی کر لی تھی اور اسے ایک جاگیر بھی دے دی تھی۔ وہ لڑکی تو رنجیت سنگھ کے محل میں بھی مسلمان ہی رہتی تھی

اس کا حسن ہی خونخوار سکھوں سے اس کی جان کا محافظ تھا۔ ورنہ رنجیت سنگھ کی تیغ براں کی وہ کبھی کی شکار بن جاتی۔ مگر یہ رنگریز خوشامد میں آکے کچھ سکھ سا بن گیا تھا اور پیشوایان دین اسلام کو محض سکھوں کے خوش کرنے کے لئے گالیاں دیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ وہ بدعتی تھا اس کے گاؤں میں دو تین قبریں تھیں جن کی پرستش خود بھی کرتا تھا۔ اور دوسروں کو بھی کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ رسول مقبول صلعم کی شان میں بیباکانہ الفاظ کہہ دینے میں کوئی گناہ نہ سمجھتا تھا۔ لیکن ان اہل قبور کے خیالی ناموں کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس شخص کا پہلے نام غلام رسول تھا۔ اور بعد ازاں اس نے صرف اسلام کی ضد میں اپنا نام بندہ رنجیت سنگھ رکھ لیا تھا۔ دہلی کے بدعتیوں سے بھی اس کی خط و کتابت تھی۔ اور بعضوں کا اس نے وظیفہ بھی لگا رکھا تھا۔ جب ان کی یہاں سرباز اری ہونے لگی۔ اور لوگ اسلام اور اس کے روشن اصول سے واقف ہونے لگے۔ تو انہوں نے بندۂ رنجیت سنگھ سے جا کے شکایت کی۔ کہ ہماری قبروں پر چڑھاوا بھی بہت کم چڑھتا ہے اور لوگ کچھ غیر معتقد سے ہوئے جاتے ہیں۔ جو اس کے معتقدین میں سے نہیں ہیں۔ وہ بھی بعض وقت ایسی باتیں کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمیں ان کے عقائد میں بھی شبہ معلوم ہوتا ہے نہ وطن ہی چھوڑتے بن پڑتی ہے اور نہ کچھ اور بن آتا ہے۔ کیا کیا جائے۔ بندۂ رنجیت سنگھ ایسے خیالات کا جانی دشمن تھا اس نے سنتے ہی یہ کہا تم بھی بڑے نامرد ہو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ راتوں رات اسے قتل کر ڈالا ہوتا جھگڑا ہی جاتا۔ کوئی تو نجانہ اس کے پاس نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا پھر تم اتنا کیوں ڈرتے ہو۔ اور تم نے ناحق اتنی سی بات

کے لئے اتنی بڑی مسافت طے کی۔

دہلی والے رو رو کے یہ کہنے لگے۔ ہم پہلے ہی بلا سوچے سمجھے منہ اٹھائے ہوئے یہاں نہیں چلے آتے ہیں۔ سارے ہی جتن کرلئے ایک بھی نہ چلا۔ کوئی تدبیر ہم نے اٹھا نہ رکھی۔ متواتر ناکامی اٹھائی۔ اس کا علاج ہی کیا۔ ان باتوں سے دلی والے تو بہت ہار گئے اور اب ان سے از خود کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ہاں کوئی انہیں اکسا نیوالا پیدا ہو تو کچھ کام چلے۔ اس کے بعد جو جو کچھ تدبیریں کی تھیں وہ سب دہرادیں۔ یہ سن کے بندہ رنجیت سنگھ چونکا اور پھر اس نے تامل کر کے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ سب کا بندوبست میں کردونگا۔ وہ ایک ہی آدمی ہے اس کا پار اتار دینا کتنی بڑی بات ہے۔

کئی دن کے مشورہ کے بعد، چار آدمی اپنے گاؤں سے دیئے وہ چاروں گرانڈیل جوان تھے۔ یہ لوگ زمیندار نہ تھے۔ بلکہ میر دہ کے بیٹے پوتے تھے۔ یہ مسلمان تو تھے لیکن بیچارے اصول اسلام سے محض ناواقف تھے۔ بندہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آکے وہ اپنے سارے خیالات کی پونجی کھو بیٹھے تھے۔ ہاں یہ ان کی خداداد ذہانت اس کی مقتضی نہ تھی۔ کہ بندہ رنجیت سنگھ کی قبر کی بے معنی پرستش سے کوئی مضمون نہ نکالتے اور اس کے بدنما اثر کی جانچ نہ کرتے۔ وہ رئیس زادے تھے اور انہیں مدت سے حق کی تلاش تھی چونکہ اس عرصہ میں انہیں کوئی ہادی نہ ملا تھا۔ اس لئے بیچارے تذبذب میں پڑے ٹبے کوئیاں مار رہے تھے۔

خیر اس صفت اور نوعیت کے شخص ہمارے شہید کے قتل کیلئے تیار ہوئے

ان جوانوں میں جن کی عمر ۲۲-۲۳ برس سے زیادہ نہ تھی۔ قدرتی تہذیب موجود
تھی۔ اچھی بری باتیں ان کی طبائع پر جداگانہ اثر ڈالتی تھیں۔ گو وہ پنجابی نژاد
تھے۔ پھر بھی ان میں شائستہ بننے اور خدا پرست ہونے کا مادہ مضمر تھا۔ بندہ جیت
سنگھ نے ان چاروں کو خوب سمجھا دیا۔ اور ساری باتیں بتا دیں۔ اور یہ قرار دیا
جس کی تلوار اسمٰعیل کی گردن پر پہلے چلے گی اور جس کے ہاتھ سے وہ پہلے گرے
اس کو ایک ہزار روپیہ ایک ٹھکا اور ایک تلوار ملے گی۔ ان نوجوانوں نے ہنس
کر کہا ایسے شخص کے مارنے کے لئے تو ایک ہی ہم میں سے کافی ہے چار
کی کیا ضرورت ہے بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ بدھی ان نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے کے
چلی روانہ ہوئے "مجموعہ واقعات" والے نے ان نوجوانوں کی دلچسپ حکایت
لکھی ہے جسے میں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:-

"راہ میں نوجوانوں نے دریافت کیا کہ جس شخص کے قتل کرانے کے لئے
تم ہمیں لے جاتے ہو وہ کون ہے اس نے کیا جرم کیا ہے اور تمہیں اس سے اب
تک کیا نقصان پہنچا ہے"، انہوں نے جواب دیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ قبر پرستی
سے منع کرتا ہے، وہ کہتا ہے قبر پر بیٹھ کے چلہ کھینچنے یا کسی ولی کی قبر پر مراد بر لانے
کے لئے کلاوا باندھنے بڑے پیر کی گیارہویں کرنی اور مردوں کی فاتحہ خوانی دلانی
اور سید احمد کبیر کی گائے کرنا منع ہے دن بدن لوگ بہکتے جاتے ہیں اور ہماری
روزی میں فرق آتا جاتا ہے"

یہ سن کر نوجوانوں نے گردن نیچی کر لی اور بڑی دیر تک سوچتے رہے پھر
انہوں نے سوال کیا۔ یہ باتیں وہ منع تو کرتا ہے لیکن ان کی بجائے کن باتوں کے

شہید کی صورت بخوبی چھپوا دی گئی تھی۔ اور اب وہ گھات میں لگے پھرتے تھے
ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب کی روشن کرنیں گرم گرم اور تیز تیز
زمین پر پڑ رہی تھیں در و دیوار اور آسمان و زمین جھلستے تھے وہ قہرناک وقت تھا کہ
دور سڑک پر کوئی متنفس نظر نہ آتا تھا بس چیل انڈا چھوڑتی تھی۔ اہل بدعت کو خبر
لگی کہ مولوی اسمٰعیل تنہا فتحپوری کے حوض پر ٹہل رہے ہیں۔ شاید وہ کسی خاص خیال
میں مبتلا ہیں کیونکہ کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے اس سے بہتر موقع اہل بدعت کو
کہاں مل سکتا تھا۔ انہوں نے ایک نوجوان کو روانہ کیا کہ وہ جا کے اسمٰعیل کا سر لے
آئے۔ وہ جوان مسجد فتحپوری میں آیا۔ کل حجروں کے کواڑ بند پائے اور ادھر ادھر
مسجد میں ایک شخص بھی چلتا پھرتا نہ دیکھا۔ در و دیوار تنور بن رہے تھے جس
طرح بھاڑ میں چنے بھن جاتے ہیں اس طرح حوض کی پتھریلی زمین ہو رہی
تھی کہ اگر کوئی چاہے تو با آسانی چنے بھون لے۔ شاہ اسمٰعیل صاحب نیچی نگاہ
کیے ہوئے بے تکان گشت لگا رہے تھے جوان نے پہلے اپنا پیش قبض سنبھالا پھر اپنا
جوتا اتار کے ایک طرف رکھا۔ اور برہنہ پا نیچے کی طرف جانے لگا جونہی
اس نے زمین پر قدم رکھا پیر کے تلوے بھڑ بھڑا ہو گئے اور اسے اس قدر تکلیف
ہوئی کہ جلدی سے پھر جوتی پہن لی۔ اور اب یکایک اس کے دل میں یہ خیال
پیدا ہوا کہ مولوی اسمٰعیل تو کوئی پہنچا ہوا ولی ہے آہستہ آہستہ اس جلتے ہوئے
پتھر پر ٹہل رہا ہے اور اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ خیال ایسا قوی ہوا
کہ آخر کار عقیدت کی صورت میں بدل گیا۔ اور اب اس نے اپنا خنجر نکال
کے مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے رکھ دیا اور جو کچھ کیفیت تھی ساری بیان کر

جس میں جھوٹ نہ ہو اور دوسرے شخص کی غیبت نہ ہوتی ہو آپ نے اپنی معمولی مذاق سے یہ فرمایا۔ بھائی تم پنجابی ہو عموماً پنجابی پیر پرست اور گور پرست ہوتے ہیں۔ میں نہ پیر ہوں نہ میرے ہاں کوئی قبر ایسی ہے جس پر آٹھویں دن کا میلا ہو اور چڑھاوا چڑھتا ہو۔ میں ایک اکیلے خدا کی پرستش کرتا ہوں اور اسی

کو کہے آپ نے فرمایا میں تیری سواری کے لئے اونٹ کا بچہ دوں گا۔ وہ حیران ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ بچے کو میں کیا کروں گی وہ مجھے کیسے اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا بڑا اونٹ ہوتا ہے وہ اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے (ابو داؤد ترمذی بروایت انس) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے نے ایک لال پالا تھا اور وہ اس سے کھیلا کرتا تھا۔ جب آپ ان کے گھر جاتے تو اس لڑکے سے فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" یعنی اے ابو عمیر تیرا لال کیا ہوا (بخاری مسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جنگ بدر میں رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ آپ نے فرمایا آؤ ہم تم دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے اپنا حصہ باندھ کر ایک نشان کھینچ کر اس پر کھڑی ہوئی اور دوڑی مگر آنحضرت آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے۔ ذی المجاز ایک جگہ کا نام ہے جب حضرت عائشہؓ چھوٹی تھیں حضرت ابو بکرؓ صدیق نے انہیں کچھ لینے کو بھیجا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دے حضرت عائشہ نے انکار کیا اور آپ ان کے پیچھے دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئیں اسی واقعہ کو عبداللہ بن حسن کی روایت سے زبیر بن بکار نے دوسری طرز سے بیان کیا ہے وہاں جنگ بدر کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں آپ موجود نہ تھیں ضحاک بن سفیان کلابی بہت بدصورت آدمی تھے جب وہ بیعت کو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ بھی موجود تھیں اور اس وقت تک پردہ کا حکم نہ ہوا تھا بیعت کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس بھلی عورت یعنی عائشہ سے بھی اچھی ہیں اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپ کے واسطے علیحدہ دوں۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ وہ خوبصورت ہیں یا تم۔ انہوں نے کہا کہ میں ان سے کہیں اچھا ہوں اس سوال و جواب پر آنحضرت ہنس پڑے کہ یہ شخص اتنا بدصورت ہونے پر بھی اپنے کو نہایت خوبصورت سمجھتا ہے (زبیر بکار و البواقعی)

کی قرآن و حدیث کے مطابق حتی الوسع تعلیم دیتا ہوں اگر تمہیں خدائے
واحد کی پرستش کی تعلیم لینی ہو جو ٹھیک اسلام ہے۔ تو میرے ساتھ مزدوری
کرکے حلال کی روزی سے پیٹ بھرو اور اگر بچ رہے تو حقیقی محتاج کو دو اور
ہمیشہ خدا کا بھروسہ رکھو۔ بس یہی میری تعلیم اور یہی میرا مذہب ہے اگر
تمہیں دین اسلام کے یہ اصول اچھے معلوم ہوں تو میرے ساتھ بھی رہنے
کی کچھ ضرورت نہیں جہاں جی چاہے رہو اور انہی پر عمل کرو۔ اور مغفرت
کے لئے پانچوں وقت کی نماز میں صرف خدا سے دعا کرتے رہو۔ یہ تقریر
سن کے یہ جوان کچھ وجد میں آگیا اور خدا نے حقیقی کا سچا نور اس کے جملہ
دل میں ایسا چمکا کہ اس نے جوتی اتار کے جو دو سیڑھیوں تک پہن آیا تھا
پیارے شہید کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ اور کہا۔ یہ غلام تو اگر دھکے بھی دیجئے گا
تب بھی نہیں ٹلے گا۔ آخر وہ پیارے شہید کے ساتھ تا زیست رہا۔ اور جب
قندھار کی سرحد میں منافقین کے مقابلہ میں شہید ہوا۔ تو اس کا سر پیارے
شہید کے زانوں پر تھا۔ لہو اس کی پیشانی سے بہ نکلے جاتے تھے۔ اور وہ
اپنی اسی مسکراتی ہوئی صورت میں جیسی صحت کی حالت میں اس کی تھی
پیارے ہادی کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ آخر اس کی جان پاک ملا اعلیٰ کو
گوسدھاری اور وہ اسلامی شہداء میں شمار ہوا۔

غرض مولانا شہید اسے اپنے ساتھ اسی وقت گھر لے آئے۔ دوسرے
دن پہنچے میں دوستوں کو بھی لے آیا۔ اور انہوں نے بھی طریقہ محمدی
اختیار کر لیا۔ ایسی ایسی کامیابیاں گو بظاہر خفیف معلوم ہوتی ہوں لیکن

حقیقت میں ان میں بڑا اثر تھا۔ ایک گروہ میں سے ایک کا بدعت و شرک کو ترک کر کے خالص خدا کی شریعت کو قبول کرنا اور اسی کا بندۂ رضا ہونا عجیب سے عجیب فتحیابی کا ثمرہ اپنے میں رکھتا تھا۔

مولانا شہید کی ہدایت کسی خاص گروہ کی طرف محدود نہ تھی۔ آپ ہر انسانی سوسائٹی میں خواہ کیسی ہی ناپاک کیوں نہ ہو تی جانا اور حتی الوسع نہیں ہدایت کی طرف بلانا اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے چنانچہ ایک کتاب میں کسبیوں کی ہدایت کرنے کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

صاحب فیہ کرعلی ایک قسم کا قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی بانی تحریر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے دروازے پہ کھڑے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جا رہی تھیں مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلاں کسی بڑی کسبن کے گھر کچھ تقریب ہے وہاں جا رہی ہیں مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں مسلمان ہیں تب مولانا نے فرمایا کہ جب مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے ان کو نصیحت نہیں کی اس واسطے اب تو میں انکے مکان پر ان کو نصیحت کروں گا۔ آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف لے جانے سے آپ کو بدنام کردیں گے۔ کہ کنجر واڑے میں بھی آپ جانے لگے۔ آپ

نے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی کچھ پرواہ نہیں جب اللہ اور رسول کا حکم سنا
کو نکلا تو ہر ایک کو سنا دیگا۔ اس کے واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے
آپنے اول اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں
کو کھلا دیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھچوائیں کیا تو اس وقت
اللہ ہی کی بات بولتا رہے گا۔ دل نے کہا ہاں جب تک تیرے اندر سانس ہے
خدا کی بات کو کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے بھی باز نہ آؤں گا جب
شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبی کے مکان پہنچے
جہاں سب کسبیاں جمع ہو کے کچھ گا بجا رہی تھیں آپنے وہاں جا کر دروازہ
کھٹکھٹایا اور کہا "او اللہ والیو" "او اللہ والیو" اس وقت چند چھوکریوں نے دروازہ
پہ آکر پوچھا کون ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے کچھ صدا سنائے گا۔ اور ارشاد کرے
گا۔ وہ سمجھیں کہ کوئی گویا شاگرد فقیر ہے دروازہ کھول کر اندر بلا لیا آپنے اندر جا کے
بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوپر بالا خانہ
میں مع اپنے مہمانوں کے جشن کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب اوپر تشریف لیگئے
اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک و احتشام سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں
پر بیٹھی ہیں۔ چاروں طرف شمعدان روشن ہیں۔ چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی
اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے باوجود بھیس بدلنے کے
بھی وہ آپ کو پہچان گئیں اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اٹھ کے آپ کے سامنے
مؤدب کھڑی ہوگئیں اور پوچھا کہ حضرت آپنے کیونکر تکلیف فرمائی۔ آپ نے
فرمایا گھبراؤ نہیں میں کچھ صدا سنانے آیا ہوں۔ تم سب جمع ہو کے اپنی اپنی جگہ

میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ چونکہ ان کی ہدایت کا وقت آگیا تھا سب ایک جگہ جمع ہو
کے بیٹھ گئیں۔ مولوی صاحب نے حمائل کھول کے ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا
کہ اسی کو سن کے لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان آیتوں کے معنے بیان کر
کے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حسن و جوانی کو
قیام ہے نہ مال و زندگی کو۔ یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی
شرح وبسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کر دیا۔
اس کے بعد مولانا نے موت اور جان کندنی کی سختی اور اس وقت کی بے کسی
اور دہشت اور اس عالم کی مفارقت کا زور ایسے پر درد طور سے بیان کیا کہ ساری
عورتیں ہوش باختہ ہوگئیں۔ پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر ونکیر کا سوال اور
وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ
گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا دنیا
میں سبب اور وسیلہ یا موجد و معاون ہوا ہے وہی اس دن اس گروہ کا پیش
رو ہوگا جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجرم بدکاری گرفتار ہو کے حاضر
کی جاؤگی تو ہر ایک زانیہ کے ساتھ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار بھی
بلائے جائیں گے جن کی زناکاری و بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں اور
تمہارے ہی ناز وادا نے انہیں اس آفت میں پھنسایا تھا۔ تو خیال کرو کہ ایسی حالت
سے جب کہ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے ہونگے۔ اللہ رب
العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان ایسا گرم ہوا کہ سبھوں کی گھگیاں
بندھ گئیں تب آپ نے اب توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر کے

کے لئے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ
معاف ہو جاتے ہیں اس بیان وعدہ عفو اور شرح غفاری اس غفور رحیم
سے ان بے دلوں کو کچھ ہوش آیا معاً آپ نے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع
کی آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے اس سے نکاح کر لے اور اپنے افعال
ماضیہ سے تائب ہو جائے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ یعنی آنحضرتؐ
نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں
جب یہ وعظ ہو رہا تھا۔ اس کی شہرت تمام شہر میں ہو کر ہزاروں
خلقت اس کے سننے کو وہاں آکے جمع ہو گئی تھی راستے بند ہو گئے تھے آس پاس
کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس دلپذیر وعظ کا نتیجہ
یہ ہوا جس قدر جوان عورتیں قابل نکاح کے مجمع میں موجود تھیں سبھوں نے توبہ کر کے
نکاح کر لئے اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ تھیں انہوں نے محنت مزدوری سے
اپنی گذران شروع کی۔ (کتاب تواریخ عجیبہ کی تحریر ختم ہوئی)

اس بے نظیر کامیابی نے اہل بدعت کے دل ہلا دیئے اور اب پرانی ڈھیلیا
کی طرح یہ رونے بیٹھے کہ انہیں کچھ جادو آتا ہے یا کچھ موکلوں کو تابع کر رکھا
ہے کہ فوراً اپنا اثر دیتا ہے۔ مگر ان کی ان بودی باتوں کو تسلیم کرنے والے
ان ہی کے گروہ کے ہمہ تھے۔ اور جس میں ذرا بھی عقل تھی وہ باوجود مخالف ہونے
کے تماشا دیکھتا تھا کہ اسمٰعیل اپنے خیال میں پختہ ہے اور اس کی تقریر میں
غیر معمولی اثر ہے۔

اس کامیابی نے ایک نتیجہ عجیب سماں دکھایا اور وہ یہ تھا کہ بڑے بڑے

علماء آپ کے وعظ میں تشریف لانے لگے۔ یوں تو ہزاروں مضامین تھے جن
پر آپ وعظ فرما سکتے تھے۔ مگر زیادہ تر ان برائیوں کے دفع کرنے کے لیئے وعظ فرماتے
تھے جو اس وقت مسلمان کو گھیرے ہوئے تھیں اور یہی باتیں زیادہ
اثر رکھتی تھیں!

مثلاً پہلے بہت بڑی بات یہ تھی کہ جامع مسجد کے حوض پر خوانچے والوں
کا آنا موقوف ہو بھلا عبادت خانہ بیچ ناپاک بدعت کب موزوں تھی۔ ایک
دن آپ نے صرف اسی پر وعظ فرمایا اور آپ کا وعظ سن کر لوگوں کو اسقدر
جوش آیا کہ اگر انہیں روک دیا نہ جاتا تو شاید وہ خوانچہ والوں کا مارے لکڑیوں کے
بلیتھن نکال دیتے۔ وعظ کہنے کے بعد آپنے اکبر شاہ کی خدمت میں ایک درخواست
لکھی۔ اور اس پر تمام حاضرین جلسہ کے دستخط کرائے اور یہ التجا کی کہ جامع
مسجد میں سودا بیچنا موقوف ہو۔ اور اس کی سیڑھیوں پر کھلونے نہ فروخت کیئے جائیں[1]
اکبر شاہ نے فوراً منظور فرمایا اور اطلاع عام دے دی کہ آئندہ سے سب
سودے والے مسجد تک آنے کے لیئے بھی بند کئے گئے۔ یہ ایک بڑی اصلاح
تھی جس کو خاص و عام نے پسند کیا۔ اپنے دوسرے وعظ میں آپ نے قبیح رسم
کو روکا جو تیمور کے خاندان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یعنے زنگا بھون میں اہل

---

[1] آج کل تو یہ غضب ہے کہ سودے والے مسجد میں اگر فروخت نہیں کرتے لیکن ہر ان کا
مجمع لگا رہتا ہے اور کوئی جامع مسجد کا ممبر طفیل نفع کے لیئے ان سے جھل بھی نہیں کہتا یہ تو سب کچھ تھا
پر غضب یہ کر رکھا ہے کہ الوداع کے دن جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بت پرستی ہوتی ہے یعنی
کھلونے بکتے ہیں مسلمان مسجد کے پاس ہندو بننے پر تو اہل ہنود سے مرشول کرتے ہیں لیکن خدا کے
گھر میں جو بت پرستی ہوتی ہے اس کا بسہولت تدارک ان سے نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

ہنود کی رسمیں ہوتی اور انہیں اسلام اصول سمجھنا عورتوں کے خیال ایسے سخت اور شدید ہوتے ہیں کہ جو بات ان کے ذہن میں جم جاتی ہے اس کا نکلنا مشکل پڑ جاتا ہے مگر مولانا شہید کے متواتر وعظوں نے ان کی ہمت بھی پلٹی اور انہوں نے بھی نہ مندت توبہ کر لی۔ اگر شیاں کر لیا جائے تو یہ اصلاح سب سے بڑی غنی کر بکایک صدیوں کے خیالات عورتوں کے بدل دیئے۔

سیتلا کی پرستش بت پرستی کا چونکہ گھر گھر رواج تھا اور مسلمان اسے عیب بھی نہ سمجھتے تھے اور طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار تھے اس لئے ان کی مستورات بھی ان سے اس شرک و بدعت میں کئی قدم آگے تھیں وہ بالکل ہندوؤں کی طرح ماتا مائی کی پرستش کرتی تھیں اور یہ سمجھتی تھیں اگر ہم ماتا مائی کو نہ پوجیں گے اور ان کے آستان پر چڑھاوا نہ چڑھائیں گے۔ تو ہمارے بچے ضائع ہو جائیں گے۔ الحمدللہ کہ مولانا شہید بڑی کوشش کے بعد اس میں بھی کامیاب ہوئے اور ہر گھر سے سیتلا اور چیچک کی پرستش بکلیہ مٹا دی۔

تعزیہ داری اور ماتم کرنا دہلی میں کوئی خاندان شریفوں کا ایسا نہ تھا جس نے تمام شیعہ سنی دونوں نہ ہوں کسی کی ننھیال شیعہ تھی تو کسی کی دودیال شیعہ تھی چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز کے نانا شیعہ تھے جو بعد ازاں سنی ہو گئے تھے۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے جس ملک میں دو بڑے معزز گروہ رہتے ہوں اور پھر مسلمان ہوں وہاں باہمی تعلق کا ہونا حیرت انگیز نہیں خدا کو دونوں تو میں واحد جانتی ہیں۔ رسول مقبول کو برحق سمجھتی ہیں خلافت کا جزوی جھگڑا ہے جسے جہلا نے زیادہ خوفناک بنا دیا ورنہ

ؔ مجموعہ وصایا ص۱۵۶

کوئی عاقل اور مہذب شیعہ کبھی تبرا بھیجنا اچھا نہیں سمجھ سکتا۔

اس تعلق نے سنی مستورات پر یہ قابل شرم اثر ڈالا تھا کہ وہ محرم میں اپنے بچوں کو حضرت امام حسین کے نام کا سقہ بنا کے تعزیوں کے نیچے سے نکالتے کو بھیجتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ اس بچہ کی زندگی اور ترقی مال و دولت اس کام کے انجام دینے پر موقوف ہے محرم کی پہلی تاریخ سے دہم تک چوڑیاں پہننا، مہندی لگانا، نفیس کپڑے پہننے تیل اور عطر استعمال کرنا۔ پان کھانا شادی بیاہ کرنا حرام خیال کرتی تھیں وہ نویں تاریخ سر کھول کے بوسہ اڑاتی تھیں اور بشدت ماتم کرتی تھیں اور وہ اپنی ان باتوں کو اسلام سمجھتی تھیں ان کا عام مقولہ یہ تھا کہ جس نے بہ سویں دن حضرت امام حسین شہید کربلا کی شہادت پر ایک بھی آنسو بہایا اس کے لئے ایک موتی کا محل جنت میں تیار ہوگا

مولانا شہید نے انہی شیعہ افعال پر متواتر وعظ فرمانے شروع کئے۔ آخر رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ ان کے مرد خود انہیں ایسے بدنما کام کرنے پر روکنے لگے، اور بعد ازاں سنیوں کی مستورات میں سے یہ رسم بالکل جاتی رہی۔

قبر پر چلے باندھنا

شرفا کی خواتین میں گوروپرستی کی بھی انتہا ہوگئی تھی اور پردہ میں بد وضع لوگوں کی بن آتی تھی اور وہ اپنی ناواجب خواہش حاصل کرنے کے لئے شریف زادیوں پر تاک جھانک کیا کرتے تھے ہر سال بڑی بڑی قبروں پر شرفا کی بہو بیٹیاں کے ہجوم رہتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا پردہ کی کچھ پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ مولانا شہید نے ان کے مردوں کو غیرت دلائی اور قرآن و حدیث کی باتیں سنائیں جو ان کے آگے علاوہ دینی نافرمانی کے

جودہ کرتے تھے دنیاوی بے عزتی کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ خدا خدا کر کے وہ ساری باتیں بند ہوئیں اور عورتوں کا قبروں پر جانا موقوف ہوا۔

عورتوں کا مرید کرنا اور مرید ہونا

چونکہ چاروں طرف سے بدعت و شرک کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور ہر فرد بشر دنیا کا طالب نظر آتا تھا۔ دوسرے کا مال اینٹھ لینا بھی ایک بڑی حکمت سمجھی جاتی تھی اسلئے اس سرزمین پنجاب کے بعض اضلاع میں ان عورتوں کا بھی ظہور ہوا کہ جو صرف عورتوں ہی کو مرید کرتی پھرتی تھیں چونکہ یہ بالکل ایک نئی بات تھی اور مردوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے عورتوں کو کسی قدر لحاظ بھی تھا وہ بہت جلد جلد مرید ہونی شروع ہو گئیں۔ اگر تحفہ عزیزی[1] والے کا قول صحیح ہے تو ایک سال میں ان عورتوں سے صرف پانی پت اور کرنال وغیرہ قصبوں کی ڈیڑھ ہزار عورتیں ہی مرید کی تھیں اس کے بعد یہ عورتیں دہلی میں بھی آگئیں جس کا دلچسپ حال "تحفہ عزیزی" والا اپنا چشم دید بیان کرتا ہے جس پر اعتبار کرنے کا ہمارے پاس بہت عمدہ قرینہ موجود ہے۔ اول تو بڑی بات یہ ہے کہ مجموعہ واقعات میں بھی اس کا ذکر ایک جگہ ضرور پایا جاتا ہے۔ لیکن اس نے کچھ ایسے مبہم طریقہ سے بیان کیا ہے گویا اس کی نگاہ میں یہ واقعہ زیادہ نادر اور دلچسپ نہیں ہے بہرحال اس کے صحیح ہونے پر ہم بھروسہ کر کے تحفہ عزیزی میں سے عبارت ذیل نقل کرتے ہیں۔ جو ناظر کی دلچسپی بڑھانے کے لئے اپنے میں کافی مادہ رکھتی ہے وھو ہذا۔

"جب میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھا کرتا تھا تو مجھے ساتھ

---

[1] تحفہ عزیزی مصنفہ سعد ولیتی ۱۲

ہی اس لئے بھی شوق تھا کہ ہر سوسائٹی میں جاؤں۔ اور اس کی حالت سے
واقفیت حاصل کروں۔ شب و روز مولویوں کی صحبت میں رہتا تھا پھر بھی
خشک مغزی کا مجھ میں نام و نشان نہ تھا۔ میری ملاقات شہر میں عموماً سب ہی
سے تھی اور کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا کہ جہاں لوگ مجھے نہ جانتے ہوں۔ ایک
دن میں مصوروں کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنے ایک دوست کو خاموش
اور سست بیٹھا ہوا دیکھ اس سے سبب دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو گیا
کہ اس کی بیوی پانی پت میں ان عورتوں کی مرید ہو گئی ہے اور کچھ ایسی بے خودی
اس پر چھا گئی ہے۔ کہ ہر وقت انہی کی خدمت میں رہتی ہے اور اپنا سارا زیور
بھی انہیں کی نذر کر رکھا ہے۔ پھر مجھے اس مصور کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنی بیوی
کی وجہ سے اس نے اپنے بڑے مکان کی آرائش ان ہی مرید کرنے والی عورتوں
کے لئے کی ہے۔ یہ سن کر مجھے ان پنجابی عورتوں کے حالات دریافت کرنے کا
بہت شوق ہوا۔ اور میں نے ایک نظر انہیں دیکھنا بھی چاہا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ میرے
دوست مصور نے مجھ سے کہا کہ میں کیا تدبیر کروں اور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میری
ان کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ وہ اسے بھی اپنی لونڈی
گیری میں پنجاب لے جائیں گی۔ میں نے دلاسا دیا۔ اور کہا شرعاً مرد کو اختیار ہے کہ
وہ اس خرافات پیری مریدی سے عورت کو روکے اور یہ خبر نہیں کسی شریعت میں جائز
ہے کہ عورتیں عورتوں کو مرید کرتی پھریں۔ میرے اس کہنے پر مصور کچھ چوکنا ہوا اور اسے یقین
ہو گیا کہ اگر میں زیادہ جبر اس بارہ میں اپنی بیوی پر کروں گا تو شاہ اسمٰعیل صاحب بھی اسے برا نہ
جانیں گے۔ میں نہ کوئی مفتی تھا نہ مولوی۔ نہ ان جھگڑوں سے اتنی دلچسپی تھی میرا اگر مذاق تھا تو صرف

یہ کہ مختلف خیالات کا باہم مقابلہ کروں اور ہر سوسائٹی کو بغور ملاحظہ کروں۔

اتفاق سے دو چار ہی دن میں دو عورتیں بھی دہلی میں داخل ہوئیں۔ انکے ساتھ کوئی مرد نہ تھا تمام خدمتیں متفرق عورتوں کو سپرد تھیں۔ تقریباً ان کی بیس پچیس تعداد ہوگی اور یوں ان کا بھیڑ بھکا اسباب کی وجہ سے بہت دکھائی دیتا تھا۔ یہ عورتیں جو مرید کہلاتی تھیں وہ بہنیں تھیں جن کی عمر پچاس پچاس سال سے کم ہوتی انہیں قرآن شریف اچھا یاد تھا اور نہایت خوش لہجگی میں پڑھتی تھیں۔ معمولی مسائل کی دس بیس حدیثیں بھی یاد تھیں۔ سب سے زیادہ یہ تھا جس سے جاہل عورتیں ان کے داؤں میں آجاتی تھیں کہ وہ شعبدہ باز پوری تھیں۔ آناً فاناً میں خود بخود نور بن جاتیں اور اپنی مریدہ سے کہتیں کہ تمہارے ہم میں حلول کیا۔ زمین پر عصا مارنے سے ایک گڑھا ہو جاتا اور اس میں پانی بھر جاتا بیری یا آم کی خشک ٹہنیوں میں صرف اس پر تھوکنے سے ہرے پتے لگ جاتے اور پھل بھی نمودار ہو جاتا۔ بعض وقت تین بجے شب کے جب بالکل سنسانی اپنی سلطنت کرتی ہے ملائکہ کی آمد و رفت بھی دکھائی دیتی تھی جو اوپر سے نیچے آتے اور پھر اوپر چڑھ جاتے۔ وہ اپنی بعض باتوں اور سوالات کا جواب آسمانی آواز سے لیتیں جو اس طرح آتی گویا آسمان سے کوئی پکار رہا ہے۔ میں نے خفیہ طور پر یہ بھی سنا تھا۔ یہ شعبدہ باز اپنے کو نبیا کہتی ہیں سب سے زیادہ ان کا ایک شعبدہ بڑا بھاری تھا۔ اور وہ یہ کہ مردوں کو زندہ کر دیتی تھیں۔

ان کا آنا تھا کہ شہر کی بیگمیں سب سے پہلے ان پر ٹوٹ پڑیں اس کثرت سے جانی شروع ہوئیں۔ کہ ان کے ہوش و حواس بھی اڑ گئے۔ اب انہیں اتنا وقت

بھی زمانہ تھا کہ اپنا شعبدہ بازی کا مصالح تیار کریں۔ آخر دق ہوکے انہوں نے یہ مشہور کیا کہ ہمارے پاس وہی عورت آوے جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے دہلی کی خلقت عجیب خیالات کی ہوتی ہے اس پر بھی عورتیں نہ کیں بہت سے زیادہ قلعہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور رتھوں اور بہلیوں کو سڑک پر چلنے کو جگہ نہ ملتی تھی نذرانے گذرنے لگے۔ اولاً ہو قدر ان سے پہلے کا نہ تھا ورنہ اگر وہ دو عورتیں مالا مال ہوگئیں۔ یہ تعجب ہے کہ انکا شہر دہلی میں سوائے پندرہ سولہ دن کے زیادہ قیام نہ ہوا اور جب انکی شہرت کا سلسلہ تمام حصص دہلی میں پھیلنے لگا تو وہ چل دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس سے کتنے سال بعد غرضیکہ یہ صحیح ہے دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی۔ کہ کلکتہ سے بردہ فروشی کے جرم میں گرفتار ہوکے عبور دریائے شور کی گئیں اور جس وقت ان کی تلاشی لی گئی تو ۳۰ ہزار روپیہ کا نقد زیور ان کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔"

فقط تحفۂ عزیزی والے نے مولانا شہید کا اس مشہور واقعہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے کہ آیا اس اصلاح کی اسٹیج پر بھی مولانا نے کوئی حصہ لیا تھا۔ یا خاموشی ہی سے سپرد کیا گئے۔ لیکن مجموعہ واقعات[1] والا صاف طور پر یہ لکھتا ہے :-

"گو ان شعبدہ باز عورتوں کی یہاں دینی شہر دہلی میں آؤ بھگت ہوتی۔ لیکن مستورات پر دائمی قبضہ پانے کی دال نہ گلی۔ مولانا نے یہاں تک اپنے معتقدین سے کہا تھا۔ کہ اگر یہ اپنے اس فعل کو ترک نہ کردیں تو ان پر جہاد کرنا چاہئے۔ یہ بدین کے دین خدا میں رخنہ ڈالنا چاہتی ہیں۔"

بھلا اس شہر کی چار دیواری میں مولانا شہید کی یہ آواز گونجتی ہو کہ خدا ایک ہے کوئی۔

---

[1] مجموعہ واقعات ص۲۵

اس کا شریک نہیں۔ اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں وہاں ان بنجابیوں کا ڈھکوسلہ کیوں کر چل سکتا تھا۔ بڑے بڑے بدعتی پسپا ہوتے چلے گئے تھے۔ اور دن بدن نور خدا پھیلتا جاتا تھا۔

قبروں پر حال آنا صوفیوں کا گیتیں جھرنا بعض غلط الزامات کے مشہور ہونے کی وجہ

میں اپنے پہلے کسی باب میں لکھ آیا ہوں کہ ہندوستان خصوصاً دہلی میں اہل تصوف کا زور شور محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں بہت ہو گیا تھا۔ اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے ابتدائی زمانوں میں ہی اس کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ صوفیوں کے والاشان گروہ میں ہزاروں ایسے ایسے بڑے بڑے علماء ہوئے ہیں جن پر اسلام ہمیشہ فخر کرے گا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کی نگاہ میں وقعت سے دیکھے جاتے ہیں۔ بلکہ اہل یورپ نے بھی ان کی بہت سی کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کر لیا ہے۔ اور ان کے آداب و محاسن اور حسن اخلاق کے دل سے مدح خواں ہیں۔

ہمارے روئے سخن ان صوفیائے کرام کی طرف نہیں ہے جو آسمان اسلام کے چمکتے تارے ہیں۔ بلکہ ان ظاہرا صوفیوں سے غرض ہے جنہوں نے دلیپو کی صورت بنائی ہے۔ اور اصل دل میں ناجائز افعال کرنے کا مذاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ہمارے شہیدنے جب جھوٹے صوفیوں کو دہلی میں جب یہ عروج دیکھا۔ اور ہزاروں جہلا عوام الناس کو ان کا گرویدہ پایا تو یہ خیال کیا جب تک ان کی اصلاح نہ ہوگی تب اسلام میں تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ روزمرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے تھے کہ ہر قبر پر تقریباً خوب صورت نوعمر قوال خوش الحانی سے عشقیہ غزلیں گاتے ہیں۔

اور بیسیوں صوفی ان کی آواز اور صورت پر تلپتے ہیں۔ ان کی لمبی لمبی زلفیں عطر میں
ڈوبی ہوئی ہیں۔ خوشبو دار مصالح میں نفیس ڈھاکے کی ململ کے کپڑے رنگے ہوئے
ہیں۔ اور کسبیوں کی طرح گتیں بھری جا رہی ہیں۔ عام جاہل مسلمان انہیں پہنچا ہوا
اور ولی جانتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں شانِ اسلام اور فرمودہ خدا و رسول یہی ہے۔
قوالوں کے جتنے بچے ہونے وہ بیش قرار تنخواہوں پر صوفیوں کے ملازم ہو جاتے اور
جہاں ان کی نو عمری کا زمانہ منقضی ہوا۔ موقوف کر دیئے گئے اور ان کی جگہ بے ریش و
بروت آ جاتے۔ یہ بات عام طور پر مشہور تھی۔ (صوفیوں کے دائرہ میں) جب حُسن
صوت کے ساتھ حُسن صورت نہ ہو کبھی حال نہیں آ سکتا ان کا لہک لہک کے حافظ
کی عشقیہ غزلیں پڑھنا اور پھر ظاہر دار صوفیوں کا تھرکنا اور ایسی گتیں بھرنا کہ کسبیاں
بھی جھینپ جاتی تھیں۔ عین اسلام (معاذ اللہ) خیال کیا جا رہا تھا۔ پیارے شہید
کے لئے یہ ایک خوفناک نظارہ تھا۔ کہ شریعت محمدیہ یوں بے ادبی سے کچلی جا رہی
ہے اور کوئی دریافت کرنے والا نہیں ہے۔ آخر آپ بہت دھوم دھام سے عین
قبروں ہی کے نزدیک وعظ فرمانے لگے۔ ادھر ڈھولک پر چوٹ پڑتی اور ادھر
پیارے شہید کا وعظ ہوتا۔ ہزاروں آدمی قوالی میں موجود ہیں کبھی پیارے شہید پر حقارت
کی آوازیں بلند کرتے ہیں۔ اور کبھی منہ چڑاتے ہیں۔ مگر انکا یوں برا بھلا کہنا خوش آمد تھا۔
پہلے دن تو ایک دو اشخاص قوالی میں سے ٹوٹ ٹوٹ کے آنے لگے۔ اور بعد ازاں
مجمع ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ قوالی ہو رہی ہے اور یہ غل مچا۔ شاہ صاحب
وعظ کہنے کے لئے تشریف لے آئے۔ گروہ کے گروہ اللہ کے چلے آئے اور انہوں
نے قوالی اور گانے بجانے کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔

بہت سے بزرگانِ دین راگ سنا کرتے تھے۔ لیکن وہ راگ کیسا ہوتا تھا جس میں موسیقی کے ارکان کی قیود نہ ہوتی تھی۔ اور نہایت سادگی سے دف پر گانا گایا جاتا تھا۔ چند نابالغ لڑکیوں کا دف بجا کے عید کے دن باہم بیٹھ کے گانا، اور نبی اکرم کا منع نہ کرنا بلکہ یہ فرما دینا "عید کا دن ہے انہیں گانے دو" یہ معنی نہیں رکھتا جو ہمارے ظاہر دار صوفیوں نے سمجھ لئے ہیں۔ اول تو وہ لڑکیاں ہی ناسمجھ تھیں، دوسرے عید کا دن تھا۔ تیسرے وہ یہ بھی نہیں جانتی تھیں۔ کہ گانا بجانا کسے کہتے۔ اور ان کے ارکان کیا ہیں۔ وہ بمنزلہ ایک کھیل کے کھیلتی تھیں۔ مثلاً جیسے گڑیاں کھیلنی آنحضرت نے جائز قرار دی ہیں۔ لیکن صرف بچیوں کے لئے اسی طرح ایسے گانے بجانے کو بھی جو موسیقی کے قواعد کی کل قیود سے آزاد تھا ارشاد کر دیا۔ یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوعیت کے گانے سننے اور اس پر تحو کئے اور گتیں بھرنے کی مومنین کو اجازت دی ہو۔ بلکہ صحابہ تو صرف سادے گانے میں بھی اس قدر تشدد کرتے تھے۔ کہ عام لوگوں میں ان کا خوف پھیل رہا تھا۔ ایک لڑکی نے منت مانی تھی۔ کہ جب فلاں مہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب واپس تشریف لے آئیں گے تو میں دف بجا کے انہیں اپنا گانا سناؤں

لہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروان کو جب سخت تکلیف دی تو آپ نے مکہ والوں سے جان بچانے کے لئے اپنے معتقدین سے ہجرت کے لئے ارشاد فرمایا تھا جب وہ سب مدینہ چلے گئے اور مکہ کے بہت سے گھر ویران ہو گئے تو عتبہ بن ربیعہ نے بعد میں نبی اکرم سے یہ کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے اس ساری ویرانی اور تباہی کا تو ہی باعث ہوا ہے۔ نہ تو دعویٰ نبوت کرتا۔ نہ ہمارا شہر ویران ہوتا۔

(طبری صلہ۱۲۴ ابن ہشام ص۳۱۱)

سلہ ابن ہشام ص۱۰۱

گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ لڑکی نبی اکرم کی خدمت میں دف لے کے حاضر ہوئی
اور اس نے اپنی منت ماننے کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ نے اسے اجازت دے دی۔
وہ دف بجا بجا کے گانے لگی اس گانے میں وہی بے ساختہ سادہ بچوں کا سا تھا جو عموماً
ہوا کرتا ہے۔ اتنے میں اس نے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا۔
خوف کے مارے تھرا گئی۔ اور اپنا دف زمین پر رکھ کے اس پر بیٹھ گئی۔ آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی۔ آپ نے بہت خوش ہو کے یہ فرمایا
"عمر تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے" یہ ایسے کام تھے اور یہ خیالات تھے ان نبی کریم نے بھی
سے بے جوڑ گانے کو بھی شیطانی افعال سے تعبیر کیا۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خوف
بچہ بچہ کے دل میں کہ آپ معمولی گانے کو بھی بہت برا جانتے ہیں، ہمارے لئے
برحق حقیقت اور سچی نصیحت کا کس قدر مادہ رکھتا ہے۔

اگر واقعی ہم مسلمان ہیں۔ اور نبی عربی سے ہمیں اسلام کے باعث نسبت ہو سکتی
ہے۔ پھر کونسی بات ہے جو باوجود خدا اور رسول پر عمل کرنے سے ہمیں روکتی ہے
اور ہم ذرا سی دیر کی نفسانی لذائذ کے مقلد بن کے ان وسائل کو جن پر ہماری
نجات کا بلکہ دارومدار ہے کھو بیٹھے ہیں۔ کتابیں موجود ہیں۔ حضرات صوفیہ صافیہ
کے حالات ظاہر ہو گئے ہیں۔ پھر حجت اور شبہ پیدا کرنے کا کونسا مقام باقی ہے
یہ عجب تماشا کی بات ہے کہ اپنے کو مسلمان بھی کہتے جاتے ہیں اور پھر اسلام کے
احکام سے روگردانی بھی کرتے جاتے ہیں!!

اس اس قسم کی تحریریں پڑھ پڑھ کر شہید دہلوی میں بہت سے لوگ قائم ہو
اور کسی میں یہ یارا نہ ہوتا تھا کہ حق کو جھٹلا سکتا۔ آخر ان کے سب درپے

وعظوں سے ایک عظیم الشان اصلاح ہوئی۔ گور پرستی جو قوالی سے زیادہ زندہ تھی دن بدن تنزل پذیر ہونے لگے اور آخر ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صوفی اپنی سرد بازاری کی تاب نہ لا کے خود بخود جلاوطن ہونے لگے۔ اور ادھر ادھر ریاستوں میں جا کے اپنا مسکن کیا۔

ہاں یہ ضرور ہوا کہ صوفی دہلی سے تو چلے گئے لیکن عوام الناس کے دلوں پر یہ جما گئے کہ اسمٰعیل صوفیوں کو برا کہتا ہے اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔

جب اس کی شورش زیادہ پھیلی تو آپ نے ایک ضخیم کتاب[1] اصل تصوف نامی بڑے بڑے جلیل القدر صوفیوں کے بیان میں تصنیف فرمائی اور اس کے اکثر نسخے نقل کرا کے مختلف لوگوں کے پاس بھیجوائے جس سے عوام الناس کے خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اسماعیل بڑا جید صوفی ہے۔

ہمارے ہاں یہ عام عیب پھیلا ہوا ہے اور اس میں تقریباً سب ہی مبتلا ہیں کہ جس کی نسبت جو کچھ سن لیا بلا تحقیق اور تفتیش کے اسے یقین کر لیا۔ اس سے غرض نہیں کہ وہ صحیح ہو یا غلط اسی طبیعت نے ایک عام ناراضی مسلمانوں

---

[1] اس کتاب کا نام حقیقت تصوف ہے عذر میں اس کے بہت نسخے ضائع ہو گئے ہیں شاید ہندوستان میں کسی کے پاس موجود ہو گی۔ کشمیر میں میرے ایک دوست نے مجھے دکھائی تھی میں نے سرسری طور پر دیکھ کے واپس دیدی۔ اس میں شک نہیں جو کچھ مولانا شہید نے اس میں کمال کیا ہے اور صوفیوں کی تعریف میں رطب اللسانی کی ہے۔ اس سے مولانا کی انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے۔ اور تمام ان غلط الزامات کی تردید ہوتی ہے جو خواہ مخواہ اب تک آپ پر بعض نفسانیت سے عاید کئے جاتے ہیں۔

میں مولانا شہید کے خلاف نفرت پھیلا دی اور اب تک مسلمانوں کا بڑا گروہ بیچارے شہید کو مجرم گردانتا ہے۔ حالانکہ جو الزامات اس ذات والا پر قائم کئے ہیں کبھی کسی کو یہ نصیب نہیں ہوا کہ ان کی پوست کندہ کیفیت دریافت کرتا اور حق و ناحق میں تمیز کرتا۔ ہندوستان میں عموماً مولانا اسمعیل کے نام سے لوگ جلتے ہیں۔ لیکن جلنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سنی سنائی باتیں ہیں جن کی کچھ بھی بنیاد نہیں ہے۔ اور وہ محض بے اصل ہیں۔ ایک دفعہ جمعہ کو میں بمبئی کی جامع مسجد میں گیا۔ تو نماز پڑھنے کے بعد مجھے میرے ایک دوست نے ٹھیرا لیا۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ کئی شخص اور بھی میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ پڑھے لکھے ہیں۔ وہ باہم مولوی اسمعیل صاحب کا ذکر تحقیر آمیز الفاظ سے کر رہے تھے اور ایسی ہی بے بنیاد باتیں قائم کر رہے تھے جو میرے کانوں میں جہاں تک مجھے یاد ہے کبھی نہ پڑی تھیں۔ ایک شخص تو یہ کہہ رہا تھا کہ تقویۃ الایمان میں سوائے کوسنے کے کچھ نہیں ہے۔ نبی اور آپ کے صحابہ کو برملا گالیاں دی گئی ہیں۔ دوسرا شخص بولا کہ سچ پوچھو تو بات صاف کھلی ہے کہ ہندو بھی تو کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ یہ نامعقول باتیں سن کے مجھ سے رہا نہ گیا۔ ہر چند میں چاہتا تھا کہ ان کے خیالات میں مخل اندازی نہ کروں لیکن جب قرآن کا یہ ارشاد ذہن میں آیا کہ حق کی بات چھپائی نہ جائے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کے ان کے پاس جا بیٹھا اور میں نے ان میں سے ایک صاحب کی خدمت میں یہ عرض کی کہ آپ نے تقویۃ الایمان دیکھی ہے۔ انہوں نے نہایت سادگی سے بے پروایانہ لہجہ میں یہ جواب دیا نہیں ہم نے نہیں دیکھی نہ ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے نہایت عاجزی

سے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ بڑے ظلم کی بات ہے آپ نے ایک چیز ملاحظہ
نہیں کی اور اس کی بابت اس مضبوطی سے رائے قائم کی جاتی ہے۔ میری اس بات
سے وہ ناراض ہوئے اور انہوں نے میری طرف حقارت کی نظر سے دیکھا۔
پھر میں نے یہی التماس کیا۔ کہ میرے خیال میں زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ آپ اسے
ملاحظہ فرما کے اس پر رائے قائم کریں۔ بڑی رد و کد کے بعد انہوں نے میری بات
مان لی۔ میں نے انہیں تقویۃ الایمان بھجوا دی۔ آٹھویں دن جب وہ مجھ سے
ملے تو ان کے خیالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور وہ سیدھے ہو چکے تھے۔

یہ بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے۔ کہ ہماری عادت میں داخل
ہو گیا ہے جہاں ہم نے کسی کی نسبت کوئی بُری افواہ سنی اسکی استواری سے
شہرت دینے لگے اور ایسا یقین کر لیا۔ گویا ہم اپنے خیال میں اسے تحقیق کر چکے ہیں یہ
غلط فہمی پہلے سے چلی آتی ہے اور بدخواہوں نے محض اپنی نفسانیت سے جو الزامات
مولانا شہید پر قائم کئے انکی اس دھوم دھام سے عوام الناس میں اشاعت
ہوئی کہ اگر کسی حق بات کی بھی اتنی جلدی نہ ہوتی جو کتابیں آپ نے تصنیف
کی ہیں موجود ہیں جن تواریخ میں آپ کا ذکر خیر ہے وہ مٹ نہیں گئیں انہیں
تو کوئی دیکھتا نہیں اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا ہے کہہ گذرتا ہے۔
جو دھظ پے درپے مولانا نے شرک اور وجہ تصوف پر نثر کئے انہیں لوگوں

شرک کی چار قسمیں ہیں۔ شرک فی العلم۔ شرک فی التصرف۔ شرک فی العبادۃ شرک فی
العادۃ شرک فی العلم سے یہ غرض ہے کہ کوئی بھی دور کی چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانتا تھا۔
جب تک خود خداوند تعالیٰ ان کو کسی بات پر آگاہ نہ کرے۔ اس عقیدے کے خلاف سمجھنا شرک
فی العلم ہے۔ گویا خدا کی غیب دانی کے علم کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا۔ خود ہمارے آخر الزمان

کی فتح ہوئی۔ حق چمک کر رہا اور پیارے شہید نے اسلام کی جو کچھ خدمت کی ہزاروں
لاکھوں مسلمان اس بے نظیر احسان سے سبکدوش نہ ہونگے۔ مسلمانوں سے گذر
کے یورپین مصنفوں نے بھی قبول کر لیا ہے۔ کہ اسمٰعیل نے دین میں بہت بڑی
اصلاح کی ہے۔

جب متواتر وعظوں کی بھرمار ہوئی تو دہلی کے عمائد کر آپکے وعظ سننے

بے انتہا مہربانیاں اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان ہیں کہ اس نے لفظ حبیب، و لفظ خلیل سے یاد
کیا ہے۔ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی بندہ بندہ ہی ہے۔ کسی میں یہ یارا نہیں کہ عبدیت کی حدود سے باہر اپنے
قدم بڑھا سکے۔ یا بندہ کے مرتبہ سے وہ اپنا سر اونچا کر سکے تیسری قسم کی شفاعت یہ ہے۔ کہ
خود مالک کی مرضی ہے شفاعت کرنے یا کسی مجرم کی خطا معاف کرنے کی لیکن اسے خوف ہے کہ قانونی
جبروت و جلال کو اس کچھ نقصان نہ پہنچے وزیر نے شاہ کی خواہش اور مرضی پہچان لی۔ اور اس نظر سے مجرم
کی شفاعت چاہی۔ یہ شفاعت قانونی ہے اسے شفاعت باذن کہتے ہیں۔ اس قسم کی شفاعت نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کریں گے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ نبی میں اس کے علاوہ بھی شفاعت کی
قوت ہے۔ شرک فی التصرف میں داخل ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ ہے جو شفاعت
اللہ کے آگے کر سکتا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہے قرآن و حدیث میں جہاں کسی نبی اور پیغمبر کی شفاعت کے
متعلق تذکرہ ہے۔ اس سے مطلب اس تیسری قسم کی شفاعت سے ہے۔

(۴) شرک فی العبادۃ۔ کسی مخلوق کے آگے پرستش کی نظر سے جھکنا شرک فی العبادۃ ہے۔ نہایت
تعظیم سے خم ہونا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے کھڑا ہونا۔ کسی شخص کے نام پر روپیہ خرچ کرنا اس کی یادگاری
میں روزہ رکھنا اور کسی ولی شہید پیر کی قبر کے لئے فقط زیارت و تقرب کی نظر سے سفر کرنا وہاں کے کاروبار
قبر پر چادریں چڑھانی پرستش کرنی اور کسی مقبرہ میں قبر پر نماز پڑھنی قبر کے پتھر پر بوسہ دینا مقبرہ کی دیوار سے
اپنا منہ اور پشت ملنی یہ ساری باتیں شرک فی العبادۃ میں داخل ہیں۔ مومن کی شان ہرگز نہیں کہ وہ ان
خرافات باتوں میں اپنے کو مبتلا کرکے شان مومنیت میں نقص پیدا کرے یہ سخت شرم کی بات ہے کہ جو افعال
حج بیت اللہ میں بلکہ ہم انجام دیتے ہیں انہیں کو عام قبور پر ادا کریں۔ یہ باتیں نہ صرف دین ہی میں

کا اس قدر چسکا لگا کہ پہلے ہی سے مفتی صدر الدین وغیرہ کہلا بھیجتے تھے۔ آپ قرآن شریف کی فلاں آیت پر وعظ فرمائے گا۔ اور پھر وہ اس آیت کی تفاسیر اپنے گھر میں دیکھ دیکھ جاتے تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے دیکھیں کس تفسیر کا مضمون مولانا شہید سناتے ہیں مگر جب وہ وعظ سنتے تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان فرمایا ہے بالکل سے نئے نکات ہیں جو ان کے کانوں میں کبھی نہیں پڑے۔ یہ خداداد ذہانت اور ربانی انکشاف تھا جو خصوصیت سے اس ذات والا کو بخشا گیا تھا۔ یہ وہ چوکھٹ ہے کہ مخالف بھی آکے اپنی پیشانیاں ٹکاتے تھے۔ اور انہیں دم زدن کا یارا نہ تھا۔

ان چند اصلاحوں کو ہم نے بیان کیا ہے۔ بظاہر ناظر کو ان کی کچھ بہت بڑی شان نہ معلوم ہوگی۔ لیکن جب وہ دہلی اور دہلی کی حالت اور تعصب کو دیکھے کہ اس وقت

خرابی پیدا کرتی ہے بلکہ انسانی اخلاق سوسائٹی پر اس کا خوفناک اثر ہوتا ہے۔ ان خیالات پر انسان کبھی زندگی کے مرتفع مدارج حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی انسانیت کے سچے حلال کی زندگی بھی اسے نصیب نہیں ہو سکتی ہے

(۴) ترک فی العادۃ ہے [illegible] عادت رسومات [illegible] قدر جاری رکھی ہوئی [illegible] عقیدہ تھا کہ یہ غیب کی باتوں کی [illegible] ہماری [illegible] [1] [illegible] اور سی بھی ہوئی باتوں کو ترک [illegible] العادۃ [illegible] دین [illegible] نسلوں [illegible] اور خطا رکھتا اور بعض لوگوں کو خوش قسمتی [illegible] مولانا شہید جیسے مرد کامل نے ترک العادۃ میں [illegible] کی قسم کھانا، علی یا ماموں اور پیروں کی قسم [illegible] ان میں [illegible] حلال [illegible] تسلیم کرنی ہے خدا کے ساتھ شامل ہے یہ بات ترک [illegible] میں داخل ہے۔

---

[1] یہاں استعارہ مقصود نہیں۔ بلکہ وہ استعارہ مراد ہے جو تسبیح کے دانوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے مصحح ۱۲۔

اسے اندازہ ہوگا کہ یہ ایسے نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا۔

اسی ضمن میں ایک نادر الوجود واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو نہایت ہی دلچسپ اور لذیذ ہے
مجھے امید ہے کہ ناظر اس واقعہ کو بڑے دلچسپی کے ساتھ ایک تبا سبق حاصل کرے گا۔

چند روایتیں بڑے شد و مد سے بیان کی جاتی ہیں جو مشہور اتمام ہیں اور شاید مجدی
گردہ کے لوگ سوائے اہل تصوف کے اس کے یقین کرنے میں کچھ پس و پیش بھی کریں
لیکن میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں وہ ساری باتیں صحیح ہیں ہاں کلام اس میں ہے کہ
ان کی نوعیت کیا ہے؟

عموماً یہ مشہور ہے کہ قدیم صوفیوں کے جلسہ میں ایک بے ادب معترض بھی آگیا تھا اس نے
صوفیوں کے حال اور حرکت پر بہت ہنسی کی فوراً ایک رقص کناں صوفی کی نظر اس پر پڑی
اور وہ بھی ان کے ساتھ بھنڈیاں کھانے لگا۔ ہمیشہ میں نے عرس کے دنوں میں خود
یک قسم کا واقعہ دیکھا ہے اشخاص کی زبانی سنا جن کے اقوال کا مجھے ہر

ے بھروسہ ہے تھا۔ گویا یک ملاقات بھی تقریباً کل ہندوستان سے فقرا اور زائر آتے تھے۔ انہیں کروڑ روپیہ کا
مال نذر خست ہوتا ہے اور نہ صرف بعد یا ہی دن بلکہ مہینہ دو مہینے تک عجیب کیفیت رہتی تھی۔
اس میلہ کے زوال کے اسباب بہت سے بیان ہوئے لیکن ہمارے مورخ نے جو خاص سبب بتایا ہے
وہ یہ ہے کہ چند فقیروں نے یہ سخت نازیبا کام کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے تو سعیدہ نہی سعدی اور نہیں
معاف کر دیا گیا لیکن فریق ثانی اہل ہنود تھے انہوں نے رزیڈنٹ سے درخواست کی اور ان فقیروں کو گرفتار
کرا دیا۔ انہیں معمولی سزائیں مل گئیں مگر بعد ازاں وہ بڑی بڑی اسفندیوں سے چھوٹ گئے اس دن سے عوام
الناس کی طرف سے فقیروں کی اتنی خاطر و مدارات نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص کھٹک گیا تھا اسکے علاوہ اور بھی چند بے
اعتدالیاں فقیروں نے کیں پس ہر سال بسال اس کی کمی ہونے لگی۔ اور اب تو ایک بھی نہیں آتا۔ (دربار دہلی ہماری صفحہ ۹۱)

اس کی حقیقت کیا ہے۔

چونکہ آپ کو عموماً دہلی کے لوگ خوب پہچانتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سپاہیانہ لباس[1] پہنا اور چھٹی تاریخ دس بجے شب مختلف الصورت میں وہاں پہنچے۔ دربار ہو رہا تھا۔ اور سو دو سو آدمی نہایت ادب سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے معزز مورخ نے اس دربار صوفیہ کا جس میں پیارا شہید بھی موجود تھا، چشم دید نقشہ کھینچا ہے۔ وہ یہ ہے:-

اس عظیم الشان میلہ میں جو بارہ دن تک قدم شریف میں رہتا تھا اور جس میں صدہا قسم کے فقیر اور تاجر آ آ کے شامل ہوتے تھے۔ جلال شاہ صاحب کے آنے کی دھوم دھام اور داخل ہونے پر خاطر مدارات میں جو کچھ لطف آتا تھا وہ قابل بیان ہے۔ شہر میں داخل ہونے پر ان کی پیشوائی کی جاتی تھی۔ اور بڑے بڑے شہزادے اور امراء انہیں ہاتھوں ہاتھ اس بڑے خیمے میں پہنچا دیتے تھے جو خاص شاہ کی طرف سے ان کے لئے ایستادہ کیا جاتا تھا۔ جلال شاہ کے ساتھ ہمیشہ دو تین سو مرید آیا کرتے تھے۔ یہ فقیر امیرانہ سامان رکھتا تھا۔ بڑے بڑے پرانی غالیچے اور جواہرات کا بکثرت سامان اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور یہ قابل تعریف بات تھی کہ اس کے مال سے خیرات بہت ہوتی تھی۔ علاوہ اور صفات کے حسن نے فقیر موصوف

---

[1] سیر دہلی صفحہ ۹۶ تذکرہ مشاہیر دہلی صفحہ ۹۳ تاریخ علمائے دہلی صفحہ ۱۱۱۔ ۱۲

[2] سیر دہلی صفحہ ۱۵ اس دربار کے لکھنے والے مورخوں نے بھی یہ تذکرہ کیا ہے لیکن وہ بسبب اختصار کے بیان دو فقرہ کو لکھتے ہیں۔ عموماً مشرقی مورخوں سے وہ بعض ہیں اکثر نہیں ہیں۔ یہ بات ضرور رہ جاتی ہے کہ بعض اوقات لائق بیان واقعات کا ذکر نہیں کرتے اس لئے کہ ان کو ان واقعات سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور جس واقعہ سے دلچسپی ہو خواہ نا قابل پسند کے بائز ہو اسے بڑی رنگینی سے بیان کیا جائے گا۔ لیکن ہم سیر دہلی والے مورخ سے زیادہ ممنون ہیں کہ اس نے ہمیں قابل بیان واقعات کو معرض تحریر میں لا کر بے انتہا دلچسپی دی ہے۔ ۱۲

سکوت جلال شاہ کے دربار میں حکمرانی کرنے لگا اور ویسی ہی سلطانی جبروت معلوم ہونے
لگی یہ ایک غیر معمول بات ضرور ہوئی کہ جلال شاہ نے مولانا شہید کو اپنے پاس بلا کے بٹھایا
یعنی اپنی گدی پر اور کن انکھیوں سے مولانا کی صورت کو تکتا رہا مولانا ان نظروں کو جو غیر معمولی
وضع کا جامہ پہن کے آپ پر پڑ رہی تھیں خوب اندازہ کر رہے تھے مگر ابھی تک خاموشی تھی
تھوڑی دیر کے بعد آخر جلال شاہ کی مہر سکوت ٹوٹی اور وہ آہستہ (اگر لکن السبع لہجہ میں) یہ
گویا ہوا۔ آپ دہلی کے رہنے والے ہیں شاہ صاحب نے جواب دیا ہاں پھر وہ یہ کہنے
لگا برسوں دن آپ ہی لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں آجاتے ہیں آپ جیسے اصحاب کی
زیارت ہو جاتی ہے ورنہ ہمارے کہاں اتنے نصیب کہ ہم دہلی اور اہل دہلی کی خوش
صحبت سے فیض یاب ہوں۔ اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایسی رطب اللسانی
کی کہ اس کے دل پر نقش ہو گیا اور اسے آپ کی باتوں میں کچھ ایسا مزا آیا اس نے فوراً
دربار برخاست کیا اور اپنے مریدوں کو ذکر[1] کرنے کے لئے اجازت دی سب اللہ
اللہ کے اپنے اپنے تمبوؤں یا مسجدوں میں چلے گئے اور اب مولانا شہید یا نوجوان

---

[1] ذکر مختلف ممالک میں مختلف طور پر کیا جاتا ہے اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ ایسا مقرر نہیں ہے جس
کی عام ذاکر پابندی کریں ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر جلی و خفی ذکر جلی سے مطلب یاد زبد خدا کی تمد کرنی یا خدا کے
پکارنے کو کہتے ہیں اور ذکر خفی خاموشی سے دل ہی دل میں مناجات پڑھنے کو کہتے ہیں نقشبندیہ ذکر خفی
کیا کرتے تھے اور قادریہ ذکر جلی اس کی مختلف صورتیں ہیں لیکن ان کا خط و خال قریباً یکساں ہے۔
مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بیش بہا کتاب قول الجمیل میں ذکر جلی کی بابت
یہ گوہر افشانی کی ہے۔
ذاکر معمولی نشست سے بیٹھ جاتا ہے اور زور سے بائیں طرف منہ پھیر کے اللہ کی آواز حلق
سے نکالتا ہے اور پھر گردن کو ڈھیلی دے کر سیدھا ہو جاتا ہے نماز کی نشست بیٹھ کے وہ اللہ آواز
میں کہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز بلند ہوتی جاتی ہے وہ آواز پہلے دائیں جانب کی طرف رخ کر

جلال شاہ تنہا رہ گئے۔ جلال شاہ نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شاہ اسمٰعیل صاحب ہیں
یہ سنتے ہی مولانا کسی قدر حیران ہوئے اور دل میں کہا اسے کیوں کر معلوم ہو گیا۔ آپ

کے نکالتا ہے اور پھر بائیں جانب سے چہرا پنے شانوں کو سمیٹ کے اسی طرح دائیں بائیں سے اللہ کا لفظ پکارتا
ہے اس کے بائیں سے دایاں رخ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسی حالت میں وہ اپنے بائیں گھٹنے کی طرف
منہ کرکے پکارتا ہے "اللہ" اس کے بعد اسی حالت میں اپنے دائیں گھٹنے کی طرف منہ کرکے پکارتا ہے اللہ اس کے بعد پھر دائیں جانب
سے پھر بائیں سے پھر سامنے سے اللہ کا نعرہ لگاتا ہے اور بہت تیزی سے ہوتا ہے نماز کی نشست یا پا منہ کی طرف کرکے آنکھیں بند کر لیتا
ہے اور کہتا ہے "لا" اس آواز سے اس کی ناف سے بائیں کندھے تک جنبش معلوم ہوتی ہے پھر وہ
کہتا ہے "الٰہ" اللہ کی آواز سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا اس نے دماغ سے نکالی ہے اور پھر وہ لا الٰہ الا اللہ
ھو کہتا ہے اور بڑے جوش سے بائیں طرف سے اس جملہ کو دہراتا ہے۔

ذکر کی یہ اسٹیج دو ضرب الضرب کہلاتی ہے الغرض یہ بار ایسی ضربیں لگائی جاتی ہیں یا ملحوظ مقامات
ہم نے بیان کئے ہیں وہ صرف آوازوں کے پست اور بلند ہونے اور جسم کو دائیں بائیں حرکت دینے پر
موقوف ہیں جو زیادہ تر مشرقی سیاحوں نے اس کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ذکر جلی اور
ذکر خفی کرتے ہوئے دیکھا ہے مفصلہ ذیل ذکر خفی ہے اپنی آنکھیں اور لب بند کرکے دل کی زبان سے
ذکر کرتا ہے اللہ سامع یعنی خدا سنتا ہے اللہ باصر (اللہ دیکھتا ہے) اللہ عالم (اللہ جانتا ہے)
یہ تینوں جملے بتدریج ترقی و تنزل کرتے ہیں یعنی پہلا جملہ تو صرف ناف سے سینہ تک کھینچا جاتا
ہے اور دوسرا سینہ سے دماغ تک اور تیسرا دماغ سے آسمانوں کے پرے تک نکل جاتا ہے
اور پھر یہ اسی طرح یہ جملے دہرائے جاتے ہیں اور نوبت بنوبت بڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں پہلے وہ
نہایت پست آواز سے کہتا ہے اللہ اور دائیں گھٹنے سے بائیں زانوں کی طرف پھر جاتا ہے اور
لیے سانس کی تصعید میں وہ لا الٰہ کہتا ہے اور دوبارہ دم چڑھاتے وقت وہ الا اللہ کہتا ہے
تیسری ضرب سب سے زیادہ ہے جو صدہا بلکہ ہزاروں بار لگائی جاتی ہے اسی لئے اس تیسری
ضرب کا لگانا قابل تحسین خیال کیا جاتا ہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی حبیب اللہ جو ضلع
گاؤں قصبہ ہمزی صدر پشاور میں رہتا تھا اس ضرب لگانے میں بہت مشہور تھا۔
ظہر کی نماز پڑھ کے ذکر کے پہلے حصہ لا الٰہ کی صعود کے وقت ضرب لگاتا تھا اور پھر ذکر کے
دوسرے حصہ الا اللہ کی ضرب عصر کی نماز پڑھنے کے وقت دم چڑھانے میں لگاتا تھا گویا یہ

رہا ہو گیا اور آپ نے جلال شاہ سے دریافت کیا اس نے مسکرا کے جواب دیا

ساڑھے تین گھنٹے حبس دم کئے ہوئے بیٹھا رہا۔ ذکر کا دوسرا ساتھی مراقبہ ہے جو مفصلہ ذیل ہے اللہ حاضری۔ اللہ شاہدی۔ اللہ معی ان الفاظ کو دل میں یا آواز سے دہرا کے ذاکر پھر قرآنی آیتوں کی طرف رجوع ہوتا ہے جس کا بیان مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے کیا ہے (مگر یہ بیان خاندان قادریہ تک محدود ہے) تو آیتیں وہ قرآن کی پڑھتے ہیں ان سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ وحدت پرستی میں یہ لوگ کیسے ڈوبے ہوئے ہیں وہ آیتیں یہ ہیں: وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے (سورہ حدید) وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو (سورہ حدید) ہم اس کی رگ شہ رگ سے بھی اس کے پاس ہیں (سورہ قاف) جس طرف تم اپنا منہ پھیرو وہاں خدا کا منہ ہے (سورہ بقر) خدا سب چیز دنیا پر محیط ہے (سورہ نسا) جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا۔ مگر تیرے رب کا چہرہ جاہ و جلال اور بزرگی کے ساتھ تا ابد رہیگا (سورہ رحمن) صوفی اپنے مریدوں کو کہا کرتے ہیں کہ دل کے دروازے میں ایک جسمانی ایک روحانی ذکر جلی سابق الذکر دروازہ کو مستحکم کرتا ہے۔ تاکہ اس سے موخرالذکر دروازہ کھل سکے اور ذکر خفی دوسرے دروازہ میں داخل کر دیتا ہے اور پھر دونوں دروازے تابناک ہو جاتے ہیں۔

ذکر کیا ہے صوفیوں کے مذہب میں دل اور زبان کا خدا کی یاد میں ملا دینا ہے تاکہ پھر فرق نہ رہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ دل اور زبان دو چیزیں ہیں اول ہی بار شیخ اپنے دل میں یہ پھیرتا ہے کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ اور محمدؐ اس کا برحق نبی ہے مرید اپنے شیخ کے مقابلہ میں بیٹھا رہتا ہے اس کی آنکھیں اپنے شیخ پر ہوتی ہیں وہ پہچان جاتا ہے کہ شیخ اپنے دل میں یہ پھیر رہا ہے پھر مرید اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور بہت مضبوطی سے اپنا منہ بھینچ لیتا ہے اوپر اور نیچے کے دانت بہت زور سے بند کر لیتا ہے اور اپنی زبان تالو سے لگا لیتا ہے پھر اپنا سانس ٹھہرا لیتا ہے۔ پھر بڑی قوت سے شیخ کے ذکر میں ہمراہی کرتا ہے اور اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے ذکر کرتا ہے پھر وہ آہستہ سانس لیتا ہے اور کم سے کم ایک سانس میں تین بار مذکورہ بالا کلمہ کو دہراتا ہے۔ اور آخر نوبت بنوبت اپنے دل کو اس قابل بنا لیتا ہے کہ اس پر ذکر کے نقوش ہو جائیں ذکر کی مداومت خدا کی باجاہ و جلال ذات کا کامل علم دیتی ہے۔ اور اس کی پرنور ذات کی تابانی صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور جب اس کی مشق بڑھ جاتی ہے تو جلوت میں بھی ذاکر کی وہی کیفیت رہتی ہے جو خلوت میں تھی

پہلے آپ یہ تو فرمائیے کہ آپ اسمٰعیل ہیں بھی یا نہیں مولانا شہید نے اقرار کیا پھر

دوسرا اس کو ذکر کامل کہتے ہیں اگر ذاکر خلوت کو خلوت بنا سکے تو اسے نہایت کوشش کرنی چاہیے
تاکہ ذاکر کامل بن سکے دل انسانی ترکیب کا سب سے نازک حصہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس
سے دنیاوی خواہشات کے نقوش دور رکھیں اس منزل تک پہنچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے
سانس کے سینے کی مشق بڑھائیں اور اپنے منہ کو بہت مضبوطی سے بند کریں کہ زبان لبوں سے آشنا
نہ ہو سکے دیبیر شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں دل کی صورت آگ کے درخت کی مخروطی
شکل سے بہت مشابہ ہے جب تم منہ سے ذکر کرو گے تو تمہارے استغراق کا سب بڑا دباؤ
پڑے گا جب اس کے دباؤ کا پورا اثر ہوگا تو تمام دنیاوی سامان خیال سے محو ہو جائیں گے۔

اور پھر زبان حال یہ گویا ہوگی سے شعر آنچہ در دنیاست بر آواز کان آمدہ ام۔
خاطر جمع ست در زیر خاک سامان ما۔

جب یہ حالت ہوگی پھر دوئی چیزیں ذکر کرتے وقت تمہارا ہاتھ نہ بٹائے گی اور پھر تم توحید
کی حقیقت سمجھ جاؤ گے مخروطی شکل کا دل بائیں جانب آرام کرتا ہے جس میں انسانی نیکیاں
بھری پڑی ہیں تمام انسانی جوہر اس میں مضمر ہیں یہ خدا کی تجلیات کا بازگشت ہے خدا کی کتاب
سے رموز کا مفہوم اس میں سے چھنتا ہے اور اس میں رہتا ہے یہ ایک آئینہ ہے جس میں
انسان اپنی مرقع برزگی اور پریشان ملکیت ملاحظہ کر سکتا ہے جب ذاکر قلب کی ان گوناگوں
صفات سے پورا آگاہ ہو جاوے گا اس وقت ترک دنیا کے معنی اسے معلوم ہوں گے اور اس
کے اصل مفہوم سے آگاہ ہوگا وہ حقیقت ذکر ہے اور ذکر کے حقیقی مفہوم کو بھی اسی حالت
میں سمجھ سکتا ہے۔ خاندان چشتیہ ذکر کی نئی صورت قائم کرکے اس میں فوق الفطرۃ صفت کی
رنگ آمیزی بھی کرتا ہے عام ذکر خدا کے ایک سو ناموں کا ہے جس کی نسبت نبی اکرم نے یقین
دلایا ہے کہ اگر کوئی ان مقدس ناموں کا ذکر کرتا رہے گا تو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ (مشکوٰۃ)
ذاکر ایسا کم سو ناموں کے پڑھنے کے لئے تسبیح کا استعمال کرتا ہے جو مشرقی دنیا میں عام طور پر
لوگوں سے ہاتھوں تک دکھائی دیتی ہے ذکر کی بابت تو کچھ ابھی بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ تین
اور بھی بیان کئے جاتے ہیں وہ تین یہ ہیں۔ تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر۔ تسبیح کا مفہوم خدا کی پاکی بیان

اس بالباز نوجوان نے ساری کیفیت بیان کی کہ میرے پاس کئی بار آپ کی تصویریں اور حلیئے لکھ کے لوگوں نے بھیجے اور استدعا کی کہ کوئی تدبیر ایسی ہو اسمٰعیل کو شکست فاش ملے مگر میں کہتا ہوں۔ مولوی صاحب میرا مذہب نہیں کہ میں کسی کو ایذا دوں میں

کرنے کا ہے۔ جہاں یہ کہا جاتا ہے سبحان اللہ پاکی خدا کے لئے ہو تحمید خدا کی حمد کرنا ہے مثلاً یہ کہا جاتا ہے الحمد للہ تعریف اللہ کے لئے ہے تکبیر خدا کی بزرگی ظاہر کرتی ہے مثلاً اللہ اکبر خدا بزرگ ہے اور جب تسبیح اور تحمید ملا کے دہرائی جاتی ہے اس وقت کہا جاتا ہے سبحان اللہ وبحمدہ اس کا حدیث میں ذکر ہے چنانچہ نبی اکرم نے فرمایا ہے جو شخص اس جملہ کو صبح و شام سو سو بار پڑھے گا اس کے کل گناہ بخشے جائیں گے نیز نبی اکرم نے فرمایا سو بار اس تسبیح کا ذکر کرو خدا ہزار نیکیاں تمہارے نام اپنے دفتر میں درج کرے گا یعنی ایک بار کہنے کے عوض دس نیکیاں ملیں گی۔

یہ دلچسپ بیان کرنے کی بابت ڈچ یوحینت شالی لس نے اپنی کتاب و حالات ترکستان میں تحریر کیا ہے جس کا یہاں درج کرنا ہمارے ناظر کتاب کی دلچسپی کا باعث ہو گا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

جمعرات کی شب کو قریب آٹھ بجے میں اپنے چند دوستوں کی ہمراہی میں ایک مسجد میں گیا اور ہم سب ایک ہی دفعہ اس مسجد میں جا پہنچے ہم نے دیکھا کہ تیس آدمی جوان بوڑھے قبلہ رو دوزانو بیٹھے ہوئے زور زور کی آواز میں ذکر کر رہے ہیں ان کے اجسام بڑی تیزی سے حرکت کرتے تھے ہیں ان کے گرد کئی آدمی حلقہ کئے تھے جو اسی طرح سے باآواز بلند ذکر کرتے اور اپنے اجسام کو حرکت دیتے جاتے تھے سب ہم ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے اور بہت غور سے ان کی کارروائی دیکھتے رہے ذاکروں میں کئی آدمیوں نے اپنے اوپر کے کپڑے اور عمامے اتار دیئے کیوں کہ وہ شب گرم بہت تھی وہ لوگ نہایت سرگرمی سے یہ نعرے کہہ رہے تھے میری پناہ خدا ہی کے پاس ہے خدا ہی کی ذات قابل بزرگی ہے میرا نور محمد خدا اس پر اپنی برکتیں نازل کرے سوا اس کے اور کوئی خدا نہیں یہ الفاظ آہستگی میں نصف موسیقی خیز لہجہ میں دہرائے جاتے تھے لیکن اس وقت سر کو بہت زور و شور سے جنبش ہو رہی تھی پہلے وہ اپنے سر کو بائیں کندھے کی طرف پھیر لیتے تھے اور پھر دائیں جانب اور بعد ازاں زور سے دل کی طرف جھکا دیتے تھے یہی الفاظ کئی سو بار دہرائے گئے اور ذکر دو گھنٹے تک جاری رہا تھا۔

نے ان خطوط کی پروا نہیں کی۔ ساتھ ہی مجھے ایک علم بھی آتا تھا یعنی میں نے مشق بڑھا

ذاکروں کی آواز دھیمی نکلتی تھی اور رفتہ رفتہ وہ بڑی ہو جاتی تھی یہاں تک کہ پوری تیزی پر آجاتی تھی اور پھر ذاکر تھک جاتے تھے اگر ذاکروں میں سے کوئی شخص ذکر میں ذرا بھی کمی کرتا تھا مثلاً اس نے آواز قاعدہ کے موافق سب کے برابر نہ نکالی یا اپنے جسم کو تیزی کے ساتھ جنبش نہ دی یا بہ نسبت اور ذاکروں کے کسی بات میں بھی ذرا کمی کی۔ ذاکروں کے دائرہ کے منتظم نے پہلے تو اس غافل کے سر پر ایک چوٹ لگائی اس چوٹ کھانے پر یا تو ہوشیار ہو گیا اور [illegible] اس پر بھی وہ غافل رہا تو تھوڑی دیر کے بعد اس کو دائرہ سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر فوراً دوسرے کو اس کی جگہ بلا لیتے ہیں۔

ذکر رفتہ رفتہ اس قدر شور مچاتے ہیں اور اتنا چیخ چیخ کے رہتے ہیں کہ آخر کار [illegible] نہیں تھوڑی دیر کے لئے دم لینا پڑتا ہے اور ان کی جگہ فوراً دوسرے ذاکر آجاتے ہیں پہلے ایک شخص دھیمی اور پست آواز سے کہتا ہے وہ زندہ ہے وہ زندہ ہے یک بیک یہ آواز بڑھتی جاتی ہے [illegible] سب ساتھ مل کے غل مچاتے ہیں وہ زندہ ہے یہ کہتے وقت اپنے جسم کو جھکا دیتے ہیں اور ان کے ماتھے زمین پر پہنچ جاتے ہیں [illegible] حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر ہوتا ہے اور یوں دائرہ میں ہو کے وہ سب مسجد کا طواف کرتے ہیں ہر بار جھکتے جاتے ہیں اور بآواز بلند کہتے ہیں اللہ زندہ ہے [illegible] وجد کی حالت میں اور ان کی صورت، مستغرق یا ستحل میں ایک اور بھی خوفناک نظارہ دیکھنے میں آیا ہے جو انتہا درجہ مہیب تھا کہ اہل علم تو کبھی اس کے دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتا میرے چند ساتھیوں نے مجبور کیا جس یہاں سے بہت جلدی چلو ہم سے تو وحشیانہ صورت دیکھی [illegible] نہیں جاتی کہ میں ایسا سنسان تھا یہ مضحکہ خیز اور زیادہ تر وحشی نظارہ دلچسپی سے دیکھ سکتا تھا۔ ان سے زیادہ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ ذاکروں کی حرکتوں سے پورا جنون برستا تھا اور جتنی باتیں وہ کر رہے تھے جان بوجھ کر نکالتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ بڑی وحشت کو عجیب ترقی دیں ہر ذاکر جس وقت خوفناکی سے غل مچاتا تھا۔ چند منٹ پر یا تو ایک طرف ہاتھ رکھ کے غل مچاتا تھا تو ان کا یہ غل مچانا محض بے معنی تھا کوئی لفظ تیز آواز میں ایسا نہ پکارتے تھے جو کچھ بھی معنی رکھتا ہو۔ ان کی آوازیں صرف یہ ہوتی تھیں ہی ہو ہو اوخ اوخ ہا ہا غل مچاتے مچاتے اپنا سینہ پیٹنے لگتے تھے اور پھر باآواز بلند روتے تھے یہ ناچنے والے مصر قسطنطنیہ اور قاہرہ میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور

کے اپنی آنکھوں میں ایسی کشش مقناطیسی پیدا کر لی ہے کہ میں اپنے سے کمزور

یورپین سیاحوں سے کچھ ایسی مناسبت ہو گئی ہے ادھر انہوں نے دیکھا اور اپنے پاس بلوا لیا فقط
یہ جتنی باتیں ہیں سب بے بنیاد اور خلاف اسلام ہیں نہیں دین کی باتوں میں ضرور نبی اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کا تتبع بنا چاہیے کسی تواریخ اور کسی حدیث میں یہ نہیں پایا جاتا کہ نبی اکرم نے
یہ سوانگ کیا ہو اور حلقہ باندھ کے یہ غل مچا مچا کے عبادت کی ہو قرآن مجید میں تو اس کا کہیں
اشارہ بھی نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم خواہ مخواہ کھینچ تان کے قرآن کی کسی آیت یا لفظ
سے اپنے موافق مطلب نکال لیں۔ لیکن ان کی سند کہاں سے آئے گی۔ پہلی صدی کے اختتام
پر دین اسحق اور اس سے پہلے زہری نے جو تواریخ لکھیں اور نبی اکرم کے سوانح عمری اسلامی
دنیا میں گردش لگا لگا کے اور ہر صحابی سے یا تابعی سے جو اس وقت زندہ تھا۔ دریافت کر کر کے
قلم بند کیں۔ پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ قرآنی آیت کے گھڑے ہوئے معنی کے آگے ہم تواریخ
یا احادیث کو خارج کر دیں گے۔ اسلام میں تو یہاں تک ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص
کو جو کعبہ میں بیٹھا وظیفہ میں مستغرق تھا جھڑکی دی تھی اور فرمایا تھا تیرے بھائی تو لوٹا تیوں سے
اپنے بھائی مومن کی خون بہا طلب کرنے شمشیر بدست گئے ہیں اور تو آرام وظیفہ پڑھ رہا تھا
یہ ساری باتیں نہایت ہی مبتذل صورت کی ہیں۔

خدا شاہد ہے اس کا دین ان ساری باتوں سے بالکل پاک ہے اس نے کبھی وحشیانہ
طور پر غل مچانے اور دائرہ کر کے تھئیٹر بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اس شور و غل، اس
تکلیف اور اس آفت خیز زہرہ پھاڑنے، بار بار زمین پر جھکنے کندھے پہ ہاتھ رکھنے ایک
طرف منہ پہ ہاتھ رکھ کے بے انتہا غل مچانے پھر پسینہ پسینہ ہو کے آرام لینے کے لئے
ٹھہر جانے سے سوائے توہین اسلام کے اور کیا ہوتا ہے مولانا شہید کو یہ نظارہ جو
طبیعت میں کھٹکا تھا وہ یہی تھا جو غیر مذہب والوں کے دل میں مذہب اسلام کی
حقارت کا موجب ہو سکتا ہے ۱۲ منہ

پر غالب آسکتا ہوں آج تک میں نے سوائے اپنے بھانجے کے دوسرے شخص پر اسی لئے عمل نہیں کیا۔ مبادا اسے کوئی گزند پہنچے اور میں عذاب سخت میں پکڑا جاؤں گا۔ یہ سن کے شاہ اسمٰعیل صاحب آنکھوں سے آنسو بھر لائے اور کہا افسوس ہے ایسا خدا ترس شخص دوسروں کی ایذا کا تو پاس رکھے اور اپنے نفس کی تکلیف کا ذرا بھی خیال نہ ہو مولنا شہید نے پھر اس کے آگے اسلام پر وعظ فرمانا شروع کیا۔ اور جن غلطیوں میں وہ مبتلا تھا اسے خوب سمجھایا قرآن و حدیث کے منشا کو سمجھایا اور اسے بتایا کہ نظرۃ اللہ مقصود کیا ہے۔ نبی نے ہمیں کون سی راہ بتائی ہے اور ہم کون سی چل رہے ہیں جلال شاہ کی طبیعت پہلے ہی صلاحیت مآب تھی وہ بہت بڑا رقیق القلب اور خدا ترس تھا شاہ صاحب کا بیان سن کے کانپ گیا اور رقصہ لیا بہت جھرجھری آئی اور میں یہ کہا جو کچھ آپ نے ارشاد کیا سب بجا و درست ہے حقیقت میں اب تک جو کچھ میں نے کیا ہے دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں نے قبور کی زیارت کے لئے سفر کئے۔ پھولوں کی چادریں قبروں پر چڑھائیں قبروں پر چڑھاوا الطیب مال سمجھ کے لیا غرض جتنی باتیں شرک اور بدعت کی ہو سکیں۔ سب ہی خوب عقیدت مندانہ وضع میں کیں اور حق یہ ہے کہ اب تک میں ان باتوں کو اصل اسلام جانتا تھا۔ شاہ صاحب میری پرورش ہی ایسے لوگوں میں ہوئی ہے۔ میں نے سوائے ان باتوں کے دوسری بات نہیں سنی اور ہمیشہ اسی کو برحق جانا لیکن اب مجھے زاری کرنا چاہئے کیونکہ میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا جواب وہ تو میں خدا کے آگے ہو جاؤں گا مگر جب مجھ سے یہ سوال کیا جائے گا۔ جلال شاہ تیری وجہ سے اتنے آدمی بہکے

اس کا جواب میں کیا دوں گا۔

یہ کہتا جاتا تھا اور بے اختیار روتا جاتا تھا۔ مگر مولانا شہید کی جادو بھری تقریر اسے تسکین بخشنے کے لئے کافی تھی آپ نے توبہ کے مدارج اور پاک دل توبہ کی بزرگی بیان فرمائی اور کہا اگر تو توبہ کرے! تو آ ہم دونوں خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کریں۔ شاید وہ تیرے پہلے گناہ بخش دے یہ وقت جیسا کہ تذکرہ مشاہیر دہلی والا لکھتا ہے دو بجے کا تھا عالم میں سنسانی اپنا زور دکھا رہی تھی ذاکر کبھی کے ذکر کرتے کرتے سو گئے تھے سوائے چوکیداروں کی "جاگو' جاگو" کی آوازیں اور کوتوال کے گھوڑے کی ٹاپوں کی صداؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا نیلی چھت پر تارے چمک رہے تھے جو پاک فرشتوں کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں گویا اہل زمین کو یقین دلا رہے تھے کہ اس خاموش خنک شب میں اپنے خداوند حقیقی سے دعا کرے گا اس کی دعا مقبول ہوگی ایسے پاک اور سہاونے وقت میں مولانا شہید اور جلال شاہ نے مل کے دعا کی یہ وہ دعا تھی جس پر یہ صادق آتا تھا اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید دونو پاک باز مسلمانوں کی دعا قبول ہوئی اور ایک گرجتی ہوئی مگر تسکین بخش آواز آسمان سے یہ سنائی دی۔

اے جلال شاہ تیرے گناہ ہم نے معاف کئے اور آج سے تو ہمارے دوستوں میں شمار ہوا یہ آواز سنتے ہی دونوں بے ہوش ہو گئے اور پھر گھنٹہ بھر تک ہوش نہ آیا جب ہوش میں آئے تو جلال شاہ نے اپنا دل ربانی جلووں سے بھرا ہوا دیکھا اور اب وہ اسلام کے سچے پیروان میں ہو گیا یہ بے نظیر مقبولیت اور یوں آسمانی آواز کا آنا گو ایک فلسفی کے دماغ کو خلجان میں مبتلا کر دیگا

لیکن جب وہ دل یاد رو قوت یقین کی پر نور حالت کو دیکھے گا تو اپنے ذہن میں اندازہ کرنے سے یہ بات اسے سمجھ میں آجائے گی کہ جب انسانی قلب تمام دنیاوی تعلقات سے پاک اور صاف ہو کے اپنے گزشتہ گناہوں کی ناپاکی سے توبہ کرے گا۔ خود اس کا دل بہت زور سے آواز دے گا کہ خداوند حقیقی کی درگاہ میں تیرے سب گناہ معاف ہوئے اور وہ آواز ایسی مغلق اور باریک ہو گی کہ وہ اس کے راز سے واقف نہ ہو کے خدا کی آواز سنے گا اور حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر پاک دل میں بولتا ہے جب اس بات کا یقین کر لیا گیا کہ دل گزرگاہ جلیل اکبر ہے پھر اسے یقین کرنے میں کوئی بات شبہ پیدا کر سکتی ہے کہ دل کی آواز خدا کی آواز نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا شہید نے جلال شاہ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی اور جب تک فجر کی نماز کا وقت نہ ہوا آپ سجدہ میں پڑے رہے اور خدا کی پاکی زبان دل سے بیان فرماتے رہے۔

جلال شاہ کا راہ راست پر آنا صوفیوں کے حلقہ میں زبردست تہلکہ کا باعث ہوا اور آخر کار جتنے اس کے مرید تھے سب نے جلال شاہ کے کہنے پر توبہ استغفار لی یہ بے نظیر کامیابیاں تھیں جو وقتاً فوقتاً مولانا شہید کو خدا کی تائید سے حاصل ہو جاتی تھیں اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے معمولی الفاظ حد سے زیادہ پر تاثیر تھے جن سے جلال شاہ گرویدہ ہو گیا ہنوز ایسے بھی سخت آدمی موجود تھے جو برابر مخالفت پر تلے ہوئے تھے مگر یہ خوب سمجھنا چاہئے انکی مخالفت صرف ضد سے تھی وہ خود جانتے تھے کہ ہم حق پر نہیں ہیں ہماسے اس دعوے کے ثبوت میں صرف

اسی قدر کافی ہے کہ مولوی حاجی قاسم امام عید گاہ دہلی یہ کہا کرتا تھا بلکہ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اسمٰعیل جس چیز کو حلال کہے گا۔ میں حرام سمجھوں گا ان باتوں سے ہر عاقل وذی شعور اس لاانتہا ضد کا اندازہ کر سکتا ہے جو بعض اکابر دہلی مولانا شہید سے کرتے تھے اس کے مقابل میں اگر مولانا شہید کو دیکھا جائے کہ ان کا برتاؤ اپنے ایسے تلخ ترو دشمنوں اور ضدی مخالفوں سے کیسا تھا تو ناظر سخت متعجب ہو کے اس والاشان ذات کی بزرگی کا اندازہ کرے گا جو فطرت نے مولانا شہید کے لئے خاص کر دی تھی عید کے دن جب آپ عید گاہ نماز پڑھنے جانے لگے لوگوں نے آپ سے کہا حاجی قاسم بڑا بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز نہیں خیال فرماتے آپ نے ارشاد کیا جماعت میں تفرقہ ڈالنے والوں پر لعنت آئی ہے ہم تفرقہ مسلین کے باعث نہ ہوں گے مولوی قاسم بھی ہمارے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں وہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں اپنے عقیدے سے نہیں کہتے۔

مولانا شہید کی اس اسپرٹ نے آپ میں یہ تاثیر دیدی تھی آپ کا کلام جیسا فصیح ہوتا تھا اسی قدر پر درد اور پر تاثیر ہوتا تھا آپ اسلام کے سچے متبع تھے اور ہر مومن کو یہی چاہئے آپ کے ہر کام میں بے شمار اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور افعال مدنظر رہتے تھے جہاں تک ہمیں اطلاع ملی ہے مولانا شہید دین کے معاملہ میں ہرگز نفسانیت کو کام نہ فرماتے تھے گو ہم یہ قبول کرتے ہیں کہ فرائض دین کی انجام دہی میں بعض وقت سخت بے تاب ہو جاتے تھے اور جو شخص مخالفت کرتا تھا اس کے لئے تیغ تیز کا حکم رکھتے تھے آپ کی اصلاح عام

تھی نہ امرا کی قید تھی نہ عوام الناس کی نہ شرفا کی نہ رذیلوں کی نہ وضع داروں کی نہ
بدوضع لوگوں کی اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ انسانی ارذل گروہ میں بھی جن کی طبائع
میں صلاحیت کا بیج من کے شنیعہ افعال سے مارا جا چکتا ہے آپ کا پرتاثیر وعظ
وقتاً فوقتاً اپنا جلوہ دکھا دیتا تھا اور ایسے گمراہ لوگوں کی لوح دل کا مدت کا چڑھا
ہوا زنگ مٹا دیتا تھا ایک دلچسپ واقعہ ہمارے ہمعصر مورخ نے بیان کیا ہے جس
کو ہم یہاں درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے مولوی صاحب ممدوح (مراد مولانا شہید سے ہے) جامع
مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑی بازار میں کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اس وقت
ایک ہیجڑے کے نصیب جو چمکے وہ بھی مہندی لگائے ہوئے اور ہاتھوں میں
چوڑیاں اور پاؤں میں چھڑے اور سہانہ جوڑا پہنے ہوئے بغرض تفنن طبع مولوی
صاحب کے روبرو آ کھڑا ہوا اور وعظ سننے لگا جب اس کے دل پر کچھ اثر
ہوا تو سعادت محویت میں آپ کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ آپ بھی اس کے
رنگ ڈھنگ کو دیکھ کے اسکی طرف متوجہ ہو گئے اس وقت آپ نے اس کی زنانی
ہیئت کی برائی اور مواخذہ الٰہی اور عذاب آخرت کا اس زور شور سے بیان کیا
کہ ہیجڑے نے وہیں بیٹھے بیٹھے چوڑیاں توڑ ڈالیں اور اپنا کل زیور اتار ڈالا اور ہاتھ
پاؤں سے مہندی کا رنگ چھڑانے کے لئے سیڑھیوں کے پتھروں پر انہیں اس
قدر رگڑا کہ تلوے خون آلود ہو گئے بعد اختتام وعظ کے تائب ہو کے آپ کے غلاموں
میں داخل ہو گیا اور آپ کی ہمرکابی میں خراسان وغیرہ کا سفر کیا یہ تعجب سے دیکھا
جاتا ہے کہ وعظ کی بے نظیر تاثیر نے دلی کے مخنث کو ایسا جا بار بنایا کہ اس نے میدان

کارزار میں سکھوں کے مقابلہ میں خوب داد مردانگی دی۔ یہ باتیں زیادہ توجہ اور غور کی محتاج ہیں جس شخص کے وعظ میں یہ تاثیر ہو اس سے ناظر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا صرف خدا کے لئے لئے نہ اپنی ناموری مطلوب تھی نہ حصول زر مد عا تھا نہ کسی کی ضد سے یہ کام کیا جاتا تھا نہ عداوت سے ؛

چھٹا باب

سکھوں کا مذہب اور اس کا بانی۔ سکھوں اور مسلمانوں کا اخلاقی اور ملکی برتاؤ

مولانا شہید کا سفرِ پنجاب

تھوڑی دیر کے لئے ہم مولانا شہید کو دہلی میں وعظ فرمانے اور سکھوں کے ناقابل رحم مظالم کی وقتاً فوقتاً افواہیں سننے اور ان پر غور کرنا چھوڑتے ہیں اور پہلے سکھوں اور مسلمانوں کے ابتدائی وسطی اور موجودہ اور آخری انیسویں صدی کے برتاؤ کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔ کیوں کہ آئندہ ہمیں محمدیوں اور سکھوں کے باہمی مجادلہ اور مقاتلہ کی نسبت جس کا سب سے زیادہ پارٹ میدان کارزار میں ایکٹ کرنے کو مولانا شہید نے پسند فرمایا تھا اور آپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ سکھوں سے دو دو ہاتھ کرنے میں صرف کر دیا تھا بہت کچھ لکھنا ہے ناظران خونی اور رفانی واقعات سے ہرگز دلچسپی نہیں لے سکتا جب تک اسے سکھوں اور مسلمانوں کے اس باہمی تعلق اور برتاؤ کا حال پورا نہ معلوم ہو جو وہ نوکروہ ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے تھے اسی نظر سے میں نے اپنے باب کا ایک بڑا حصہ اسی پر قربان کر دیا ہے یہ بیان گویا ایک دروازہ ہوگا جس سے ہم آسانی سے محمدیوں اور سکھوں کے جدال و قتال کے میدان میں داخل ہوکے موازنہ قائم کر سکیں گے کہ حق پر کون اور مظلوم کون ہے اور کس طرف سے محبت اور کس کی جانب سے عداوت کی بوچھاڑ رہی سکھ مذہب جس نے خدا پرستی اور نیکی سے

سیا بیانہ وضع میں اسوقت اپنا جلوہ دکھایا ہے ابتدائے پیدائش میں ایک بے گناہ مت تھا اس کا بانی گرو نانک ہوا ہے جو قصبہ تلونڈی میں (جسے اب ننکانہ کہتے ہیں) دریائے راوی کے کنارے پہ لاہور کے قریب ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا تھا آدی گرنتھ میں جو سکھوں کے ہاں کی ایک مقدس کتاب ہے صاف طور پر یہ شہادت ملتی ہے کہ سکھوں کے مذہب میں مسلمانوں کے تصوف کے اجزا بہت کشادگی سے پائے جاتے ہیں گویا یہ کتاب اس روحانی میل جول اور نزدیک تر رشتہ کا اظہار جو سکھ مذہب اور اسلام میں ہے۔

ساکھی میں گرو نانک کی نسبت مفصلہ ذیل بیان لکھا ہوا ہے۔

نانک پیدائشی ہندو اور ویدی کھتری مذہب کا تھا اس کا باپ ننکانہ کا جو لاہور کے پڑوس میں واقع ہے پٹواری تھا نانک کو ہوش سنبھالتے ہی فقیروں کی صحبت کی جستجو ہوئی اور وہ تنگی ترشی اور عموماً خیرات پر اپنی زندگی ان میں بسر کرنے لگا پندرہ برس کی عمر میں اس نے اس روپیہ کو خورد برد کر لیا جو اس کے باپ نے اسے تجارت کے لئے دیا تھا اس نظر سے نانک کے والدین نے اسے اس کے کسی رشتہ دار کے ہاں سلطان پور بھجوا دیا تا کہ وہ اسے روکے اور فقراء کے گروہ میں نہ ملنے دے اور فقیروں کی محبت اس کے دل سے نسیاً منسیاً کر دے نانک کا پہلا کام اپنے نئے گھر میں نواب کی ملازمت کرنے کا تھا وہ دولت خاں لودی کی ملازمت میں داخل ہوا جو کچھ اسے ماہانہ ملتا تھا سوائے قلیل مقدار کے سب فقیروں کو دیدیا کرتا اور اس قلیل مقدار سے بہ تنگی اپنی گزر کرتا بعض وقت اس کے دل میں خوشی کا چشمہ ایسا از خود ابلتا اور اسکو اتنی بلندی حاصل ہوتی کہ نانک اپنی اس حالت کو خدا کیطرف

سے سمجھ کے یہ خیال کرتا ہوں القائے ربّانی کی بازگشت بن رہا ہوں سکھوں کی مذہبی
روایات کے بموجب نانک ایک دن منہ ہاتھ دھونے دریا کے کنارہ پر گیا اور وہ اپنے
فرائض عبادت کی انجام دہی کر رہا تھا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ بہشت میں معہ جسم پہنچا دیا گیا پھر
خدا کے حکم سے اسے امرتا (آبحیات) کا جام پلایا گیا اور خدا نے فرمایا یہ جام ہمارے نام
کا ہے تو اسے پی لے اس پر گرونانک نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جام امرتا پی لیا خدا نے
شفقت فرمائی اور یہ ارشاد کیا نانک! میں تیرے ساتھ ہوں میں نے تجھے خوشی بخشی
ہے جو تیرا نام لے گا اسے بھی خوشی دینے کا میرا ذمہ ہے تو جا میرے نام کی سمرن جپ
اور دوسروں سے میرے نام کی سمرن جپوا جا اور دنیا سے محض بے علاقہ اپنی زندگی بسر کر
میرے نام پر خیرات دے عبادت کر اور میری اطاعت کر اور مجھے یاد رکھ میں نے
تجھے اپنا نام دیا ہے تو اس نام کو کر۔ جونہی نانک نے بہشت بریں سے دریا کے
کنارہ پر قدم رکھا اس کی زبان سے یہ فقرہ صادر ہوا نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان ہے۔
پھر جنم ساکھی والا لکھتا ہے۔

لوگ دولت خاں لودھی کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور کہا بابا نانک یہ
کہہ رہا ہے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے دولت خاں نے جواب دیا اسکی تو بیتی کا کچھ
خیال نہ کرو وہ فقیر آدمی ہے ایک قاضی خاں مذکور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا
خانصاحب بڑے تعجب کی بات ہے بابا نانک کہتا ہے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے
خان نے اپنے حاضر باش کو بھیجا کہ بابا نانک کو بلا لاوے حاضر باش جب بابا نانک
کے پاس پہنچا اور خان کا بلاوا سنایا وہ سنتے ہی یہ کہنے لگا مجھے تیرے خان سے
واسطہ ہی کیا ہے۔ حاضر باش نے کہا یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔

یہ سُن کے نانک نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور جب حاضرباش نے اور کچھ کہا تو اس نے
اپنے سابق کے جملہ کو دہرایا کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے۔ پھر قاضی نے خان سے
کہا "اے خان کیا یہ صحیح ہے کہ وہ یہ کہتے جاتے ہیں "نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے"
خان نے اپنے حاضرباش سے کہا اسے جیسے بنے یہاں بلا لاؤ۔ حاضرباش پھر نانک
کے پاس گیا۔ اور کہا خان آپ کو بلاتے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں برائے خدا آپ اپنی
زیارت سے مجھے فیضیاب کیجئے۔ یہ سُن کے گرو نانک نے کہا "میرا آقا مجھے بلاتا
ہے اب میں چلتا ہوں اور اس کی خدمت کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے اپنی
جریب گردن پر رکھی اور خان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خان نے صورت دیکھتے ہی کہا
"خدا کیلئے نانک اپنی گردن سے اس جریب کے حلقہ کو نکال لے اور کمر میں لپیٹ لے
تو ایک فقیر ہے" یہ سنتے ہی گرو نانک نے اپنی گردن میں سے حلقہ کی ہوئی جریب
نکال لی اور اپنی کمر پر اسے حلقہ کر لیا۔ خان نے کہا "اے نانک یہ میری بدقسمتی
ہے کہ میرا مودی فقیر ہو گیا" پھر خان نے گرو نانک کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا
"قاضی اگر تو کوئی بات دریافت کرنا چاہتا ہے تو دریافت کر لے ورنہ پھر یہ ایک
لفظ بھی زبان سے نہ نکالے گا" قاضی نے تحکمانہ طور پر مسکرا کے کہا "نانک کہے

ف ۱۔ گورو کو دیکھ کے ناظر مسلمانوں کی اندرونی حالت سمجھ گئے اور اہل ہنود کے ساتھ صحبت ... اور
حق کی طرف ... کرنے کا ... پیدا ہو گیا۔ ... ہندو مورخوں نے جو یک طرفہ ... ان کو
... فدا ... اپنے ... کے مقابلہ میں ...
... اس کی ہر ہر بات کو حق سمجھ ... ہنود ... ہو گا اور سکھوں کے ...
... کا ... ہے خان نے ان کے گرد ... تعظیم کی اور ان کے ...
... ادب ... اور ... سکھ مسلمانوں سے ... تعصب ... مترجم

سے تیرا کیا مطلب ہے کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان ہے" نانک نے جواب دیا۔ جلکوئی
مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی مشکل ہے کہ اسے اس وقت مسلمان کہہ سکیں سب
پہلے وہ اپنا مذہب ایسا شیریں بناتا ہے تاکہ اس سے مسلمان کی دولت کا صفایا
ہو جائے اور جب وہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کا مذہب اس طرح اسے موت اور زندگی
کے بھنور میں پھنسا کے اختتام پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ سنتے ہی قاضی سخت متعجب
ہوا۔ خان نے نانک کے اس جواب پر کہا۔ قاضی نانک کے قول میں بظاہر کوئی
غلطی نہیں معلوم ہوتی۔ اس اثناء میں ظہر کا وقت آگیا سب مسجد میں نماز پڑھنے
گئے نانک بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ نانک نے پھر اپنی فوق الفطرۃ قوت سے قاضی
کے خیالات کے اندازہ کرنے میں استدلال کیا۔ پھر قاضی آیا اور پیروں کے بل گر پڑا
اور اس نے یہ کہا۔ "تعجب تعجب خدا کی مہربانی ہے" اب قاضی کو یقین آیا اور نانک
نے ان پر جملہ کہا۔ سچا مسلمان اپنے کو پاک اور بے لوث بناتا ہے۔ امین رست
بازی صبر اور صداقت قوی ہوتی ہے۔ جو کچھ قائم ہے اس میں کسی کو علت
نہیں پہنچاتا۔ اور جو کچھ مردہ ہے اس کو نہیں کھاتا۔ اے نانک ایسا ہی مسلمان سیدھا
جنت میں جاتا ہے۔ جب نانک نے یہ فقرے ابیات میں پڑھے سید شیخ
کے لڑکے قاضی مفتی خان سخت متحیر ہوئے۔ خان نے بعد ازاں کہا "قاضی!
نانک نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔ اب اس سے زائد سوال کرنا غلطی ہے جس طرف
بابا نانک نے دیکھا جماعت کی جماعت نے اسے جھک کے سلام کیا۔ اس کے بعد
بابا نانک نے پھر چند ابیات پڑھیں۔ یہ سنتے ہی خان آیا اور بابا نانک کے قدموں
پر گر پڑا۔ اس وقت جتنے ہندو مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

بابا نانک میں خدا بول رہا ہے (از نسخہ انڈیا آفس ۳۷-۱۴۱ ورق تک)

یہ بیان تو انڈیا آفس ۱۸۲۵ء کے نسخہ سے لیا گیا ہے لیکن جنم ساکھی والا جس کا رواج پنجاب میں بہت ہے اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے۔

"جب خان نے نانک سے یہ کہا میرے بلانے پر بھی تو نہیں آیا اس وقت آخر الذکر نے جواب دیا "سُن او نواب جب میں تیرا ملازم تھا تیرے پاس آیا۔ اب میں خدا کا نوکر ہوں" نواب نے کہا "صاحب اگر آپ خدا کے ملازم ہو گئے ہیں تو آئیے میرے ساتھ نواج (نماز) پڑھئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ نانک نے کہا چلئے صاحب خان قاضی اور نانک کو لے کے جامع مسجد آیا اور بہت سے آدمی ساتھ تھے جو لوگ مسجد میں تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ آج نانک مسلمان ہو گیا ہے اس سے سلطانپور کے ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی جے رام نہایت غمگینی سے واپس گھر آیا۔ نانکی نے جب اپنے خاوند کو افسردہ دل دیکھا تو دریافت کیا "وجہ کیا ہے آج غمگین معلوم ہوتے ہو۔ جے رام نے کہا "سُن اے بندۂ خدا تیرے بھائی نانک نے کیا کیا۔ وہ نواب کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا ہے۔ شہر کے ہندو مسلمانوں میں یہ غل مچ رہا ہے۔ نانک آج ترک (مسلمان) ہو گیا"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نانک کے دل میں اسلام نے کیسا زبردست گھر کر رکھا تھا۔ حقیقت میں وہ مسلمان تھا۔ لیکن صوفی مسلمان تھا۔ ہندوؤں میں بھی مل جاتا تھا۔ اور نماز بھی پڑھ لیتا تھا۔ اس نے کبھی دین اسلام کی توہین نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ بڑے بڑے مسلمان کاملوں کی صحبت سے بہت کچھ فیض اٹھاتا رہا۔ پھر پانی پت چلا گیا۔ یہاں وہ شیخ نظیر سے ملا جس نے نانک کی صورت دیکھتے

بھی کہا "السلام علیکم"۔ نانک نے جواب دیا" وعلیکم السلام" (از نسخہ انڈیا آفس)

پانی پت سے نانک دہلی چلا آیا اور یہاں لوگوں سے ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ابراہیم نے بھی نانک کی فقیروں کی طرح توقیر کی۔ مردانا نے جو وہیں نانک کے قریب موجود تھا۔ یہ دریافت کیا" نانک کیا خدا ایک ہے؟" نانک نے دلیری اور مضبوطی سے جواب دیا" ہاں خدا ایک ہے ہندو مسلمان کے خدا میں کوئی فرق نہیں ہے" دہلی سے نانک بنارس چلا آیا۔ اور یہاں اول ہی ملاقات پنڈت ستو داس سے ہوئی۔ اس نے رام رام کیا۔ نانک نے ویسا ہی جواب دیا۔ پھر وہ پنڈت بھی کچھ اعتراضوں کے بعد نانک کا چیلا ہو گیا۔ بعدازاں نانک نے جوگیوں کھتریوں۔ جادوگروں۔ جادوں گرنیوں کو اپنا چیلا بنایا۔ اس کے بعد نانک کی شیخ فرید مشہور و معروف صوفی سے ملاقات ہوئی۔ اور باہم دونوں کی ایسی دوستی پڑی کہ گھڑی بھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ دونوں نے ساتھ مل کے سفر کیا۔ اور بکثرت لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نانک جب پٹن پہنچا ہے، تو شیخ ابراہیم مشہور صوفی سے ملا۔ اس متبرک شیخ کی صحبت سے بھی نانک نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اسی اثنا میں نانک بہت سے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے بابر کے دربار میں حاضر ہوا۔ بابر نے فقیر سمجھ کے اسے رہا کر دیا۔ اور اس پر عنایات شاہی مبذول کیں۔ رہائی کے بعد نانک میاں میٹھے سے ملا۔ اس نے قرآن کی بابت سوال کیا۔ نانک نے کہا" قرآن کلام ربانی اور سچا ہے" یہ سنتے سے میاں میٹھا [illegible] نانک [illegible] مسلمانوں کا مشہور پیر تھا۔ [illegible] نانک [illegible] یافتہ شخص تھا مگر مسلمان صوفیوں کی صحبت

[illegible] بنتے ہیں۔

سے نبی کو برحق اور خدا کو ایک سمجھنے کی عقل آ گئی تھی۔ گرو ارجن جو نانک کا چوتھا
جانشین تھا۔ اسی سے لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ گویا وہی لکھا
پڑھا تھا۔

گرو ارجن سے سکھوں کی سپاہیانہ تاریخ در حقیقت بانیٔ اسلام کے ساتھ متواتر
بغاوتیں شروع ہوتی ہیں۔ اپنے گرو کے فقیرانہ لباس اور صلح کل مذہب کو اس نے
سخت حقارت کی نظر سے دیکھا اور بہت جلد اپنے معتقدوں کی حالت بدل دی
انہیں سپاہیانہ کپڑے پہننے اور فنون سپہ گری کے سیکھنے کی ترغیب دی اس
نے پھر فوج بھی جمع کر لی۔ اور اب چھوٹی چھوٹی مسلمان بستیوں پر اندھیرے اجالے
میں چھاپے مارنے لگا۔ شہنشاہ دہلی نے بلوائیوں کے گرفتار کرنے کا حکم دیا اور
وہ سب پکڑے ہوئے معہ گرو کے دہلی لائے گئے۔ یہ صاف نہیں معلوم ہوتا۔
آیا شہنشاہ دہلی گرو کی مرگ کا باعث ہوا تھا یا خودکشی کر کے گرو جی خود بیکنٹھ
تشریف لے گئے اس کے بعد ہرگوبند جانشین ہوا اس نے فوج جمع کر کے بہت سے
بے بس اور بے گناہ مسلمانوں کو صرف اس جرم میں کہ تم ہی میرے باپ کی
گرفتاری کے باعث ہوئے قتل کر ڈالا پھر شہنشاہ کے خوف سے اس نے جہانگیر
کے دربار میں رسالہ میں نوکری کر لی مگر اس کی فساد انگیز طبیعت نے اسے چین
نہ لینے دیا اور آخر کار وہ قزاقی کا پیشہ کرنے لگا۔ اب سکھوں میں فقیروں کی ذرا بھی
بو باس نہ رہی انہوں نے مسلمانوں کو ستانا حکام سے لڑنا مسلمانوں کے گاؤں میں
آگ لگانا اپنا پیشہ کر لیا۔

ہر رائے اس کے بعد اپنے دادا کی جگہ پر متمکن ہوا کیوں کہ ہرگوبند نے اپنی

زندگی میں ہی بڑے بیٹوں کو نالائق کر کے خارج الارث کر دیا تھا ہر رائے دارا شکوہ
کی طرف سے عالمگیر سے ضرور لڑا۔ لیکن جب دارا شکوہ کو شکست فاش ملی تو
عالمگیر کی خدمت میں معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا عالمگیر نے نہایت مہربانی
کی۔ اور اس کا قصور معاف کر دیا یہ اورنگ زیب کی انتہا درجہ کی رحیمی خلیقانہ
برتاؤ، انصاف پسندی اور غیر اقوام کے ساتھ پیش آنے کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے

ہرکشن ہر رائے کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کی جانشینی کے زمانہ میں کسی مشہور واقعہ
کا وقوع نہیں ہوا اورنگ زیب نے اسے دہلی بلا کے شاہانہ نوازشات اس پر
مبذول کیں۔ مگر بدقسمت گرو چند روز کے بعد عارضہ چیچک میں مبتلا ہو کے
فوت ہو گیا۔ یہاں گرو بننے کا خاتمہ ہی ہو گیا کیونکہ بدنصیب نوجوان ایسا
کمزور تھا کہ گرو نامزد کرنے اور اپنا جانشین بنانے کی اس میں قوت ہی نہ تھی محض اس نے
مرتے وقت اس امر کا نشان دیا کہ آئندہ گرو بکالا میں رہے گا۔ جو انند پور کے
نزدیک ایک ضلع ہے۔

تیغ بہادر جو بکالا میں رہتا تھا ہرگوبند کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے باپ کی ناراضگی
اور اس کی ہر بات کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ ہی زندگی بسر کرتا تھا
وہ فطرتی طور پر دور اندیش تھا۔ اور جنگ آور سکھوں پر کمانڈر بننے کی زیرک
حالت حاصل کرنے کی طرف خصوصیت سے متوجہ نہ تھا۔ اورنگ زیب سکھوں کے
بیباکانہ جوش کی طرف تیز نظر دل سے دیکھ رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ گو
ذرا سا بھی سر نہیں پوری تادیب دی جائے تیغ بہادر شمالی ہند میں آنے کے

سے جیمز ڈگلس ہسٹری آف انڈیا - ملاحظہ فرمائیں ۵-۱۲

تاریخ جاننا ضروری تھا۔ سردار ترن سنگھ نے اس کے سفر کا حال پنجابی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو سکھ طلبا کے لیے مخصوصاً زیادہ دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے:۔

"چند مسلمان کی چھوٹی سی جماعت گرو کو چرا لے گئی لیکن آخری لمحہ مسلمانوں کو پشیمانی ہوئی انہوں نے دیکھتے ہی کہا تیغ بہادر تو ولی ہے۔ سید آرام میں پہنچ کر گرو کی ایک سید سے ملاقات ہوئی جو سرہند کے درخت کے نیچے جہاں گرو نانک نے وفات پائی تھی بیٹھا ہوا تھا۔ سید نے تیغ بہادر کی صورت دیکھتے ہی نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور کہا مجھے آپ کی زیارتی صورت رب جہ کے متعلق شادمانی حاصل ہوئی ہے۔"[1]

شرف الدین جو پٹیالہ کے قریب رہتا تھا تیغ بہادر کی اپنے قصبہ میں داخل ہونے پر بہت بڑی خاطر و مدارات کی مسلمانوں نے اُسے تحفے بھیجے اور اس کے نہانے کے لئے غسل آگئے۔ اس کا سفرنامہ میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے "کہ تیغ بہادر کی آنکھیں ایک مسجد پر پڑیں۔ شرف الدین کی زبان سے بے اختیاری میں یہ سرزد ہوا[2] یہ خدا کا گھر ہے یہ تحقیق امر ہے کہ پاک اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے تیغ بہادر کی حد سے زیادہ خاطر اور عزت کی۔[3] اس کے مقابل میں گرو مسلمانوں کے خلاف سخت از زندہ دشمنی رکھتا تھا اور اپنی موذی کارروائیوں میں چوکتا نہ تھا۔"[4]

اس سفرنامہ کے صفحہ ۱۳۱-۱۳۰-۱۲۶-۱۶۹-۵۸-۵۷-۴۹-۵-۴ میں اسی قسم

۱؎ سفرنامہ گرو تیغ بہادر ص۱۲ ۲؎ ایضاً ص۱۵ ۳؎ ایضاً ص۲۶ ۴؎ العباً ۵؎ ہیوجیز ڈکشنری آف اسلام ص۹۳ ۱۲۵

نگہداشت سے جنگی تہذیب اور شائستگی کی طرف زیادہ رجوع ہوا۔ جو لوگ گرو نانک کو
اپنا سچا گرو یا پیشوا مانتے تھے۔ اور اس کے سچے اصول پر چلنا اپنا سببِ فخر یا نجات
سمجھتے تھے انہوں نے سخت حقارت کی نظر سے گوبند سنگھ کے طریق کی مخالفت کی۔ اور
اپنے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ ملانا نہایت خلاف و ناز یبا دیکھا۔ گوبند سنگھ نے
عزم بالجزم مست بغاوت کا جھنڈا مسلمانوں کے خلاف بلند کیا۔ اور بڑی خونریزی سے
مسلمانوں سے جنگ کرنے لگا۔ قدرتی طور پر بے گناہ مسلمانوں کی طرف سے ایسا برافروختہ
تھا کہ اس نے اس ملک کے لئے پچیس روپیہ کا جرمانہ مقرر کیا جو مسلمان اولیائی قبر کو
سلام کرے۔ اس تاریخ سے سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف انتہا درجہ کے معاندانہ
خیالات تمام درج ہوئے ہیں۔ کی تیغ تیز دشمنی کی چلائی گئی تھی۔ اور روز بروز وہ مسلمانوں
کے خون کے پیاسے بن گئے تھے۔ گرو کے آخری زمانہ میں اس جرمانہ کی تعداد پانچ ہزار
ہوگئی۔ لیکن اس کا اصل پیرا ۱۲۵ روپیہ ہی جاری رہا[1]۔ گرو نانک کے زمانہ کی مذہبی
آزادی کی روح کا نیچی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ایک اصول بھی ایسا نہ رہا جس سے یہ
معلوم ہوتا کہ سکھ نانک کے خیالات یا اصول کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر ہاں آخری دنوں
میں گرو کی طرف سے یہ اصول مذہبی قرار دیا گیا۔ کہ سکھ وہ ہے جو مسلمانوں سے
ہمیشہ جنگ کرے اور ان سے آمنے سامنے لڑے اور انہیں قتل کرے۔ یہی اپنی
زندگی بسر کرے۔ بندہ بہادر کے قتل کے بعد گرو گوبند سنگھ کو ایک پٹھان نے پیٹ
میں چھری گھونپ کر فیصلہ کر دیا۔ اس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے
سے انکار کیا اور اپنے پیروؤں سے کہا کہ آئندہ تمہارا کوئی گرو نہ ہوگا صرف گرنتھ صاحب

---

[1] سفر نامہ تیغ بہادر صفحہ ۲۹۳

یعنی گرنتھ صاحب ہماری حالت اور صورت میں رہنمائی کرے گا۔ مذہب سکھ اس کے بانی اور سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی یہ مختصر کیفیت ہے۔ جس کا خلاصہ زیادہ تر سکھوں کی مستند مذہبی کتابوں سے کیا گیا ہے ہم اس پر کچھ رائے زنی نہیں کرنا چاہتے صرف اسی قدر کہنا کافی ہوگا۔ ناظر جب پڑھے گا خود اندازہ کر لے گا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے سکھوں کے گرو کے ساتھ کیا کیا نیک سلوک کئے اور سکھوں نے اس کے مقابل میں مسلمانوں کے ساتھ کیسی نازیبا کاروائیاں کیں یہ انصاف ہر مذہب کے ناظر پر چھوڑا جاتا ہے۔ اب ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اور مولانا شہید کے سفر پنجاب کے متعلق کچھ تازہ حالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جس زمانہ میں مولانا شہید دہلی میں بدعت و شرک کی اصلاح کر رہے تھے۔ اور آپ نے ایک تازہ روح مسلمانوں کے مردہ تنوں میں پھونکنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پنجاب میں رنجیت سنگھ حکومت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت میں مسلمانوں کی جو کچھ ناگفتہ بہ کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں بعض پنجابی چونکہ مولانا شہید کے بہت معتقد ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کو سکھوں کے مظالم اور مذہب اسلام میں دست اندازی کی خبریں پے در پے آ رہی تھیں۔ جب آپ سنتے سنتے دق ہو گئے تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ پہلے بذات خود اس امر کی تحقیق کرنی چاہئے۔ اور پھر اس کا تدارک کرنا زیبا ہے۔

مولانا شہید نے اپنے خاص معتمد شاگردوں سے اپنے سفر کا ذکر کیا انہوں نے ہمراہ چلنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا اور فرمایا میں تنہا ہی جاؤں گا میں ایک نفس کو بھی ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔ صرف تمہیں اطلاع دیتے

---

۲ سکھ [illegible] [illegible] کی [illegible]۔

سے یہ غرض ہے۔ کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اور اگر تم سے کوئی دریافت کر
لے تو کہہ دینا اپنے کسی کام کے لئے باہر گئے ہیں۔" اس میں تمہیں جھوٹ بھی بولنا
نہ پڑے گا۔ اور سائل کی تسکین بھی ہو جائے گی۔

ہمیں صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سپاہیانہ بھیس بدل کر یہاں سے رخصت
ہوئے پہلے آپ انبالہ پہنچے۔ یہاں اپنی مطلب برآری زیادہ نہ تھی پھر آپ
سیدھے امرتسر روانہ ہوئے۔ یہاں کے مسلمانوں کی فلاکت زدہ حالت کا
قہرناک نظارہ قابل دید تھا۔ علاوہ ان تشدد اور سختیوں کے جو اسلام اور مسلمانوں سے
برتی جاتی تھیں مسلمانوں کا کامل بت پرست بنا تھا یہاں تک کہ پیروں اور شہیدوں
کی نماز ہونے لگی تھی پیر غیب کے نام پر بہت زور شور سے روزے رکھے جاتے
تھے۔ کہیں شیخ فرید کو مشکل کشا اور بہت کچھ (معاذ اللہ) تسلیم کیا جاتا تھا کہیں شیخ
احمد کبیر کو اپنا نجات دہندہ مانا جاتا تھا۔ ایک عجیب طوفان بے تمیزی برپا تھا کوئی
گھر ایسا مشکل سے ہوگا جس میں کسی پیر شہید کی کوئی قبر نہ ہو اور اس پر کھلم کھلا سجدے
نہ ہوتے ہوں۔ قرآن نہ کوئی پڑھتا تھا۔ اور نہ اس کے معنے سمجھنے کا کسی کو خیال تھا۔
نہ ملا نہ واعظ نہ قاضی نہ مفتی غرض سوائے گنڈے تعویذوں کے دور دور کوئی نظر
نہ آتا تھا خدا اور نبی کو سچ مچ سب نے بھلا دیا تھا۔ اور ان کے مقابل میں فرضی پیروں کو اپنا
نجات دہندہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ بچہ بچہ پیر کو صوفی کہنا اپنا فرض جانتا تھا۔ اور جتنے
گروہ صوفیوں کے دنیا میں آباد ہوں گے۔ شاید سب ہی وہاں موجود ہوں تو[2]
عجب نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے عقائد کی کیفیت تھی۔ لیکن ان کے ساتھ

---

[1] امرتسر تو کیا خوش قسمت شہر ہے کہ شہید کے قدم اس نے چومے۔ (حصہ اسمٰعیل دہلوی ناشر)
[2] یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ صوفیوں کے متعلق اصول قرآن اور احادیث کے روشن اصول سے کھلا

قبضہ میں تھیں۔ اور ان مسجدوں میں گھوڑے بندھتے تھے۔ سکھوں کے دور
تھے۔ قطعی حکم دے دیا گیا تھا۔ کہ کوئی شخص اذان بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اس

کے سینہ میں چلا جاتا ہے۔ (۷) اگر کوئی روح ایک جسم میں پاکی اور تقدس کے مدارج اعلیٰ طے نہیں کرتی تو اسے پھر تناسخ کے رو سے دنیا میں آنا پڑتا ہے اور پھر اپنی حالت درست کر کے وہ خدا کی ذات سے واصل ہو جاتی ہے۔ (۸) خدا کی توفیق کے جس کو صوفی فضل اللہ کہتے ہیں کوئی روح اس کی ذات میں نہیں مل سکتی لیکن پھر بھی روح خدا کی ذات میں ہرگز ماسوا طور پر بغیر اس سے اجازت لئے کے مل سکتی تھی۔

(۹) صوفی کا اپنی روحانی زندگی میں وحدانیت میں مستغرق رکھنا فرض ہے۔ خدا کا ذکر کرنا ہے۔ اور طریقت کا ہر ایک منزل کمال درجے [illegible] تک کرے تا کہ برتر ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔

سفر صوفی

انسانی زندگی سفر کی مشابہ ہے۔ جو مسافر خدا کی تلاش میں سفر کرتا ہے اسے سالک کہتے ہیں سالک کا بہت بڑا کام یہ ہے کہ علم خدا یعنی معرفت حاصل کرے جو تمام انبیاء کے سینوں میں پھیلی گئی ہے اسی حال پڑھا دے۔ کیونکہ انسان کی روح اپنے خدا سے واندہ ہے۔ اور انسانی زندگی روح کی اپنے خالق سے جدا ہونے کے باعث سے جانب ہے کہ روح کو تمام منزل بمنزل ارتفاع پر چڑھاتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ اس کا وصل خدا کی ذات کے سامنے ہو جائے۔ ہر انسانی مخلوق کی زندگی ناسوت ہے۔ جس حالت میں ہر ایک فرد واحد شریعت دیکھتا ہے۔ پس جب کہ یہ انسانی زندگی کا اول درجہ ہے اس کی تکمیل جستجو کرنے والے کی کوشش پر منحصر ہے۔

صوفی مصنفوں نے مختلف منازل کا مختلف طور پر ذکر کیا ہے لیکن مسٹر ایڈیل صوفیوں بابن دلکم کا تحریر کے مطابق منا صید دین مذہبی یا معمولی سفر یہ ہے۔ پہلی منزل جو ہم نے ابھی بیان کی ناسوت ہے۔ جس میں ہر ایک فرد قانون شریعت کے مطابق رہنا ہے۔ اور مذہب اسلام کے تمام اصول، ارکان، طریق ادا کرنے واجب ہیں۔ دوسری منزل ملکوت کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ طریقت کا راستہ ہے۔ تیسری منزل قوت جبروت پر پہنچیا ہے۔ اس کے ساتھ معرفت کا پیدا ہونا ہے جو محض تنزل ربانی اللہ کی ہے جس کی وجہ سے حقیقت کا کھوج لگ جاتا ہے اور وہ حاصل ہوتی ہے۔

تھا کہ کوئی مسلمان مسجد کے کواڑ کھول کے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ اور اگر کسی ناواقف نے ایسا کیا تو اسے رستے چلتا سکھ پیچھے سے دھکا دے کے الٹ دیا کرتا تھا۔ معمولی جھگڑوں میں گھس آنا اور مذہبی کتابوں کو جلا دینا ایک معمولی بات تھی بعض خاندان اپنا وطن چھوڑ کے انگریزی سلطنت میں چلے گئے تھے۔ اتنی بات بیشک قابل تعریف تھی کہ رنجیت سنگھ جہاں تک مولانا شہید نے تحقیق کیا بذات خود اتنا جابر اور ظالم نہ تھا ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کی طرف سے ہم اسے خطاوار ہی نہیں کہہ سکتے

پہنچنے کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لے گا پھر اسے درجہ معرفت حاصل ہوگا بشرطیکہ وہ اپنی جستجو میں کامیابی حاصل کرے (۵) خدمت کے متعلق اصول کا یوں مصروفیت سے مراقبہ کرنا صوفی کی ضمیر کو پوری کشش کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے ضمیری جوش کے بھڑکانے کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بے خودانہ حالت گویا اس امر کی علامت ہے کہ اس کا دل ربانی جلووں سے منور ہوگا۔ اور پھر اس منزل پہ پہنچے گا جسے منزل وجد کہتے ہیں۔ (۶) اس منزل کے درمیان اسے خود بخود خدا کے علم کا القا ہوگا۔ اور یہاں سے وہ اس منزل پر پہنچے گا جسے منزل حقیقت کہتے ہیں (۷) اس منزل سے وہ دوسری منزل تک از خود کھنچا ہوا چلا جائے گا۔ اور یہ منزل بمنزل وصل کہلاتی ہے (۸) اور سب سے زیادہ وہ آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا ہاں اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھنے کا یقین دن بدن اس کے دماغ و دل میں بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اسی میں اسے موت آ جائے گی۔ اور یہ منزل فنا فی اللہ کی کہلاتی ہے۔ اس کے بعد عزیز بن محمد نفیسی نے ذکر کرنے کے بہت سے طریق بیان کئے ہیں۔ جو منازل صوفیوں کے لکھے گئے اس سے ناظر خود اندازہ کرے گا مذکورہ بالا صفات سے کون سا صوفی آراستہ ہے اور کن اصول کی تقلید کی جاتی ہے۔

ان صوفیوں کے اصول کے موافق کامل شخص کون ہے؟

کیمرج یونیورسٹی کے پروفیسر ای۔ ایچ پامر نے بڑے بڑے صوفیوں کی کتابوں سے یہ بیان منتخب کیا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

اور ساری کیفیت ان سے دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ سب سے افغانیوں کا خوف (بجائے ت)
کا خوف سکھوں کے دلوں سے گیا ہے ہماری کتے کے برابر بھی عزت نہیں کی جاتی
ہمارے مذہبی ارکان میں کھلم کھلا دست اندازی کی جاتی ہے۔ اور ہماری مقابر اور عبادتگاہوں (ل)
سکھ ناجائز افعال کرتے ہیں اور شب روز اپنے جانور باندھے رکھتے ہیں کسی کی
مجال نہیں کہ ٹوٹی ہوئی مسجد کی مرمت کر سکے۔ یا نئی مسجد بنا سکے مگر شاذ و نادر
ایسا ہوتا ہے۔ اگر کوئی رنجیت سنگھ تک پہنچ گیا اور اس کی بڑی خاطر منظور ہوئی
لئے تعمیر مسجد کی اجازت مل جاتی ہے۔ سر دربار اسلام اور پیغمبر اسلام

دینے میں اپنا تن من دھن قربان کر دے۔ پند و نصیحت سے بھی اور اپنے اعمال سے بھی کیونکہ نصیحت
کرنے والے کے اقوال سے زیادہ لوگوں پر افعال کا اثر پڑتا ہے۔ خود خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں
فرماتا ہے "مخلوق پر رحم کر"۔ سالک ہی اس کے بہتر درجے کہ دنیاوی آرزوؤں اور خواہشوں سے
اپنا دل بالکل پاک رکھے اور اپنی زندگی اور اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھے اور اس کامل یقین رکھتے
میں صرف کرلے وہ پھر عمل اور علم میں کامل ہوگا۔ ورنہ ضمیری قابلیتیں اور دلی یقین اس کا ادھورا
رہ جائیگا۔ اور بے شبہ وہ شخص کامل ہے جس میں ایسی زبردست قوت ہو جو شہنشاہوں اور حکمرانوں میں
ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس عاجزانہ اور منکسرانہ ہستی کا نشان کر کے جاشستہ سکین بنا رہیگا اور یہی عاجزی
ایسی زبردست قوت ہونے پر مستحسن ہوتی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک پر
زور شان اور قوت حاصل ہونے کے بعد عاجز رہے۔ برخلاف سلاطین اور شاہوں کے کہ وہ بہت
سی چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن پھر ان میں خواہش باقی رہتی ہے۔ یا وہ ایسی چیزوں سے
بچنا چاہتے ہیں۔ جن میں آخر کار وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اس الائش دنیا سے ان کی نجات نہیں
ہوسکتی۔ انسانی سرشت میں کامل و ناقص دونوں ہی جوہر ہیں۔ اس میں شاہ ہونے کا بھی مادہ
ہے۔ اور رعیت بننے کا بھی اس کی ذات میں دانائی بھی ہے اور نادانی بھی لیکن یہ تمام جوہر مایوسی کے
ہم کنار اور نقص کے پہلو بہ پہلو پیدا ہوئے ہیں۔ تمام مخلوق اپنی ضمیری خواہشات کے خلاف اپنی زندگی
بسر کرتی ہے۔ مگر کامل جانتا ہے کہ سوائے ترک دنیا کے اور کوئی چیز انسان کے لئے انفع تر
نہیں ہے۔ جبتک وہ دنیاوی تعلقات کا مذاق اپنے دل سے دور نہ کریگا۔ کبھی آزاد

کو جب سو گئے تو ایک بڑھے نے اپنے ساتھی نوجوان سے جو غالباً اس کے بیٹے ہوں گے
کہا اگر جان بچانی ہو تو نور کے تڑکے سے پہلے یہاں سے چل دو ورنہ جان سے ہاتھ
دھونے پڑیں گے۔ نوجوان نے ٹھنڈا سانس بھر کے بوڑھے کو جواب دیا۔ بیویاں ماری
گئیں چھین گئیں اسباب ہم سے لٹ لیا اب کیا خاک ہم زندہ یہاں سے جائیں اپنے کنبہ میں
کیا منہ دکھائیں گے۔ بوڑھا بڑا ہوشیار تھا۔ کہنے لگا جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب جان ہلاکت
میں نہ ڈالو اور یہاں سے اگر میرا کہنا سنتے ہو تو بہت جلد چل دو کیا تمہیں شیر شاہ سردار کا
قول یاد نہیں۔ اگر کل شہر میں دیکھا تو لاش کو گدھوں سے روندوا دوں گا یہ باتیں
خاموشی سے مولانا شہاب سنتے رہیں اور دریافت کیا لیکن وہ کچھ ایسے خوف زدہ

تمام حالتوں میں آداب مجلس جو مناسب اوقات مقام اور موجودہ اشخاص کے ہیں نگاہ
رکھو۔ ایسی بات کی عادت نہ ڈالو جو غیر ضروری ہو اور تمہارے جلیس کی آزردگی خاطر کی باعث ہو
صوفیوں نے لکھا ہے تین قسم کی دستگیری ہے۔ جو سالک کی اسکے راستہ میں راہنمائی کرتی ہے
(۱) انجذاب (۲) عبادہ (۳) عروج۔ انجذاب خدا کا کام ہے جو بندہ کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔
انسان اپنا دل دولت دنیا کی طرف رجوع کر دیتا ہے۔ اور اس کے گوناگوں سامانوں سے دلچسپی
لیتا ہے مگر خدا اپنا جلوہ اس کے حجلہ قلب میں چمکا دیتا ہے۔ اور پھر اسے دنیا سے نفرت اور
خدا کے رستہ پر چلنے کی محبت ہوتی ہے نفرت ہوتے ہوتے وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں
کہ خدا خود ان کا قبلہ بن جاتا ہے۔ اس حالت کو صوفیوں کی اصطلاح میں "مجذوب" کہتے ہیں
لیکن جو لوگ اس منزل سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ ان میں اپنے نفس کے امتحان کرنے کی قوت
آجاتی ہے۔ اور پھر انکی باقی ماندہ زندگی صرف تسلیم و رضا میں صرف ہوتی ہے ایسے شخص مجذوب
سالک کہلاتے ہیں۔
شیخ شہاب الدین ابی حفص اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں تحریر فرماتے ہیں۔ بزرگ علم
عموماً دوسرے درجہ کا منتخب کیا جاتا ہے نہ اس لئے قابل تر ہے کہ شاگردوں کو تعلیم دے

وہاں اور بھی بے عزتی ہوئی۔ ہماری ڈاڑھیاں گدھے کے بول سے منڈوا دی گئیں اور سارا سامان چھین کے ہمیں نکال دیا۔ ہم روتے پیٹتے امرت سر آئے کہیں عالم ملتان کا رشتہ دار یہاں رہتا ہے۔ اس ظالم نے ہمارے گھر آگ لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ امرت سر اپنے رشتہ دار شیر سنگھ نامی کو لکھ بھیجا اگر فلاں فلاں شخص آدیں تو ان کی عورتیں اور اسباب چھین کے انہیں شہر بدر کر دینا۔ ہم بسوال امرتسر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کئے گئے۔ ہماری عورتیں چھین لی گئیں اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا تھا وہ بھی سب رکھوا لیا۔

شاہ صاحب بھی ہو گئے لیکن خدا کی نظر میں اس سے بدتر کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو دین کی آڑ میں لوگوں کو ٹھگے اور یتیموں کا مال غصب کرے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان جس سے مذہب صوفیہ کا اور بھی صاف صاف نقشہ معلوم ہو محمد المصری کی کتاب سے ان سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں جس سے اور بھی صوفیوں کے خیالات کا ناظر بخوبی اندازہ کرے گا (یہ مصری مصنف الهامیہ طریقت کا تھا ہے)

سوال | تصوف کی ابتدا کیا ہے؟

جواب | ایمان جس کے چھ ارکان ہیں یعنے (۱) خدا پر یقین (۲) اس کے فرشتوں پر یقین (۳) کتابوں پر یقین جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔ (۴) انبیاء علیہم السلام پر (۵) روز آخر پر (۶) نیکی اور بدی کو خدا کے حکم میں سمجھنے کا یقین۔

سوال | تصوف کا نتیجہ کیا ہے؟

جواب | یہ نہیں ہے کہ ان ایمانی ارکان کو زبان سے جپے جائیں۔ بلکہ یہ ہے دل پران کا گہرا نقش ہو۔ یہی جواب جنید بغدادی نے بھی دیا تھا۔ جب ان سے یہی سوال کیا گیا تھا۔

سوال | صوفی اور معمولی آدمی میں کیا فرق ہے۔

جواب | معمولی شخص کا ایمان تقلیدی ہوتا ہے۔ صوفی کا ایمان تحقیقی ہوتا ہے۔

انہیں صبر دینے کی کوشش کی غرض تین چار بجے شب کو وہ حیرانی کے دو چار
پیسے بھگتا کے روتے ہوئے چل دیئے اور چلتے وقت مولانا شہید کے ریاست
کرتے پر انہوں نے یہ کہا کہ ہم انگریزی عملداری میں جا کے قیام کریں گے یہ گفت و
شنید گو ایک معمولی تھی مگر مولانا پر اس نے غیر معمولی اثر کیا اور اب آپ کی تیز تیز
انتقامی نظریں سکھوں کی طرف اٹھنے لگیں۔ پھر بھی اس ارادے کے پورے
مردتے اپنے کو ضبط کیا اور اپنی طبیعت کو زیادہ برفروختہ نہ ہونے دیا گو آپ
جانتے تھے سکھوں کی ایسی زبردست قوت کے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر
بھی آپ کا دل سب سے زیادہ منتقم حقیقی کی طرف لگا ہوا تھا۔ اور خود بخود اس
تیقن کا دل سے چشمہ ابل رہا تھا کیا عجب ہے جو سکھوں سے مسلمان اپنے بھائیوں

سوال ایمان اور عبادت کے معاملات میں صوفیوں کا کس طریقہ یا مذہب سے تعلق ہے۔
اس سوال کا جواب مصنف نے سنی مذہب کے اصول کے موافق دیا ہے۔ اور وہی معمولی جواب
ہے جو ہر سنی دے سکتا ہے شیعوں کے سر کثرت مسائل کو لے کے کر دیا جس پر بعض [illegible]
اعتراض کرتے ہیں یہ ان کی غلطی اور اسلام کے اصول کی ناواقفیت کی وجہ ہے
سوال جب بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا آپ کا مذہب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا
تھا میرا مذہب اللہ کا مذہب ہے اس جواب کے معنی کیا ہیں۔ یا اس جواب سے بایزید کا
کیا مطلب ہے
جواب خدا کے مذہب چار رکھ دیا تھا و مذہب اسلام کے ہیں ہمارے صوفی نے مذہب
صوفیہ سے اس جواب میں صاف گریز کی ہے۔ وہ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کی طرف منسوب جس
کے معتقد ہیں یہاں تو یہاں تقلید کہہ چکا ہے تعجب ہے ایسی گریز کیوں کی گئی؟
سوال اکثر صوفیوں نے اپنی نظم میں وہ [illegible] استعمال کئے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے
مذہب تناسخ کے وہ قائل تھے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ بعض وقت ہم [illegible] بن جاتے ہیں پھر

تھی اور گھر کی دہلیز اس کے آنے سے دہلتی نہ تھی اس کے خلاف مسلمانوں کا ان کے فرش
یا زمین پر قدم رکھنا ان کے کل گھر اور اس کے سامان ناپاک کرنے کا پورا سبب تھا ان
کے گرو نانک نے کب ایسی تعلیم دی تھی۔ اول دن سے وہ مسلمانوں کا نمک خوار تھا اور
جو کچھ اسے روحانی تعلیم حاصل ہوئی وہ شیخ فرید کی بزرگ صحبت سے اس پاکباز مرد
نے نہ کبھی مسلمانوں کو ستایا نہ ان کے دین کی توہین کی بلکہ اس نے قرآن کے من جانب

استغراق میں محو نہ کر دو کہ تمہیں بھی مرنے کے بعد ہی اپنے خیالات کا بر بود دیکھنا پڑے اس لئے یہ صرف
عبادت اور نیک نیتی کی بندگی سے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی نیند میں حیوانیہ جوش اور ناپاک جذبوں
سے اپنے کو علیحدہ پاکر زندگی کے مرتفع حصہ پر جو علین انسانیت ہے پہنچا ہوا دیکھے گا اگر خواب میں
ایک بندر دیکھو تو اسے خدا کی طرف سے اس بات کے لئے ایک تازیانہ سمجھو اور اپنے دل سے
نقصان کرنے کی عادت نکال ڈالو اور ہرگز ایسا نہ کرو کہ تمہارے سبب سے کسی کا نقصان ہو یا دل
دکھے اگر سور کی صورت دیکھو تو اپنے دل سے حریصانہ جوش اور بے شرمی کو نکال کے پھینک دو
اور سچے بے لوث پاکباز مرشد کے حوالے کر دو جو اپنی پاک دل کی عادت میں تمہاری برائیاں
تمہارے خوابوں میں دکھلائے گا۔

"یہاں تک کہ ایک کے بعد ایک عادت تم ترک کرتے چلے جاؤ گے بعد ازاں برائیوں کی عوض
تم پر نیکیاں رہیں گی۔ خدا کے فضل سے جب تمہاری ساری برائیاں دور دی جائیں گی اور تم ذکر و
کرو گے۔ پھر تمہیں خوابوں میں دیوں اور خدا کے نیک بندوں کی صورتیں نظر آئیں گی۔ جو نظر آنا اس امر
کا ثبوت ہوگا کہ تمہارا دل غلیظ قدورتوں سے پاک ہو گیا اور تم نے تمہارے دل میں پاکی کے ساتھ اپنا
گھر کر لیا۔ تمہارے سوال کو کہ شاستر تبدیل بدن کی بابت لکھتے ہیں۔ یہی یہ جواب ہے اور یہی صوفیوں
کا مسئلہ ہے اور اسی قسم کی تحریر ہے جو وہ انسان کو اشرف الموجودات سمجھتے ہیں اور ان کا یقین ہے
کہ انسان کی ذات میں اعلیٰ درجہ پر بتدریج پہنچنے کا مادہ موجود ہے اور کائنات کی کل صفتیں اس میں
ہیں بہت سی منطق کتابیں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں اور ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کی کائنات

اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ گرو نانک کی زندگی کا بہت بڑا حصہ بلکہ قریب کل کے مسلم
فقرا اور صوفیوں کی بابرکت صحبت میں گزرا۔ وہ ہندوؤں سے ان کی اصلی تعلیم کی
رو سے متنفر تھا۔ اور اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ دنیا میں ہزاروں
مصلح اور مختلف گروہوں کے بانی گزر گئے لیکن آج تک یہ کہیں نظر نہیں آیا کسی فریق
نے اپنے بانی کے اصول سے ایسی علانیہ روگردانی کی ہے۔ اس کی ایک بات بھی
ماننا اپنے اوپر حرام سمجھ لیا ہے۔ ورنہ یہی یہ دعوے ہو کہ گورو نانک کے چیلے ہیں یہ بالکل
غلط ہے مسلمانوں کا برتاؤ ہمیشہ سکھوں کے ساتھ دوستانہ بلکہ بھائی چارے کا

جواب | صوفی اکثر تمام چیزوں کے اندرونی خیال بلحاظ بیرونی اشیاء کے بیرونی خیال و خط سے
تبادلہ کر لیتے ہیں یعنی جسمانی کا روحانی سے اور اس طرح بیرونی افکار کا خیالی خاکہ کھینچتے ہیں
وہ چیزوں کو فطرتی بہت درجہ میں نظر لیتے ہیں۔ اور اس وقت ان کے قول کا بہت سا
حصہ روحانی دریا اسعدہ معنی میں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً حافظ شیرازی جب کبھی وہ شراب کا ذکر
کرتا ہے تو اس سے علم خدا مراد ہوتا ہے جیسے استعدہ کے طور پر عشق اللہ پر اس کا اطلاق کر لیتے ہیں،
سے بھی محبت کا استعارہ ہی سمجھنا چاہیے یہاں عشق اور محبت ایک معنی رکھتے ہیں۔ جب وہ ساقی کا
کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے مراد مرشد کامل ہوتا ہے اور جام سے ذکر تلقین، وہ اس جام پر
زیادہ تر موقوف ہے۔ لا الہ الا اللہ جس مرشد کامل کی زبان سے یہ مقدس کلمے نکلے نہ
صرف زبان سے بلکہ اس کے جسم کا ہر ہر مو زبان بن کے یہی کہے۔ اسے سالک کہتے ہیں جو سچے
رستہ کا تعاقب کرتا ہے اور اپنی روح اور دل کی روحانی شادمانیوں سے سب لبریز رہتا ہے
معشوق اور دلبر سے مراد خدا ہے اس واسطے جب کوئی شخص اپنے پیارے دلبر کو دیکھتا ہے
وہ اس کی کامل تناسب اعضائی اپنے محبت بھرے دل سے صفت و ثنا کرتا ہے گویا یہ صفت یہاں
سالک خدا کے پوشیدہ علم دیکھتا ہے جو اس کے روحانی مرشد کے دل کو اپنے جلال سے معمور بنا دے۔ گو
اس کو اب الہام بھی ہونے لگتا ہے اور اکثر پوشیدہ باتیں جو پہلے معلوم نہیں خوب جانتا ہے پھر بھی

رہا۔ ہاں ان آخری گورونانک کے جانشینوں نے جنہوں نے اپنے گورو کے اصول سے
علانیہ روگردانی کی سکھوں کو ناحق مسلمانوں کا خداواسطے خون کا پیاسا بنا دیا۔
ایک دن مولانا شہید ایک سکھ حلوائی کی دوکان پر دودھ لینے گئے۔ ناواقفیت
سے آپ اس کی دوکان کے ذرا قریب پہنچ کے دودھ کے پیسے دینے لگے۔ حالانکہ ابھی
آپ نے بڑھنے کا اور بھی ذرا آگے ارادہ تھا۔ کیونکہ دوکاندار بہت دور تھا۔ اس تک
ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس نے تیزی ہی دور سے غل مچایا تو دیا کہ تم نے میرا
دودھ کا کڑھاؤ بھٹو دیا۔ اس وقت خیریت ہوئی کہ ایک شخص مسلمان اس طرف آنکلا۔
اس نے جیب سے دو چار روپے دیکر فیصلہ کر دیا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا کیا آفت مولانا
شہید پر نازل ہوتی۔ اس کی تصدیق ان ریاستوں میں جہاں سکھوں کا اب تک وجود

بے بنیاد کئے گئے شاگرد روں کی طرح تعلیم حاصل کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کے موجود ہونے
سے پھولا نہیں سماتا۔ اسی طرح سالک اپنے مرشد کی صحبت میں اس سے بھی زیادہ روحانی مقاصد
حاصل کرتا ہے عشق دنیاوی محبت کی ایک چیز ہے اور مرشد روحانی عشق کا سرچشمہ ہے معشوق مجازی کی
بعض مرشد کی پسندیدہ اور معقول تعریفیں ہیں جو سے مرید کی محبت کے پردوں میں بڑھ جاتی ہیں جمال
[illegible]
چیزوں کی عدم موجودگی دیکھتا ہے۔ وہ بھی دنیا کی تمام جیسی نسبت رکھنے والی اشیاء سے رشتہ
ناطہ توڑ دیتا ہے اور بیراگی سادگی سے اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اسے سوائے مرشد
کے دوسری چیز کی ذرا بھی خواہش نہیں رہتی جیسے کہ دارادوں کی تشبیہ وہ بیانات دینی سے ملتے ہیں
اس سے ان کی مراد مرشد کے دل کی روشنی ہوتی ہے۔ اس واسطے ہر خدائی صفت میں جن کی ہمارے
نبی نے ہدایت کی ہے تم ربانی صفات اور خصوصیات سے موصوف ہونے کی کوشش
کرو جو مرشد کے قبضہ میں ہیں۔
سوال: اکثر مرشدوں اور ان کے مریدوں کو یہ کہتے سنا ہے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے خدا کا دیکھ لینا

ہے بخوبی ہو سکتی ہے جیسوں وغیرہ ہیں دیکھ لیا جائے چنے والا تک روادار نہیں ہے کہ مسلمان اس کی دکان کے قریب آئے اور چنے خریدے بلکہ جب کوئی مسلمان لینے جاتا ہے دور سے پیسہ دکھاتا ہے اور زبانی کہتا کہ اتنے کے چنے دوں گا فوراً اسنے چنے تولے اور دونی میں (اس لئے کہ یہاں ہر چیز دونے میں آتی ہے) رکھ کے وہ سڑک کے کنارے پر رکھ گیا مسلمان نے پیسہ اس کے ہاتھ میں ذرا اوپر سے پھینک کر سڑک پر سے دونا اٹھا لیا۔ اور بیچارہ دل میں خفیف ہوتا ہوا گھر چلا آیا۔ موجودہ زمانہ میں جب یہ کیفیت ہے تو اس زمانہ میں جب سکھوں کی عروج کلتہ آفتاب چمک رہا تھا کیا کیفیت ہوگی۔ مولانا شہید نے تمام باتوں پر نوٹ کر لیا تھا۔ اور نہایت حفاظت سے پٹی نوٹ بک کو رکھتے تھے۔ یہ لاتہ ایتفر بہ حد سے زیادہ تلخ تر حیرت انگیز نظارہ اس زہریلی ممکن ہے۔

جواب یہ ممکن نہیں ہے۔ اس بیان سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کو جانتے ہیں۔ وہ اس کی بے نظیر اور بے مثت حیرت کو دیکھتے ہیں اس واسطے کہ کوئی آنکھیں اس کے پرتو جلال کو نہیں دیکھ سکتیں۔ قرآن مجید میں صاف طور پر موجود ہے کوئی آنکھ اس تک نہیں پہنچ سکتی حضرت فخر انبیاؐ میں خدا نے ہمیں ہدایت کی ہے۔ تم خدا کو اس طرح سجدہ کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو گو تو اسے نہیں دیکھتا مگر وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے کاش میری آنکھوں سے نقاب اتر جاتی تو میں اپنے رب کا دیدار دیکھ لیتا۔ اس مقولہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت علی خدا کا دیدار نہ دیکھ سکے تو اور کون دیکھ سکتا ہے۔

سوال کیا یہ صحیح اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے قدموں کے کھوج سے ہم اسے دیکھ بھی سکیں۔

جواب ہاں خاص طور پر اسی طرح دیکھ بھی سکتے ہیں جب کوئی شخص آفتاب کی روشنی دیکھتا ہے اسے گویا آفتاب ہی کو دیکھ لیا۔ گرچہ اس نے اصلی طور پر آفتاب کو نہیں دیکھا اور مثال تو خلاصہ تم ہاتھ میں آئینہ لے کر اس میں اپنی شکل دیکھو تم یہ سمجھتے ہو گے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں لیکن درحقیقت تم اپنا چہرہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے

چلا دے۔ ملا کا ہاتھ پکڑ کر نکال دے اور آپ وہاں شب باشی کرے۔ سور کا گوشت بازاری کھا سکتا تھا۔ اور مسجد بوجہ خانہ رب سوتا تھا ۔

وہ اس کی ذات تو اس سے فائدہ دیتا ہے۔ وہ کہیں گے۔ تو کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا۔ تیری عبادت ہم اپنے دل کی راستبازی اور خلاص سے کرتے ہیں اور صرف تیری ہی محبت کے تابع ہیں مثلاً یہ شعر یہاں بخوبی صادق آتا ہے: صوفی بہشت و دوزخ پر عاشقاں حرام است نہ بے دم رضائے جاناں رضوان شد ست مارا۔ چاہے جنت ہو یا نہ ہو دوزخ ہو یا نہ ہو تو بھی ہمارا تو یہی فرض ہے کہ ہم تجھے اپنے پورے سچے دل و پوری طاقت سے سجدہ کریں۔ تجھ کو ہی اے خدائے رحیم پورا استحقاق حاصل ہے چاہے ہمیں دوزخ میں ڈال چاہے جنت میں بھیج اور اسی لئے کہ تیرے تیرے احکام تیری مرضی کے مطابق نافذ ہوں اگر تو ہمیں بہشت میں رہنے کا حکم دے یہ تیری بخشش ہے ہم کبھی نہیں سمجھتے کہ ہماری عبادت کا سبب ہے کہ ہم جنت میں گئے اگر تو ہمیں دوزخ میں بھیجے یہ بھی تیرا عین انصاف ہے کسی کا زہرہ نہیں ہے کہ اس پر انگشت اعتراض دراز کر سکے۔ اگر بخشے تیری رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آوے ۔

سوال تو نے کہا ہے شریعت اور حقیقت میں اختلاف نہیں ہے اور تاہم ان دونوں میں امتیاز کی موجود ہے اور صوفیوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ کی حقیقت میں بڑی بڑی باریکیاں مضمر ہیں۔

جواب باریکیاں مضمر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت اور حقیقت میں تناقض یا باہم کچھ اختلاف بھی پایا جائے اس میں شک نہیں اس کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو ان کی ضمیری قابلیتوں کے موافق فہمائش کرو کیونکہ تمام باتوں کی ہر شخص کے آگے توضیح کرو گے ان میں سے بعض بہت سی باتیں نہ سمجھیں گے اور پھر غلطی میں پڑ جائیں گے اسی لئے صوفی بھی حقیقت کی ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہ آسکیں۔ اور جو ان باتوں کو سمجھتے ہیں انہیں وہ بتا بھی دیتے ہیں لیکن عام طور پر ان کی تلقین نہیں کرتے ۔

سوال کیا وہ علوم جو صوفی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حالانکہ وہ ان ہی احکام پر عمل کرتے ہیں جو شریعت صاف طور پر نہیں بتاتی ہیں۔ اور اس میں ان کا اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔

سور، کتے، گھوڑے، بیل وغیرہ باندھے جاتے تھے۔ علانیہ طور پر اجازت نہ تھی کہ کوئی فرد نسخہ قرآن گلے میں لے کر نکل سکے اگر کسی ناواقف ایسا کیا قید خانہ بھیج دیا گیا اور اس کا قرآن زبردستی آگ میں ڈال دیا گیا۔

میں نے حقائق کھول دیئے۔ ان کا ظاہر نہایت مہذب صوفی اور سادہ کپڑوں سے آراستہ تھا۔ باطن ان کا باطنی لباس خوب زرق برق بھڑک دار تھا۔ مجھے ظاہر دار صوفیوں کے ذکر میں کلام ہے جنہوں نے ذکر عبادت کو بالکل تھیٹر کی سی صورت بنا لیا ہے۔ جو دراصل تصوف کے بانی ہیں انہوں نے کبھی خدا کی عبادت کو اس تماشا نہ بنایا تھا۔ کہ لوگ مزار دور دور سے سیر دیکھنے کے لئے آئیں اور خوف کھا کر بھاگیں۔ کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کوئی صوفی ستر بلکہ اصول تصوف پر پورا عمل درآمد کرتا ہو فریب یا جادو یا ہے۔ ریش اور خوش الحان قوالوں کی آواز پر رقص کرتے ہوں جیسا کہ مولانا شہید نے بیچ سفر پنجاب میں صرف بڑے نام صوفیوں یا ایسے ہوئے تھے ان کا جو کچھ شیوہ دیکھا وہ یہ تھا کہ کپڑے نہیں اور بیشتر شرع نفس بڑھا کے گود پر بیٹھے ہیں اور گنواروں کو زبردستی قبروں پر سجدہ کرنے پر مجبور کریں۔ تصوف جس کا نام شریعت محمدیہ ہے گو بعض اجزاء نہایت مختلف اور بعید الفہم اس میں آمیز ہو گئے ہیں پھر ایک چیز ہے۔ بظاہر دونوں میں بعض بعض حالتوں میں تباین پایا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے جیسے نفس اسلام کل مذہبوں کا عطر ہے اسی طرح تصوف تمام مذہبوں مثلاً ہندوؤں کے ویدانت اور بھی الگ الگ مذہبی اصول کے عطر کا عطر ہے۔

علاوہ ان صوفیوں کے مشرقی اسلامی دنیا میں فقراء کی قسم کے موجود ہیں جو بھی قریب قریب صوفیوں کے بالکل ویسے ہی ہیں اگرچہ خفیف طور پر صوفیوں سے بعض باتوں میں مختلف ہوں۔ ان کی باہم ایک گونہ مناسبت ہے کہ جس شخص پر صوفی کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے اسی پر لفظ فقیر بھی عاید ہو سکتا ہے میں چاہتا ہوں کہ ان فقراء کی مختصر کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کروں جو مولانا شہید نے زیادہ تر پنجاب میں ملاحظہ کئے اور اس وقت اسلامی دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس سے

روزمرہ نہ جلائے جاتے ہوں یہ مولانا شہید کو پتہ نہ لگا آیا رنجیت سنگھ کو بھی اسکی
اطلاع کی جاتی ہے یا نہیں مگر وہ حکام جو اسکی طرف سے ہر قریہ او دہ میں متقرر تھے
اپنے ہاتھوں سے علانیہ ظلم کرتے تھے عموماً جب گمائی کا زمانہ آتا مسلمان زمینداروں کی جان

ادا ہوا ہے۔ بیت

آنچہ در دنیاست بر آزادگان محرم
خاطر جمع است در زیر فلک سامان ما

خدا کی بندگی میں تمام عالم کو بھول جانا صوفیوں کے مذہب کا اصل الاصول ہے وہ نبی
اکرم کی اس حدیث پر چلتے ہوتے تھے۔ الفقر فخری۔ یعنی فقیری میرا فخر ہے نبی اکرم کے نقل سے
پہلے زمانہ حیات ہی میں آنحضرت، ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذکر کے طریقے علیحدہ
علیحدہ مذہبی عبادت میں ادا کرنے کے لئے بتائے تھے یہیں سے دو گروہ صوفیوں یا فقیروں کے قائم ہو
گئے اپنے بستر مرگ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلمان الفارسی کو طرق ذکر میں اپنا
جانشین مقرر فرمایا اور حضرت علی نے اپنا جانشین حسین البصری کو مقرر فرمایا۔ ان دونوں معزز
جانشینوں نے اپنے خلفاء کے ذکر کے طرق کی پوری طور سے تعلیم کی اور انہیں اسلامی گروہ میں واجب
الاحترام اور اعلیٰ درجہ کا زاہد اور متقی ثابت کیا ان میں سے بعض عبادت اللہ کی سرخوشانہ حالت میں
ملک ملک گشت لگانے نکلے اور ہزاروں کو اپنا ہم خیال بنا لیا یہاں تک کہ ان کا ذاتی جوش حد سے
بڑھ کر ۳۷ھ میں اویس القرنی نامی یمن کے رہنے والے نے ایک دن یہ بیان کیا میں نے فرشتہ
جبرئیل کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے خدا کا یہ حکم سنایا تو دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور ہمہ تن
خدا کی یاد میں محو ہو جا۔ اس ربانی قاصد نے تمام و کمال ذکر کے قواعد بھی بتائے، اور تو مجھے اس
یکبار حقوق کے آئندہ ترک ذکر قرار پائے سب کی ہدایت جبرئیل نے ہی کی دوسرے دن سے اویس القرنی
نے دنیا کو ترک کر دیا اور اس کے سحر سامانوں یعنی ساری دنیاوی ماحوں کو اپنے اوپر حرام کیا
اور شب و روز ذکر اللہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر کار ترک دنیا اور عبادت خدا اور بانی اسلام کی
محبت نے یہاں تک طول کھینچا اور اس قدر محبت نبی کا جوش بڑھا کہ اویس نے اپنے دانت اس لحاظ سے
توڑ ڈالے کہ رسول خدا کے بھی دو دانت مشہور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ آپ نے چاہا مرے

پہلی جاتی ان سے یہ کوئی سننے والا نہ ہوتا تھا کہ آپ کے گاؤں پڑا اور اب کے فلاں سنگھ
جی نے بستیوں کو سال بھر فصل کے دنوں میں چرایا گیا بلکہ ان پر کوڑے بازی
ہوتی تھی اور مجبور کیا جاتا تھا کہ روپیہ لاؤ اگر کسی نے روپے محصول کے دے دیئے تو خیر
ورنہ ان کے بال بچے چھین لئے جاتے اور سر بازار نیلام کر دیئے جاتے تھے مولانا
شہید نے یہ خونی نظارے بچشم پُر نم آنکھوں سے دیکھے۔ آپ نے بعض دولتمند
اور زمیندار مسلمانوں کو بھی دیکھا اور آپ کو تعجب ہوا کہ یہ اپنے غریب بھائیوں کی
مدد نہیں کرتے مگر تحقیق کے بعد یہ سارا شبہ رفع ہو گیا یعنی ان کی ثروت اس وجہ سے
قائم تھی کہ وہ سکھوں کو مجلسوں میں تمام اسلام اور شعائر اسلام کی نسبت توہین آمیز

مرید بھی الیسے ہی [illegible] تھے یہ ارشاد کیا کہ تمام [illegible]
[illegible]
ہوں گے امام کے دانت فوق عطرہ [illegible] سے خود بخود ٹوٹ جائیں گے یعنی ایک [illegible]
[illegible] ان کے دانت نکال سکے گا ورنہ ٹوٹ جائیں گے تو ہم اپنے
ان دانتوں کو رکھ چھوڑیں گے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس قسم کی باتیں نہ درج ہوئی تھیں
لیکن ان کا ان لوگوں کی طبائع پر بہت کم ہوتا تھا ہمارے عارف باللہ اویس نے زیادہ مرید
اپنی زندگی میں زیادہ بہم نہ پہنچائے آخر یمن میں ہی آپ کو وفات ہو گئی [illegible]
میں شیخ علوان نے اول ہی اول فقیری کے مستقل قاعدے و طرق کی بنیاد ڈالی۔ اب تک سب
کے سب موجود ہیں جو العلوانیہ کہلاتے ہیں گو اسلام نے نفس پر زیادہ تشدد کرنے والوں کو
سے منع فرمایا مگر پھر بھی فقرا نے وہ وہ خود تشدد نفس اور خوفناک ریاضتوں کے نکالے جن [illegible]
شبے اب تک ہوتے ہیں۔ امام ذہبی اور سیوطی نے اپنی مشہور کتاب طبقات [illegible] میں لکھا ہے کہ ہر ملک
کا کوئی مشہور معروف مولوی یا فاضل اسلام کا ایسا نہ ہوا جو کسی سلسلہ کا ممبر نہ ہو۔ ہر صدی میں فرقے
نئے بیشمار پیدا ہوئے اور پھر سب کے گروہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے جو آج تک موجود ہیں۔ مذکورہ

الفاظ استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات سلطنت کی آنکھ میں اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے اب غریب مسلمانوں کو ناحق بے گناہ گرفتار کرادیتے تھے وہ بظاہر مسلمان تھے مگر در اصل سکھ ہی تھے جو اپنی عارضی زندگی آرام سے گذارنے کیلئے یہ ملازم

بار ناصل نے تیس پیشوا ؤں کے نام مع ان کے وطن وغیرہ کے اپنی بیش بہا کتاب میں لکھے ہیں جو ہم درج ذیل کرتے ہیں

نمبر	طبقہ فقرا	بانی	وطن بانی	سنہ ھ	سنہ ع
۱	الوانیہ	شیخ الون	جدہ	۱۴۹ھ	۷۶۶ع
۲	ادہمیہ	ابراہیم بن ادہم	دمشق	۱۶۱ھ	۷۷۷ع
۳	بسطامیہ	بایزید بسطامی	جبل بسطام	۲۶۱ھ	۸۷۴ع
۴	سقطیہ	سری سقطی	بغداد	۲۹۵ھ	۹۰۷ع
۵	قادریہ	عبدالقادر جیلانی	بغداد	۵۶۱ھ	۱۰۶۵ع
۶	رفیعیہ	سید احمد رفیع	بغداد	۵۷۶ھ	۱۱۸۲ع
۷	سہروردیہ	شہاب الدین	بغداد	۶۰۲ھ	۱۲۰۵ع
۸	کبرودیہ	نجم الدین	خوارزم	۶۱۷ھ	۱۲۲۰ع
۹	شہزلیہ	بو الحسن	مکہ	۶۵۶ھ	۱۲۵۹ع
۱۰	مولویہ	جلال الدین رومی	کنواج	۶۷۲ھ	۱۲۷۳ع
۱۱	بدویہ	ابوالفطن احمد	تانشا مصر میں	۶۷۵ھ	۱۲۷۶ع
۱۲	نقشبنہ با	پیر محمد	قصر عریفا	۷۱۹ھ	۱۳۱۹ع
۱۳	سعدیہ	سعد الدین	دمشق	۷۳۶ھ	۱۳۳۵ع
۱۴	بکتشیہ	حاجی بکتش	کیر سہر	۷۳۶ھ	۱۳۳۵ع
۱۵	خلواتیہ	عمر خلواتی	قیصریہ	۸۰۰ھ	۱۳۹۷ع

باتیں کرتے تھے مگر سچ پوچھو تو ان کی بھی عزت نہ تھی۔ ہاں صرف اتنی بات تھی کہ سکھوں کے دست ظلم سے ان کا مال و متاع بچا ہوا تھا۔ غرض امرت سر کی مولانا شہید نے خوب خوب سیر کی اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ خستہ حالت کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ اب

۱۶	زینیہ	زین الدین	کوفہ	۸۳۸ھ	۱۴۳۸ء
۱۷	بابیہ	عبد الغنی	ایڈریانوپل	۸۴۰ھ	۱۴۳۸ء
۱۸	بیرامیہ	حاجی بیرمی	انگورا	۸۷۶ھ	۱۴۷۰ء
۱۹	اشرفیہ	اشرف رومی	چلین ازنگ	۸۹۹ھ	۱۴۹۳ء
۲۰	بکریہ	ابو بکر وافعی	لیپو	۹۰۲ھ	۱۴۹۶ء
۲۱	سنبلیہ	سنبل یوسف بلوی	قسطنطنیہ	۹۳۶ھ	۱۵۲۹ء
۲۲	گلشانیہ	ابراہیم گلشنی	قاہرہ	۹۴۰ھ	۱۵۳۳ء
۲۳	اگہبت تنبیہ	شمس الدین	گمنیا	۹۵۰ھ	[illegible]
۲۴	ام شنبیہ	شیخ امام سنن	قسطنطنیہ	۱۰۰۱ھ	۱۵۹۳ء
۲۵	جلواتیہ	پیر آفندی	روسا	۹۹۹ھ	۱۵۹۰ء
۲۶	عشاقیہ	حسن الدین	قسطنطنیہ	۹۵۹ھ	۱۵۵۲ء
۲۷	شمسیہ	شمس الدین	مدینہ	۱۰۱۰ھ	۱۶۰۱ء
۲۸	سنن میہ	علم سنن الٰہی	آوالی	۱۰۷۰ھ	۱۶۶۰ء
۲۹	نیازیہ	محمد نیاز	لمنس	۱۱۰۰ھ	[illegible]
۳۰	مرادیہ	مراد شامی	قسطنطنیہ	۱۱۳۲ھ	۱۷۱۹ء
۳۱	نور الدینیہ	نور الدین	قسطنطنیہ	۱۱۴۶ھ	۱۷۳۳ء
۳۲	جمالیہ	جمال الدین	قسطنطنیہ	۱۱۶۴ھ	۱۷۵۰ء

ان میں سے تین گروہ بسطامیہ نقشبندیہ بکتشیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے اپنے کو کہتے ہیں اور باقی مانند حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکلے ہیں۔ [illegible]

نے جیسا کہ تاریخ علمائے دہلی والا لکھتا ہے اس سفر سے امرت سر سے کچھ نہ کچھ پولیٹیکل فائدہ بھی اٹھانا چاہا۔ گو یہاں سکھوں کے ظلم و ستم کی یوں آگ مشتعل ہو رہی تھی پھر بھی آپ کی دلیر مگر دور اندیش طبیعت نے پولیٹیکل فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کیا۔ آپ نے پوشیدہ پوشیدہ لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ نکالا اور ان کے خیالات

عظیم الشان بانیوں تک اپنا سلسلہ پہنچاتا ہے۔ نقشبندیہ جو خواجہ پیر محمد نقش بند کے پیرو ہیں۔ مختلف ترک رکھنے میں یہ لوگ عموماً ذکر خفی کرتے ہیں اور بالکل یہی طریق ان کے ہاں رائج ہے ان کی خاص عبادت کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔ ایک بار استغفار کہتے ہیں سات بار صلوات سات بار فاتحہ۔ نو دفعہ سورہ الم نشرح پڑھتے اور اس کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے ہیں۔ ان عبادتی تقریبات کا نام ذکر ہے اس کے خاص کرنے کے لئے وہ ہفتہ میں ایک بار باہم ملتے ہیں معمولی طور پر یہ دن جمعرات کا ہوتا ہے عشا کی نماز کے بعد سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور تمام شب رہتا ہے۔ ہر شہر اور ہر شہر کے ہر ضلع میں اس کے ممبر مختلف سوسائٹیوں میں منقسم ہیں۔ وہ سب مل کے اپنے مرشد کے مکان پر جمع ہوتے ہیں۔ اور نہایت ہی توجہ سے ذکر کرتے ہیں پہلے پیر یا لونڈ کوئی بھائی ایک لفظ زبان سے نکالتا ہے اور بعد از اں سب مل کے کہتے ہیں یا اللہ۔ بعض شہروں میں نقشبندیہ کے خاص خاص وسیع مکان مقرر ہیں جو خاص کر یہی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں شیخ اپنے ممتاز علم سے اپنے مریدوں میں بھانا جاتا ہے فرقہ بکتاشیہ کا بانی بخارا کا رہنے والا تھا جس نے جان نثاروں میں پر جوش روح پھونک کر بہت بڑی ناموری حاصل کی تھی اس گروہ کے فقیر کی نشانی ایک پٹکا ہے جسے مقصد ذیل فقرے کہہ کہہ اپنی کمر سے باندھتے ہیں۔

(۱) میں نے حرص و ننگ چشمی کو کس لیا اور مروت چشمی یا نیچ حرمی کو کھول دیا۔

(۲) میں نے غصہ کو باندھ لیا اور عاجزی کو کھول دیا۔

(۳) میں نے بخل کو گانٹھ لیا اور پارسائی کو کھول دیا۔

(۴) میں نے جبات کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا۔

(۵) میں نے جیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا۔

(۶) میں نے جیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی محبت کو کھول دیا۔

سکھوں کی بابت دریافت کیے۔ وہ بیچارے روزمرہ پرمن انگریزی عملداری میں بھاگے جاتے تھے خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی تادیب دہندہ کھڑا ہو اور ان ناواجب باتوں کا سکھوں سے عوض لے۔ مسلمانوں کو خوف اس قدر تھا کہ وہ سکھوں کے خلاف منہ کرنے میں بھی جان کی ہلاکت سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے اگر کچھ سن گن سکھوں نے اس

---

(۷) میں نے بھوک کو بس کیا اور روح کو کھول دیا۔

(۸) میں نے شیطنت کو باندھ دیا اور جنت کو کھول دیا۔

سلطنت ترکی میں مولویہ فقیر کثرت ہیں اگر گروہ فقیر کے بانی مولوی جلال الدین رومی ہیں جو مشہور مصنف مثنوی کے ہیں یہ مثنوی ایران اور تقریباً کل اسلامی دنیا میں شوق سے پڑھی جاتی ہے ان فقراء کے تکئے بنے ہوئے ہیں جہاں بدھ اور اتوار کو ان کے جلسے ہوتے ہیں یہ فقیر لمبی لمبی ٹوپیاں پہنتے ہیں اور عمامہ کے طور پر ان کا سا سر ہوتا ہے۔ عمامہ کی صورت بالکل ہی چھوٹا سے ملک کے مشابہ ہے جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں ذکر کرتے ہوئے وہ اپنے جامے اتار ڈالتے ہیں اور صرف جاکٹ اور نیچے کوٹ پہنے رہتے ہیں کبھی اچھلتے ہیں اور کبھی سر کو گردش دیتے ہیں اور کبھی غیر معمولی جوش میں چکر کھانے لگتے ہیں فقرائے قادریہ کا بانی سید عبدالقادر ہے جس کا لقب پیر دستگیر ہے اور آپ بغداد میں مدفون ہیں یہ لوگ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں ہی کرتے ہیں ہندوستان کی شمال مغربی حدود میں بہت سنی المذہب مولوی قادریہ ہیں

چشتیہ معین الدین بندہ نواز پیرہ ہیں جن کا لقب گیسو دراز ہے آپ کا مزار کلبرگہ میں ہے عموماً شیعہ ہی مذہب بالطرف منتظر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ راگنی سے شوق رکھتے ہیں کیونکہ اس گروہ کا بانی نے کہا ہے کہ گانا روح کی خوراک ہے یہ لوگ ذکر جلی کرتے ہیں۔

گروہ جلالیہ کا بانی سید جلال الدین بخارا کا رہنے والا ہے۔ یہ فقیر وسط ایشیا میں بہت پائے جاتے ہیں اکثر مذہبی دیوانہ گری سے منسوب فقیر ہوتے ہیں

سہروردیہ افغانستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان ہر زمانہ میں بھی ... شہاب الدین سہروردی کے رہنے والے یہ پیر ہیں (سہرورد عراق کا ایک شہر ہے) ایک شہر

کی پالی تو گھر بار اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا۔ اور بال بچے کولہو میں پلوا دیے جائیں گے مولانا شہید کو پنجابیوں سے تو کچھ مدد نہ ملی ہاں افغانوں سے اپنے ارادہ میں بڑھتی ہوئی دیکھی ایک دن مولانا شہید ایک بوڑھے افغان سے ملاقات ہوئی

فقیروں اور ہیں بھی بے شمار۔

ہندوستان میں قمر داریہ چشتی کے فقیر بکثرت آباد ہیں اس گروہ فقراء کا بانی زندہ شاہ مدار شامی ہوا ہے جس کا مزار مکنپور (اودھ) میں ہے ملنگ فقیر اسی گروہ سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں وہ ایک گرہ میں اپنے بالوں کو باندھ لیتے ہیں جو اکثر ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا رفیعیہ گروہ کے فقیر بھی ہندوستان میں بے شمار ہیں وہ اپنے نفس پر بہت سختی توڑتے ہیں۔ ان کی عبادت یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کی کھال رات دن ادھیڑا کریں۔ یہ درویش ترکی اور مصر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ فقراء کا قلندریہ ہے جس کا بانی قلندر یوسف اندلسی ہوا ہے جو اپین کا رہنے والا تھا۔ کچھ زمانہ تک وہ بختشیہ رہا لیکن جب اس بنتیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے بطور خود ایک طریقہ کی بنیاد ڈالی۔

غرض تحقیق سے یہ ثابت ہو گئی کہ کل گروہ کے فقراء کے اصول ذکر مختلف ہیں اور جب غور سے دیکھا گیا۔ تو سب اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخر الزمان نبی مانتے ہیں یہی یعنی اسلام ہے۔ اور یہی دین خدا ہے۔ گویا ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ بعض گروہ۔ افراط و تفریط میں پڑ کر شریعت کے اصول سے متجاوز ہو گئے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے کبھی وہ باتیں نہیں کیں۔ جو آج ان کے نام لیوا کر رہے ہیں۔ ان کا ایک بڑا اصول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے۔ مگر آج ہمارے بھائی صوفی یا فقیر اس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کا میں نے تجربہ کر لیا ہے۔ کہ کوئی صوفی یا فقیر جس گروہ میں اپنے کو بیان کرتا ہے۔ نہ تو اس کے بانی کی سوانح عمری اسے یاد ہوتی ہے نہ وہ اس کے اصول جانتا ہے۔ نام کے قادریہ اور نقشبندیہ رہ گئے ہیں۔

ان میں سے بعض قسم کے فقیر مولانا شہید کو پنجاب میں بہت سے ملے مگر سوائے گود پرستی اور چڑھاوا لینے کے کسی مذہبی فرض کا انجام دہی میں انہیں سرگرم نہیں دیکھا پیری مریدی کا بھی

اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ کہ ہمارے نابالغ بچوں اور بیمار مردوں عورتوں کو سکھوں
نے کس بے رحمی سے قتل کیا ہے اور آگ میں جلا دیا بلکہ اگر خیال ہے تو یہ ہے کہ
انہوں نے ہمارے پاک مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ اور ہماری مسجدوں
میں سؤر ذبح کئے اور جو کچھ انہوں سے ہو سکا دین اسلام کی توہین کرنے میں کوئی
دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اب تک وہ اسی سرگرمی سے توہین اسلام کئے جاتے ہیں بے
محابا سکھ ہر مسلمان کے مکان میں چلے جاتے ہیں۔ انہیں اختیار ہے جو چاہیں اتفاقیہ

مریدی ادا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مرید اکثر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔ اور
کبھی کبھی مرشد بھی اپنے مریدوں کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ یہ مکان جہاں یہ مقدس نفس
خدائے برحق کی پرستش کی اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ عموماً باغوں میں بنے ہوتے ہیں اور
جنہیں ترکی اور مصر میں تکیہ کہتے ہیں وہاں دوسرے شخص کا گذر نہیں۔ درویش میں مرید ہونے کادوسر
دستور جو ذکی بیگ نے جرنیل ایشیاٹک میں بیان کیا ہے وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جب میں نے آخوند ملا محمد کے ذریعہ سے شیخ ملا شاہ سے شرف مریدی حاصل کیا
میں نہیں بیان کر سکتا میرے دل کی کیا حالت ہو گئی تھی۔ مجھ میں وحدت پرستی کی دل سے خود بخود
ابلنے لگیں اور غیر معمولی جوشوں نے میرے قلب کو گھیر لیا۔ ... سے میری طبیعت میں خدا کے
سچے علم سیکھنے کی بھڑکتی ہوئی آگ لگ گئی۔ اس کی تلاش اور تحصیل میں حضرت کی خدمت میں دن رات کا
آدم رہتا تھا۔ انہوں نے تعلیم میں شب و روز مجھے سورہ اخلاص کا ورد رہتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ
میں کتنی بار پڑھ جاتا۔ میرا خیال یہ ہے جو شخص اس سورہ کو سو بار پڑھے گا۔ وہ اپنی دلی حسرت پوری
کرے گا

میں نے چاہا کہ شیخ مجھے توجہ دے اور اپنی محبت مجھے بخشے میں نے سورہ اخلاص کا ذخیرہ
ابھی ختم کیا تھا کہ خود بخود مرشد کے دل میں میری طرف سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ گذشتہ شب میں
اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام شب وہ مجھے توجہ دیتا رہا جبکہ میں نے اپنے کو بالکل باطنی
استغراق میں محو کر دیا۔ تین شب یوں ہی توجہ لیتے گذر گئیں۔ چوتھی شب شیخ نے کہا اب ملا

اس پر یہ عظیم الشان جرم قائم کر کے سزائے موت دی جاتی تھی چند کوتاہ قلموں نے سکھوں کے ان قابل رحم مظالم کو لوگوں کے دلوں سے نسیاً منسیاً کرنے کے لئے مسلمان شہنشاہوں کے سر پر جابرانہ ظلم چپکے ہیں اور اپنی بے معنی تواریخ میں من گھڑت قصے گھڑ گھڑ کے انہیں بدنام کرنا چاہا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ خاک ڈالنے سے نہ مہتاب چھپ سکتا ہے نہ روشن آفتاب کی کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی ہو سکتی ہیں ایسی تاریخوں سے ہندوؤں کے بچے ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں اور چسکے لے لے کر ایسی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ مگر منصف کی نگاہوں میں وہ ساری باتیں بیہودہ اور لغو ہیں۔ غرض مولانا شہید امرت سر سے لاہور پہنچے اور ایک سرائے میں جا کر قیام کیا۔ آپ نے حکومت کا رنگ دیکھ کر پشاوری کو علیحدہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ دن کو مجھ سے نہ ملے نہ کبھی بات کرے کیونکہ رنجیت سنگھ کا یہ حکم تھا کہ اگر پشاور یا قندھار کا باشندہ کسی پردیسی سے بات چیت کرتا ہوا دیکھا جائے تو اسے اسی جگہ پر فوراً بغیر پوچھے گچھے سزائے موت دی جائے صدہا بے گناہوں کی جانیں اسی طرح ضائع ہو چکی تھیں مگر ان کا انتقام لینے والا کوئی نہ تھا۔

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ جھٹکے کر کے کھاتے ہیں۔ دہلی میں ہرے رکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں معہ شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں مگر سکھوں میں ایسے نہیں ہوتے۔ وہ ایک بڑے فولادی پنجرے میں چیل۔ کوے۔ کبوتر۔ بٹیر۔ مینائیں۔ طوطے غرض مختلف قسم کے جانور بند کر کے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے سے آگ دے دیتے ہیں۔ وہ زندہ پرندہ پھڑ پھڑا کے بھن کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں صاف کر کے یہ ناخدا ترس کھاتے ہیں اسی طرح بے

گئے ۔ مسلمانوں کے ہوئے کئے جاتے تھے اور یوں تڑپا کے انہیں مارا جاتا تھا۔ ہم ان
خوفناک کارروائیوں کا ذکر نہیں کر سکتے جو یہ بازار سکھ کرتے تھے۔ ہماری تمدنی
تہذیب و شائستگی ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم ان میں سے ایک بات کا بھی
ذکر کریں صرف اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ سکھوں کی فطرت میں جو کچھ تھا اور ان
کی بوڑھی عقل جتنے مظالم ایجاد کر سکتی تھی وہ انہوں نے بے گناہ مسلمانوں پر توڑے
جنہوں نے اُف تک نہیں کی۔ ہم اپنے قول کی سند کے لئے ایک معتبر کتاب سے جو
ایک ہندو اکسٹرا اسسٹنٹ کی تصنیف ہے چند جملے سکھوں کے مظالم کی
بابت نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے غالباً کسی غلطی سے اس زمانہ کا ذکر کیا ہے جب
مولانا شہید دورہ پنجاب میں تھے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

" ان ایام سکھوں کا طریق غارت گری اور لٹیرے پنے کا تھا جو ہاتھ آتا تھا
لوٹ کر اپنی اپنی جماعت میں تقسیم کر لیا کرتے تھے اور بسبب ان کی لوٹ کے علاقہ
داروں اور دیہات والوں نے ان کو نذرانہ دینا منظور کیا کہ وہ نہ کبھی [illegible]
مسلمانوں سے سکھوں کی بڑی دشمنی تھی۔ اذان یعنی بانگ بلند آواز سے
نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کر گرنتھ پڑھا اس میں [illegible]
کرتے اور اس کا نام مست گڑھ رکھتے تھے   سند اور ہندوؤں کے
ان کو مطلق نہیں شکار اور شراب خور ہوتے ہیں۔ اور گھوڑے پر چڑھتے ہوئے
روٹی کھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور دیکھنے والے کہتے ہیں جہاں وہ بیٹھتے تھے جو مٹی
کا برتن کسی مذہب والے کا خصوصاً مسلمان کا پڑا ہوا ان کو ہاتھ آجاتا تھا پانچ
جوتے اس پر مار کر کھانا پکا لیتے تھے یعنی پانچ جوتے اس پر مارنا اس کو پاک کر دینا

سمجھتے تھے"

ناظرِ سوانح اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندو مصنف نے جب یہ واقعہ بیان کیا ہے اور مجبوراً اُس کے قلم سے بھی سرزد ہو گیا۔ پھر کون شبہ کر سکتا ہے کہ ہمارا مخبری رپورٹر غلط بیان کرے۔ اوپر والے جملوں کے ہر ہر لفظ سے ٹپکتا ہے کہ ہندو مصنف سکھوں کے مظالم کا حال لکھنا نہیں چاہتا۔ مگر واقعات کا اظہار اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ دبی زبان ہی سے سہی ضرور قلم بند کرے ہر ہر لفظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مصنف قلم سے نکالنا نہیں چاہتا اور وہ نکلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک شخص ایک قدم بھی اٹھانا نہیں چاہتا اور زبردستی دھکیل کر کوئی شخص اسے لے جانا چاہتے۔

مولانا شہید نے لاہور میں پہونچکر امرتسر سے بھی زیادہ سکھوں کے جابرانہ مظالم کا رنگ چڑھا ہوا دیکھا۔ جہانگیر کے مقبرے سے قیمتی پتھر اکھیڑے گئے تھے اور گرنتھ پڑھنے کا مقام اسے بنا لیا گیا تھا جس کا نام ست گڑھ رکھا تھا۔ سینکڑوں نام آور مسلمانوں کی قبریں اکھڑوا کر پھینکوا دی تھیں۔ ہماری دس مسجدیں بمشکل مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں۔ اور ان پر بھی سکھ اپنا ہی تسلط رکھتے تھے کہیں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ تو کہیں خود رہتے ہیں۔ کہیں گرنتھ پڑھنے کی جگہ ہے تو کہیں بد اعمالی کرنے کا مقام ہے۔

یہاں کے مسلمانوں کی حالت دو صورتوں سے قابلِ رحم تھی پہلی صورت تو یہ تھی۔ کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے روشن احکام کو بھلا دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایمان کے ذکر و اذکار میں قرآن و حدیث کو تو بالکل ہی اڑا دیا تھا۔ صرف

کسی خرمنی پیر شہید کے اقوال یاد ہو گئے تھے جنہیں وہ کلام ربانی سے بہتر اور مستند گردانتے تھے۔ یہ پہلا خونی نظارہ تھا جس سے پیارے شہید کے آنسو ٹپک پڑے اور وہ بے انتہا بے تاب ہو گیا۔ نمازوں میں بجائے اللہ اکبر کے یا غوث اغثنی لوگوں نے کہنا فرض کر لیا تھا۔ اس سے زیادہ قہر خدا مسلمانوں پر اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے دین سے بالکل گمراہ ہو گئے۔ خدا کی گوناگوں رحمتوں کا بادل ان پر سے بالکل الٹ گیا تھا۔ بعینہٖ یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر کسی کے آگے قرآن کی آیتیں پڑھو تو وہ منہ پھاڑے ہوئے دیکھتا تھا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ اور کس ملک کی بولی ہے۔ ہاں پیروں شہیدوں ولیوں کی جھوٹی کرامتوں کی قلمی کتابیں ان کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی تھیں جو حد سے زیادہ کفر و الحاد کی طرف ان کو لیجانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی کا مرید ہو جانا جنت کو خرید لینا ہے۔ پھر گویا جنت ان کے باپ دادا کی ہو گئی یہی کیفیت پیروں کی تھی۔ اور یہی حالت مریدوں کی۔ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ یہ پہلا خونی اور فنا کر دینے والا نظارہ تھا جس نے مولانا شہید کو خون کے آنسو رلایا۔ اور بعد ازاں اس سے دوسرے درجہ کا سکھوں کی دین اسلام کے ساتھ بے ادبی اور مسلمانوں پر ناقابل بیان مظالم تھے جو ہر عدالت ہر شاہراہ ہر محل اور سکھوں کے ہر مکان میں ہوا کرتے تھے۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ سکھوں نے کون کون سے ظلم مسلمانوں پر کئے بلکہ یہ لکھنا چاہیے کہ کونسا ظلم دنیا میں ایسا باقی رہ گیا جو انہوں نے نہ کیا ہو پنجاب میں ہمیشہ سے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ مگر یہ افسوس سے دیکھا جائیگا۔ کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ۳۵ فی صدی مسلمان جلاوطن ہو گئے انگریزی عملداری میں چلے آئے تھے اب سمجھ لیا جائے کہ سکھ سلطنت نے

کیسا وحشیانہ برتاؤ کرتے تھے جس کی نظیر سوائے اندلس اور بیت المقدس کے تیسری جگہ نہ ملے گی۔ یہ مظالم مولانا شہید نے خود دیکھے اور آپ کی طبیعت پر ان افسوسناک منظروں نے عجیب اثر کیا آپ کا قطعی ارادہ ہو گیا کہ ان سکھوں سے حتی الوسع انتقام لینے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جس تدبیر سے ممکن ہو مسلمانوں کو ان کے پنجہ ظلم سے نجات دلوانی ضرور ہے۔ کئی موقعوں پر آپ نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھے اپنی تند طبیعت اور خطرناک بہادری سے کئی بار سکھوں کے مقابلہ میں دست شمشیر ہونا پڑا مگر آپ کی دور اندیش اور محتاط عقل سمجھتی تھی کہ یہ شجاعت نہیں ہے بلکہ حماقت ہے جس سے سوائے جان ضائع ہونے کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

ایک ملکی یا قومی ہمدرد کبھی گوارا نہ کریگا کہ اس کے سامنے قوم کے بچے یوں بے بسی کی حالت میں ذبح کئے جائیں مگر مقتضاء وقت سے بشرطیکہ اس کے دماغ میں عقل ہے۔ وہ کسی خوش آئندہ موقع کا منتظر رہیگا۔ اور اسی کو سچی شجاعت اور قوم پر جاں نثاری کہتے ہیں۔ محض جان دینے کا نام بہادری نہیں ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر جان دینے کا نام شجاعت ہے جس سے قوم کا بیڑا پار ہو جائے اور تمام آفتیں قوم پر سے ٹل جاویں۔

مولانا شہید نے گاؤں درگاؤں اور قصبہ در قصبہ چکر لگایا سکھوں کے مظالم کی خوب خوب بانگی دیکھی۔ انکے پولٹیکل معاملات اور بندوبست سلطنت کو بھی ملاحظہ کیا۔ راہ میں بہت سے مسلمان سرداروں سے افغانستان کی سرحدات پر ملاقات ہوئی ان سے بھی جو کچھ حاصل کرنا تھا کیا۔

تمام سفر میں دو تین جگہ مولانا شہید پر سکھوں کی طرف سے زیادتی بھی ہوئی اور
کوئی تعجب نہ تھا کہ پیارا شہیداں کی تیغ براں کا شکار ہو جاتا مگر فطرت کو اس سے بہت
سے کام لینے تھے اور انہیں نازک کلائیوں پر سکھوں کے بہت سے شہروں کی فتح لکھی
ہوئی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ ذرا بھی بال بیکا ہوتا اور کسی قسم کا بھی آسیب آپ کی مبارک
ذات پر حادث ہوتا۔ دو برس تک مولانا شہید نے پنجاب کی سیر بالکلیہ کرلی اس
کثیر عرصہ میں آپ کو سکھوں کی گرمکھی بولی سے بھی مہارت تامہ حاصل ہو گئی ڈوگری
پنجابی بخوبی بولنے اور سمجھنے لگے اور خاموشی ہی سے صدہا مسلمانوں کو گور پرستی کی
تاریکی سے نکالا۔ آپ کی خاموشانہ تلقین کا اہل پنجاب پر یہاں تک اثر ہوا کہ جو مرد
بھی عورتوں کی سی تہ بند باندھنے لگیں۔ اور عرصہ تک پنجابیوں کی یہ کیفیت رہی کہ برہنہ
شاہراہوں میں پھر رہے ہیں کہیں ان کے کان میں یہ پڑ گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی
بارہا برہنہ پا پھرے ہیں۔ کیا تو یوں گور پرست تھے اور کیا اپنے ہادی کی محبت میں
پیارے شہید کے ذریعہ سے ایسے محو ہوئے کہ دنیاوی معاشرت میں بھی رسول کا اتباع
افضل جانا۔ مولانا شہید کے وعظ میں قدرتی تاثیر تھی۔ کلکتہ کے اضلاع میں
بنگالی مسلمان ایسے دکھائی دیتے ہیں جو جوتیاں کم پہنتے ہیں اور کرتے کے گریبان
میں گھنڈی یا بوتام کم لگاتے ہیں۔

مولانا شہید نے اس سفر پنجاب میں جو جو کچھ سختیاں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں
انہیں مفصل بیان کرکے ہم ناظر کا وقت نہ لیں گے۔ صرف اس کے اطمینان کے
لئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ آپ نے یہ سفر پا پیادہ کیا تھا۔ اس سفر میں کبھی آپ
برہنہ پا ہوتے تھے اور کبھی پاؤں میں جوتی ہوتی تھی چونکہ چلنے پھرنے پانی میں

تیرنے کی مشق بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اس عظیم الشان سفر کو جتنا خیال میں آسکتا تھا مفید بنایا اور خوش قسمتی سے کبھی آپ سفر میں مریض نہیں ہوئے ۔

اگر ہمارے دماغ میں ذرا بھی عقل ہے اور ہمیں فطرت سے فہم سلیم کا حصہ ملا ہے تو آسانی سے ہماری سمجھ میں آجائیگا کہ مولانا شہید میں فاروق اعظم جیسی روح اور حضرت خالد جیسے بید عڑک شیر کی سی سپرٹ اور سچے مسلمانوں کا سا دین پر فدائیانہ عشق تھا جس نے ہوش سنبھالتے ہی مسلمانوں کی خستہ حالی پر خون کے آنسو بہائے اور ان کی ترقی میں بڑا ہوا، بوڑھا ہوا اور آخر ان ہی کے لئے جان دیدی اس تواریخی اتار چڑھاؤ کے دیکھنے کے بعد اس عظیم الشان اور محنت اور جان نثاری کے علم حاصل ہونیکے بعد اگر اب بھی ہم اپنی ناتراشیدہ عقول کے صدقہ میں نئی نئی گھڑی ہوئی باتیں آپ پر عاید کریں اور اپنی ناپاک تصنیفات میں آنکھیں بند کر کے ناملائم جملوں سے یاد کریں تو ہماری حالت پر افسوس ہے یہ کتنے ماتم کرنے کا مقام ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو مسلمان بنانے کے لئے ملک کے ملک چھان ڈالتے تھے اور جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تھے تو اپنی خطرناک محنتوں کا صلہ انہیں اپنی کامیابی سے وصول ہو جاتا تھا یا اب یہ مادہ آگیا کہ ہم ان برتر نفوس کو جن پر قوم اسلام قیامت تک فخر کرے گی اپنی قوم سے نئے نئے من گھڑت الزام لگا کے خارج کرنا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ ان رذیل الفاظ کو دیتے ہیں جو درحقیقت ننگ اسلام اپنی زندگی میں بھی رہے اور مرنے کے بعد بھی رہیں گے ۔ اگر چشم بصیرت وا ہو اور انصاف کی تو دل اور دماغ میں ہو اور اس سے کچھ بھی تعلق ہو تو معلوم ہو کہ ہندوستان میں پہلا شخص اسمٰعیل ہوا ہے

جسے ہم ریفارمر (مصلح) کا لقب دے سکتے ہیں۔ ہندوستان کی ہزار برس کی سلطنت کا اگر کچھ نتیجہ ہوا ہے تو یہ کہ مسلمانوں میں ایسا شخص پیدا ہوا جس نے صدیوں کی خرابیوں کو دور کر دیا۔ اور جس کے واقعات سوانحعمری سے اس کی کافی شہادت ملتی ہے ہاں انصاف اور اسلام سے سچی محبت اور نبی اکرم سے فدایانہ عشق چاہیئے۔

ساتواں باب

سفر سے مراجعت۔ دہلی کی بے بنیاد افواہیں۔ سید احمد صاحب سے ملاقات

جب مولانا شہید نے اپنے دلی مقاصد حاصل کر لئے تو آپ دہلی تشریف فرما ہوئے فی الحال آپ نے اپنے ارادہ کی اطلاع کسی کو بھی نہیں کی نہ یہ بیان کیا میں کیوں گیا تھا کہاں کہاں کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ یہ باریک اور رازدار باتیں اسی حد تک کام دے سکتی ہیں جب تک وہ عالم بطون میں ہیں اور جہاں ان کا افشا ہو گیا پھر ان میں فائدہ پہنچانے کا زیادہ مادہ نہیں رہتا۔ آپ نے اپنے داخلہ کے وقت سے بھی کسی کو اطلاع نہیں دی آپ کا ارادہ جس طرح رازدار تھا اسی آپ کا سفر بھی نامعلوم تھا سکھوں کی بے انتظامی کی وجہ سے پنجاب کے راستے بہت خراب تھے اکثر جاٹ اور قزاقی پیشہ زمیندار اکے دُکے پر حملہ کرتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ تنہا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بھی سفر کر سکے۔ اور علاوہ رہزنوں کے بھیڑیوں گھبیروں تیندوں اور بعض اوقات شیروں کا بھی ڈر ہوتا تھا۔ جو سالانہ صدہا آدمیوں کا صفایا کر دیا کرتے تھے مگر آپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ آپ قافلہ کے پابند رہتے اور اسی کے ساتھ منزل بمنزل طے کرتا۔

سفر پنجاب میں بعض موقعے ایسے بھی پڑ گئے تھے کہ آپ کو چوبیس گھنٹے برابر چلتے رہنا پڑا۔ اور گھنٹہ بھر بھی آرام لینے کا موقع نہ ہوتا تھا۔ آپ کا مقصد عظیم کام خطرناک اور حالت نازک تھی۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان صورتوں میں آپ قافلہ کے ساتھ

معیت کر سکتے۔

یہ صحیح ہے جس کا عظیم الشان بھروسہ ل سے خدا کی مدد پر نہ ہو اسے کوئی چیز اذیت پہنچا سکتی ہے نہ اس بہادر پر کبھی خوف طاری ہو سکتا ہے وہ سو شیروں کا ایک شیر ہے اور سو بہادروں کا ایک بہادر ہے شیخ سعدی کی وہ حکایت جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یکے دیدم از عرصۂ رودبار　　　کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

بالکل صحیح اور درست ہے جس کے دل میں خوف خدا اور اسی پر بھروسہ ہے شیر کی ہرگز مجال نہیں ہے۔ کہ اس کو سواری نہ دے اور اس کے آگے غریب گدھے کی طرح نہ بن جائے۔ معمولی عقول ان باریک باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی جھجکیں گی۔ مگر جنہوں نے صوفیوں کے اقوال اور اولیاء (قوت تیقن) کی تاثیرات ملاحظہ کی ہیں۔ وہ ان باتوں کو کوئی بھی بڑا کام نہ سمجھیں گے۔ عربی داں واجب الاحترام صوفیوں کے اقوال دیکھ سکتے ہیں اور انگریزی خواں میڈم بلیوڈسکائی کی مصنفہ کتاب کا جو زیادہ تر اولیاء ہی کے بیان اور ان کی قوت تیقن اور ترتیب تربیت لائیمی مضمون کی توضیح کیلئے لکھی گئی ہے دیکھ کر اور سمجھ ہی اس کے سمجھ کے اپنا اطمینان کر سکتا ہے صوفی ان کو خرق عادت اور کرامت کہتے ہیں

مولانا شہید چونکہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم تھے۔ انہیں نہ جنگل کی سنسانی نہ خبیث ارواح یعنی رہزنوں چوروں کی دستبرد اور درندہ جانوروں کی دہشت انگیز آوازوں کا کچھ ہراس تھا نہ دشمن دین وایمان سکھوں کا چنداں خوف تھا جب آپ اپنے خیالات سے فرصت پاتے تو اپنے دل میں یہ خواہش تو ضرور کرتے

کہیں بیکار نہ مارا جاؤں میری جان شیریں مسلمانوں پر صدقہ ہو اور جب اپنے عالی شان فرائض کی انجام دہی یا توحید پھیلانے کا خیال آتا تھا تو پھر سوائے خدا کے کسی مہیب چیز سے تل برابر بھی خوف نہ رہتا تھا۔

کیا ہم روزمرہ اپنی آنکھوں کے آگے نہیں دیکھتے کہ رذیل انفاس حیوانی جذبات کے آناً فاناً کس کس طرح مغلوب ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں جبتک ان کے دماغ میں وہ جنون ہے دین و دنیا کا ہوش نہیں رہتا اور ایسی حالت میں ان سے کیسے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جن کا حدوث کبھی ان کی ذات سے ممکن نہیں سمجھا جا سکتا پہ جائیکہ پاک نفوس میں ربانی ذوق و شوق اور ملکیہ جذبات کا ابھار ہو پھر بھلا ارذل خلائق میں سے لے کونسی چیز آداب پہنچا سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے بارہا اپنے محمدی بھائی بو سے اپنے سفر پنجاب کا بیان فرمایا اور اثنائے گفتگو میں یہ بھی تذکرہ کیا کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ شیر اور شیرنی بیٹھے ہیں اور میں اپنے خیال میں محو ان کے آگے سے چلا گیا۔ نہ شیر نے مجھے دیکھ کر میری طرف جست کی نہ میں نے یہ دیکھ کر خوف کھایا کہ یہ شیر ہے مجھے کھا جائے گا۔

اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ انسان کی آنکھ میں وہ کشش ہے اگر کسی جانور سے دو تین منٹ بھی ملی رہیں تو وہ جانور یا تو اپنی جگہ پر بیٹھا رہیگا یا زمین پر گر پڑیگا یا بدحواس ہو جائیگا۔ جب تجربہ سے آنکھ میں اس قدر مقناطیسی کشش ثابت ہو گئی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دل میں جو گذرگاہ جلیل اکبر ہے اس سے ہزار چند زیادہ کشش نہ ہو اور وہ جس پر توجہ کرے لے بار نہ کرے اس لحاظ سے ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی بات مانع نہیں آتی کہ مولانا شہید کا دل پورا انسانی جوہروں سے سلح آراستہ

تھا جس طرح کہ ربانی جلوؤں سے منور ہو رہا تھا۔ پھر بھلا یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ شیروں نے آپ پر حملہ نہ کیا۔ اور آپ بھیڑیوں کے غول میں سے نکل گئے اور انہوں نے کان بھی نہ ہلایا جب ایک بصیرانہ نظر انسانی جبروت پر ڈالی جائیگی۔ اور اس کی ماہیت پر دل کی آنکھوں سے دیکھا جائیگا۔ تو اس بات کا ثبوت پورا مل جائے گا۔ کہ انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کی ذاتی شرافت نے اسے تمام کائنات پر فضیلت بخشی ہے۔ مولانا شہید کے سفر میں جن جن حوادث سے واسطہ پڑا تھا۔ اگر وہ مفصل بیان کئے جائیں اور ان کی ماہیت سے ناظر کو آگاہ کیا جائے تو گویا میں نے ناظر کو دھوکا دیا۔ اور اسے دیرینہ کراماتوں کے فسانہ کی بھول بھلیوں میں ٹپے ٹوئیاں مارتا ہوا چھوڑ دیا جہاں سے وہ فطرت کی گوناگوں قوتوں کی سمات اور نوعیت کو نہ سمجھ کر سخت پریشانی اور بے اطمینانی میں پڑ جائیگا۔ اس لئے میں ان واقعات کا ذکر نہ کرونگا۔ کیونکہ انہیں حل کرنے اور عام فہم بنانے میں جسقدر مجھے دقت پڑیگی اس سے کہیں زیادہ ناظر کو سمجھنے میں طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس لئے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ بیٹھے بٹھائے ناظر کو الجھن میں ڈالوں۔ بہتر ہے کہ دوسرے روشن اور صاف مطالب کی طرف اپنے قلم کو پھیروں

یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ دہلی میں مولانا شہید کے بعد کیا کیا افواہیں مخالفین نے بے پرکی اڑائیں اور اپنے شامت زدہ خیالات سے آپ کی والا ذات پر کیا کیا اتہامات عائد کئے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جناب شہید کا یہ سفر جسقدر نچ کا اور ذاتی تھا اسی قدر خاموشانہ تھا۔ وقت کی مصلحت ہرگز اسکی مقتضی نہ تھی کہ آپ اپنے سفر پنجاب کا تماشا کسی پر ظاہر کرتے یا یہ بھی بیان کرتے کہ میں سفر پنجاب پر روانہ ہوتا

یوں جب محمدی گروہ میں سے یکایک مولانا شہید غائب ہو گئے اور مخالفوں کے جستجو کے بعد بھی نہ ملے تو انکی طبائع میں خلجان پیدا ہوا اور وہ اس راز سربستہ کی جستجو میں اپنی عقلیں دوڑانے لگے بہت سے مخبر خاص اس کام کی انجام دہی کیلئے مقرر کیے گئے کہ مولانا شہید کے شاگردوں سے جہانتک ہو سکے ان کا پتہ لگائیں آیا وہ کہیں جمنا میں ڈوب گئے یا خودکشی کر کے راہی ملک بقا ہوئے انکی پہلی کوشش یہ تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں مولانا شہید کے ہمدردین کے سامنے ہوئے اور انھوں نے متعجبانہ لہجہ میں یہ دریافت کیا حضرت کئی دن سے ہم نے شاہ اسمٰعیل صاحب کو نہیں دیکھا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ گھر میں نہیں ہیں تعجب ہے کہ وہ کہاں تشریف لے گئے اور یکایک ہمیں بے پناہ چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب خود متفکر تھے۔ اور انہیں اپنے پیارے بھتیجے کا یوں یکایک چلے جانے کا صدمہ سخت ہوا تھا۔ گو وہ یہ بخوبی جانتے تھے۔ کہ اسمٰعیل کا یوں چلا جانا ضرور معنی رکھتا ہے اور اس میں اعلیٰ مقاصد کا مادہ مضمر ہے پھر بھی آپ کو خصوصیت سے محبت تھی آپ نے محض اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا تم پتہ لگاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے مجھے بھی اس کی اطلاع کر دینا۔

ناعاقبت اندیشوں نے اپنی خباثت طبائع کی بدولت یہ خیال کیا کہ شاہ صاحب جھوٹ بولتے ہیں، نہیں ضرور معلوم ہو گا کہ وہ کوتاہ بین یہ نہ سمجھے کہ شاہ صاحب کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ اسی خیال سے جاتے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے اپنے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب اور اپنے خاندان کے ہر ممبر سے اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے کے نہیں اور جو شخص دریافت کریگا۔ انہیں کہنا پڑے گا۔

اور اگر وہ یہ کہیں گے مجھے معلوم ہے بتاتا نہیں تو نئے نئے شبہات لوگوں کو ہونگے اور تعجب نہیں اپنی نافہمی اور تذبذب طبائع کی بدولت لوگ کیا کیا خیال کرنے لگیں گے۔ یہاں سے مخالف ناامید ہوئے اور انہیں پتہ نہ لگا تو اب دوسری تدبیریں کرنی شروع کیں یعنی آپکے شاگردوں سے جا گھسے پہلے انکے معتقد بن گئے اور کچھ صدق دلی سے انہیں نذرانہ بھی پیش کیا۔ چند روز میں ان پاکیزہ طینت طلبا، کو ان چلتے پرزوں نے گانٹھ لیا۔ اور ایک دن ادھر ادھر کی باتیں ملا کر رونے لگے اور شاہ اسمٰعیل صاحب کے چلے جانے پر سخت افسوس کیا۔ اور کہا کہ ایسی حالت میں کہ شرک و بدعت کی اصلاح ہوتی چلی تھی شاہ صاحب کا دہلی چھوڑ کر یوں چلا جانا قہرناک ہے غرض ایسی باتیں بنائیں جو انتہا درجہ کی ہمدردی سے بھری ہوئی تھیں اور ان میں دلسوزی سرتاپا پائی جاتی تھی۔ طلبہ نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب الہ آباد تشریف لے گئے ہیں۔ مگر یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ الہ آباد کیوں گئے ہیں۔ اتنا پتہ لگ جانا بھی انہوں نے اپنی فتح کی پیشین گوئی خیال کیا۔ اور ایسے راز سربستہ کے افشا ہونے پر وہ پھولے نہ سمائے۔ ان کے ظرف اس قابل تھے کہ وہ ان ناچیز کامیابیوں پر بغلیں بجائیں اور اپنی عقلمندی اس بے بنیاد خیالی کامیابیوں پر خیال کریں۔ انہوں نے یہ سنتے ہی کئی آدمی پوشیدہ الہ آباد دوڑائے کہ جا کر اسمٰعیل کی خبر لائیں۔ ڈیڑھ دو مہینے میں آدمی واپس آگئے اور انہوں نے صاف طور پر بیان کردیا وہاں اسمٰعیل نہیں گیا۔

اس تحقیق کے بعد خوفناک تذبذب ان کے دلوں میں پیدا ہوا اور اب وہ چاروں طرف ہکابکا دیکھنے لگے کہ یہ معاملہ کیا ہوا۔ کبھی تو آپ سے آپ یہ خیال

کرکے خوش ہوتے ہیں کہ خدا نے ہمارے دشمن کو غارت کیا کبھی یہ قاتل اور فنا کردینے والا خیال ان کے دل میں آتا ہے بخبر نہیں وہ اپنی کامیابی کی تدبیریں کرنے کیلئے ادھر اُدھر گیا ہوا ہوگا۔ ان دو متضاد خیالات سے ان کے دل پریشان تھے اور وہ حد سے زیادہ جستجو میں تھے جس طرح پتہ نکلے یہ نکالنا چاہیئے کہ آخر وہ غائب کہاں ہوگئے۔

اس جستجو کرنے والے گروہ کا لیڈر سب سے زیادہ دینا بیگ خاں تھا جس نے مولانا شہید کی بعد از شہادت کی خبریں کر جامع مسجد میں خوشی کی شیرینی عصر کی نماز کے بعد تقسیم کی تھی۔ اس کو تاہ اندیش کو بڑی جستجو تھی۔ اور اس نے اپنا سینکڑوں روپیہ پیارے شہید کے پتہ لگانے میں صرف کر دیا تھا کہیں مولوی فضل حق صاحب کے پاس لوگ بہاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپکا دشمن خود بخود دہلی چھوڑ کر چلا گیا اب آپ دہلی آکر تشریف رکھیئے بیچارے ایسی شکست فاش کھا کر راہی خیر آباد ہوئے تھے کہ انہیں گوارا نہ ہوا کہ میں دہلی جا کر رہوں اس کے علاوہ رامپور میں انکی بیش قرار تنخواہ بھی ہوگئی تھی۔ نواب رامپور بھی آپ کے علم و فضل کا معتقد تھا۔ دینا بیگ[1] خاں اور امام عیدگاہ دہلی کی عجیب کیفیت تھی جو شخص بھی انکے پاس کوئی جھوٹی خبر لاتا تھا اسے بھی دو ایک روپیہ دیا کرتے تھے۔ دینا بیگ نے تو عام طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ جو کوئی صحیح خبر اسمٰعیل کے مرنے کی سنا دیگا اسے پانسو روپیہ انعام کے دونگا معمولی طور پر کئی مہینہ تک یہ خبریں اڑتی رہیں کہ آج فلاں جگہ اسمٰعیل کی نعش دیکھی گئی ہے اور کل فلاں مقام پر ہم نے سنا کہ اسمٰعیل خودکشی کرکے مرگیا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ

---

[1] بیگ کے ساتھ خاں کا لفظ خطاب کا ہے جو مغلوں کو شاہ کی طرف سے ملتا تھا۔ ۱۲

اسمٰعیل کی چالاکی ہے آپ گھر میں بند ہو کر بیٹھ گیا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ میری نسبت لوگوں میں کیا کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور کیا کیا افواہیں اڑتی ہیں۔ یہ کبھی بھی کسی کو خیال نہ تھا کہ مولانا شہید نے اس عظیم الشان کام کیلئے سفر کیا ہے اور اس گرانبار فرض کی انجام دہی کیلئے اپنا دن کا چین اور رات کا آرام چھوڑ دیا ہے بھلا یہ خیال انکے دلوں میں آتے ہی کیوں لگا اور وہ کیوں اس طرف متوجہ ہونے لگے انہوں نے تو اپنی نافہمی سے پیارے اسمٰعیل کو دشمن اسلام سمجھ لیا تھا۔ اور یہ جانتے تھے قوم و ملک کی تباہی اسمٰعیل کی ذات سے ہوئی۔ بعینہ ان کی وہی مثال بھی جو کفار عرب کی رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ ہاں فرق اس قدر تھا کہ یہ لوگ مومن تھے۔ مگر حق کو زک دینے میں ان سے کم نہ تھے اس سے زیادہ ضد اس سے زیادہ ہٹ دھرمی اس سے زیادہ تعصّب۔ اس سے زیادہ کینہ پن۔ اس سے زیادہ بے ایمانی، اس سے زیادہ خلاف اسلام اور کونسا فعل ہوگا۔ کہ حاجی قائم نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ کہہ دیا تھا جسے اسمٰعیل حرام کہے گا میں اسے حلال سمجھونگا اور جسے وہ حلال بتائیگا میں اسے حرام خیال کرونگا۔ یہ دیکھ کر پھر کس کو شبہ رہ سکتا ہے۔ کہ پیارے شہید کو ہر طرح ستانے میں کوشش نہ کی گئی ہوگی اور سخت تنگ کر دیا گیا ہوگا۔

دینا بیگ وغیرہ کی آرزو یہ تھی کسی طرح ہمیں صحیح خبر اسمٰعیل کی موت کی مل جائے تاکہ ہم کھیلیں کھیلیں اور پھر نئی نئی من گھڑت باتوں کے خیال کرنے کا موقع ملے مگر وہاں پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ وہ بیچارے بیچ بیچ کے بیٹھ رہے اور یہی پتہ نہ لگا کہ مولانا شہید کو زمین کھا گئی یا آسمان۔ بہرحال اس تذبذب آمیز خوشی میں بھی

وہ کسی قدر مطمئن تھے کہ اسمٰعیل خواہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے ہوں غرض دہلی سے تو چلے گئے یہی ہمارا مدعا تھا اور یہی ہمیں حاصل ہو گیا کبھی نہ کبھی تو ہمیں خبر لگ ہی جائے گی۔ مخالفین کے یہ بے اطمینانی دل دماغ کو تسلی بخش نہ تھی۔ نہ ان کے روحانی اضطراب کو دفع کر سکتی تھی گو وہ اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ اب ہم یقینی اس امر کو سمجھ لیں کہ اسمٰعیل ہمیشہ کیلئے یہاں سے چلے گئے۔

سب سے زیادہ ایک لطیف بات جو یقیناً ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو گی بیان کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صوفی نے دینا بیگ سے اپنا خواب[1] آکر اس وقت بیان کیا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اس کی تھوڑی دیر بعد داخل دہلی ہونگے وہ خواب بڑا ہی مذاق کا ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ صوفی نے درحقیقت خواب دیکھا تھا یا کچھ اینٹھنے کیلئے بطور خود تصنیف کر لیا تھا۔ مگر ظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفی نے وہ خواب ضرور ہی دیکھا ہو گا اور جسے ہم اس کے خیالات دلی کا پرتو اور مولانا شہید کے حق میں خوش آئند پیش گوئی خیال کر سکتے ہیں خواب کا اختصار مفصلہ ذیل ہے۔

صوفی دینا بیگ سے بیان کر رہا ہے۔

"میں تہجد کی نماز پڑھ کر سو رہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جامع مسجد کے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور شاہ عبدالقادر جیلانی کا حجرہ میں دربار لگا ہوا ہے حجرہ کی وسعت آنکھوں میں نہیں سماتی ہزاروں آدمی دست بستہ حاضر ہیں اور جائے صدر پر شاہ عبدالقادر جیلانی جلوہ افزا ہیں۔ ربانی جلوے کی حجرہ میں ایسی کثرت ہے گویا کئی آفتاب آکر بند ہو گئے ہیں اس روشنی پر بھی کسی کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں ہوتی

---

[1] تحفہ عزیزی صفحہ ۱۹۵-۳۹۵-۱۲

آفتاب کی سی تیزی اس روشنی میں نہیں ہے۔ بلکہ چاند جیسی خنکی پائی جاتی ہے میں شاہ
عبدالقادر جیلانی کے بہت ہی قریب ہوں ہم سب فرحاں و شاداں ہیں ایک کیفیت
آرہی ہے جس کے لطف کو میں تا زیست نہ بھولونگا ہر قسم کا ذکر ہو رہا ہے مگر لطف
یہ ہے کہ ایک شخص بولتا ہے۔ اور معہ پیر دستگیر سب توجہ اور شوق سے سنتے ہیں اثنائے
گفتگو میں ایک شخص نے جو میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اسمٰعیل کا ذکر ہتک آمیز
الفاظ میں کرنا شروع کیا۔ قاعدہ کے موافق سب سنتے رہے جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا
شاہ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہم نہیں چاہتے کہ ہماری مجلس میں ایسے شخص کا
ذکر ہو جو دین خدا کا دشمن ہے۔ اور اس نے اسلام کے مٹانے میں کمر باندھی ہے۔ یہ
سن کر ذاکر نے عرض کیا اس نظر سے میں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہماری اس خوش صحبت
میں دلچسپی بڑھے بلکہ یہ موقع غنیمت جان کر عرض پرداز ہوں کہ ایسے سرکش دشمن ایمان
کو حضور کے دربار سے سزا ملنی چاہیئے اس نے دین خدا میں رخنہ ڈال رکھا
ہے۔ اور آپ حبیبوں کی نسبت کلمات توہین آمیز کہتا ہے یہ کہہ کر وہ چپ
ہو رہا۔ پھر شاہ عبدالقادر جیلانی نے اس سے کہا تو نہیں جانتا ہم نے اس کے
قدموں کو دہلی کی سرزمین سے کاٹ دیا ہے۔ بلکہ وہ کبھی کا دنیا سے کبھی رخصت ہو
چکا ہے۔ واقعی مجھے گوارا نہ تھا کہ ایسا رخنہ انداز اسلام زندہ بچے ابھی شاہ عبدالقادر
جیلانی یہ فرمانے بھی نہ پائے تھے کہ یکایک ایک خوفناک صدا سنائی دی اور
حجرہ کی چھت ہم سب پر آپڑی۔ اس صدمہ سے میں نے ایسا غل مچایا کہ میری
آنکھ کھل گئی اور کل گھر والے میرے ساتھ اٹھ بیٹھے۔"
یہ سنتے ہی دینا بیگ بہت خوش ہوئے پیر دستگیر کی بشارت اور چھت کا گرنا اہل

نے اپنی عقل کے مطابق پیارے شہید کے ناپید ہو جانے کا ثبوت سمجھا۔ لیکن یہ خیال نہ کیا ایسے پلے دلوں پر خدا کی طرف سے چھپٹ لگائی گئی جو سچے حامی دین متین اور نبی اکرمؐ کے پیارے کو رخنہ انداز کہیں۔ بہرحال صوفی کے خواب سکے کے سیدھے ہو گئے اور ان کے قول پر اعتبار کر کے دنیا بیگ نے کچھ زر نقد عنایت کیا۔

اس معاندانہ روح کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس پر یہ حالت گو پوری نہ سہی مگر کسی قدر گزر چکی ہو وہ جان سکتا ہے کہ انسانی فطرت کی بادسی جب چاروں طرف مخالف دکھائی دیتے ہیں کس درجہ تک بڑھ جاتی ہے قصہ مختصر ہو کہ جس دن مولانا شہیدؒ داخل شہر دہلی ہوئے تھے۔ تو انہوں کا یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا جس کی نظیر ہندوستان کی تواریخ میں اور کہیں ملنی مشکل ہے۔

پیارے شہید کے داخل شہر ہوتے ہی مخالفوں نے ایسی چپ کھینچی۔ گویا انہیں سانپ سونگھ گیا۔ اب وہ حیران تھے کہ یہ بھید کیا ہے خبریں تو ایسی گرم گرم اڑ رہی تھیں اور یہ یکا یک زندہ آ کہاں سے پہنچے۔

غرض علاوہ وعظ و تعلیم کے مولانا شہید نے سکھوں سے انتقام لینے اور مسلمانوں میں توحید پھیلانے کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ آپ اپنے ہم خیال کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ اس کام میں سرگرم ملے تو میں اس کا مطیع بن کر اس سخت ترین فرض کی انجام دہی میں مشغول رہوں یہ ظاہر تھا کہ ایک غیر معمولی بدجوش شخص جیسا مطیع بن کر محتاط بن سکتا ہے۔ اور قابل تحسین کام کر سکتا ہے بطور خود حکمران ہو کر ہرگز نہیں کر سکتا۔ کہیں اسے اپنے عہدے کا خیال ہوتا ہے اور کہیں سے مختلف دقتوں کی پیچیدگی میں پڑ کر ان سے نکلنے کا تصور بندھا رہتا ہے کہیں اپنی کامیابی

کے نئے نئی صورتیں نکالنی پڑتی ہیں کہیں عظیم الشان مشکلوں کو جو اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں اٹھانا پڑتا ہے یہ سارے خیالات یہ سارے منصوبے یہ ساری تدبیریں اسی وقت تک عمل میں آسکتی ہیں کہ جب وہ انسری کے گراں زبار سے سبکدوش ہو اور کسی لائق شخص کی ماتحتی میں ہو کر کام کرے پیارا شہید خوب سمجھتا تھا کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جم سکتی اور یہ کام جب تک کہ اس میں مدت مدید نہ صرف کی جائے کبھی نہیں نکل سکتا۔ یہ مانا کہ آپ کی بے آرام روح اور غیر معمولی اصلاح اور انتقام کا اشتیاق لحہ بہ لحہ طبیعت کو گدگداتا تھا مگر دور اندیش عقل اور سنجیدہ فکر اس کی بے چینی کو حد اعتدال سے نہ گزرنے دیتا تھا آپ کے سب سے زیادہ مشیر اور آپ کی سرگرمی میں جان ڈالنے والے مولانا عبدالحی صاحب خویش شاہ عبدالعزیز صاحب تھے روزمرہ مشورہ ہوتا تھا اور نئی نئی باتیں اپنی کامیابی کی سوچی جاتی تھیں۔

ایک دن مولانا عبدالحی صاحب سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شاہ عبدالقادر صاحب کی مسجد میں مقیم تھے۔

آپ ۱۲۱۶ھ کے اختتام پر اول ہی بار دہلی میں تشریف لائے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے قرآن و تفسیر و حدیث کی تعلیم پائی تھی۔ عموماً لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے گو آپ کو ظاہری علم سے بہت کم حصہ ملا تھا۔ مگر آپ کا دل ربانی جلووں سے منور ہو رہا تھا۔ اور آپ کے دل میں بھی سکھوں سے انتقام لینے اور توحید پھیلانے کا از حد شوق تھا۔ آپ کا اتقا اور صفائی قلب اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ بڑے بڑے علما آپ کے معتقد بن گئے۔ جب سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو دیکھا اپنی بے مثال قوت قلب سے آپ کے دل پر اثر ڈالا۔ اور وہ

صرف یہ تھا کہ اپنے خیالات جو بالکل نتھرے ہوئے اور پاکیزہ تھے مولانا موصوف پر ظاہر کئے اور بہت سی باتیں ان منصوبوں کے متعلق بیان کیں یہ سنتے ہی مولانا موصوف سید احمد صاحب پر فریفتہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ جس راہ نما کی ہمیں تلاش تھی وہ مل گیا۔ اس سے بہتر چراغ لے کر اگر ڈھونڈیں گے تو نہ ملے گا۔ طبیعت کا بے لوث پن اور پاکیزگی عموماً ایسے نفوس بہت جلد قبول کر لیتی ہے۔ جو اس کے خیالات کے مطابق ہوں خواہ وہ ایک معمولی زبان سے کیوں نہ نکلیں برخلاف اس کے سید احمد صاحب غیر معمولی ذکاوت اور لاثانی لیاقت کے شخص تھے۔ آپ کی دور اندیش طبیعت کی ایک متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے۔ پھر بھلا اس سے کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو اتنی جلدی اپنا شیدا بنا یا جتنی جلدی سنگ مقناطیس سوئی کو اپنی طرف گھسیٹ لیتا ہے جب مولانا موصوف دل سے سید احمد صاحب کے والہ و شیدا بن گئے تو آپ نے پیارے شہید کو جا کر یہ سارا ماجرا بیان کیا اس عرصہ میں مولانا شہید یوں تو کئی بار سید احمد صاحب سے مل چکے تھے لیکن خاص استفادہ کے ارادہ سے کبھی حاضر خدمت نہ ہوئے تھے آپ نے یہ سنتے ہی فرمایا مجھے اس عظیم الشان فرض کی انجام دہی میں سید احمد صاحب کی متابعت لازم ہے۔ اور ہمارے مقاصد کا بر آنا اور ہماری امیدوں کی کامیابیاں صرف سید احمد صاحب کو اپنا امیر بنانے میں حاصل ہوں گی۔

نادیدہ جمال او مہرش بدلم سر زد ناکاشتہ میر دیدا نا یہ چنیں باید

دوسرے دن مولانا عبدالحی صاحب اپنے پیارے شہید کو لائے اور بہت سی راز دارانہ باتوں کی بابت مولانا اسمٰعیل صاحب نے سید احمد صاحب کی خاص باتوں میں اطاعت

قبول کی اور سنت نبوی کے مطابق بیعت کی اس بیعت کی نسبت ایک متعصب انگریز مورخ یہ لکھتا ہے:۔

"سید احمد صاحب[1] کے پہلے دو مرید دو شخص تھے کہ جو اپنی لاثانی ضمیری جوہر دل اور قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے۔ یہ دونوں فرد اکمل دہلی کے سب سے بڑے ڈاکٹر (حکیم) یا فاضل اجل کے کنبہ سے تعلق رکھتے تھے جس نے انہیں بطور خود اپنی ہی نگرانی میں مذہبی تعلیم دی تھی۔ یہ دونوں مذہبی رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ اور ان کے اصلاح پھیلانے کے جوش اور توحید کی اشاعت نے انہیں سید احمد صاحب کا مرید بنا دیا تھا۔"

اس احترام اور اعتصام نے جوان فضلائے دہر اور حکیمائے عصر تھا پنے ناخواندہ پیر کا غیر معمولی ادب سے کیا۔ اور بھی سید احمد صاحب کی شان کو بڑھا دیا۔ اور آئندہ ان کے ارادوں میں جان ڈال دی۔ ان کی عربی کے علم وادب اور علوم مختلفہ سے عظیم الشان واقفیت نے عام طور پر انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے امیر کی مجددیت کے منصب کی جس کو انہوں نے خود قبول کر لیا تھا۔ بہت زور شور سے تائید کریں اور لوگوں سے منوائیں اس عقیدہ کے مطابق کہ خدا وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے امام اور مجدد یا رہنما یا مصلح بھیجتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کی مخلوق کا ایمان ضعیف نہ ہونے دیں اور انہیں ایک حد تک قائم رکھیں۔ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سید احمد صاحب میں یہ تمام صفتیں اور نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ خدا کی طرف سے توحید پھیلانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اول بڑی بات

---

[1] دی انڈین مسلمان ہنٹر ۵۳-۵۲

یہ تھی کہ سید احمد صاحب سید تھے آپ کے مذہبی وجدان کے انبساطی جوہر دل سے تھے جس زمانہ میں ان دو بزرگوں نے اپنے امیر کو ان بارہ اماموں میں سے تشبیہ دی جو دنیا میں تجدید توحید کے لئے آئے اور دنیا کو راہ راست پر لائے بعض ہندی مسلمانوں کے عقائد کے مطابق چھ امام آئے اور چار آئیں گے اور یوں ہی اصلاح کریں گے۔ اس پاک سلسلہ میں سید احمد صاحب کا دوسرا نمبر شمار ہوتا ہے خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ نبی اکرم کی چہیتی بیٹی فاطمہ زہراؓ اور آپ کے معزز سرتاج حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے ملاقی ہوئے ہیں جو آپ کے معزز بزرگ تھے بیٹے کے موافق انہوں نے سید احمد صاحب پر نوازش کی اور خوشبوؤں سے آپ کو نہلایا اور شاہانہ پر جلال پوشاک پہنائی۔"

بہر حال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں جو انسان بھیجا گیا ہے۔ خواہ ادنے بنانے یا اعلے بنانے کو اسے ضرور قوانین قدرت کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزمان نبی تھے اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے اگر آپکی خواہش ہوتی تو بلا زحمت خدا میں یہ قدرت تھی کہ کفار کے دلوں کو آپ کی طرف پھیر سکتا تھا۔ مگر منشائے الٰہی اس سے ساقط ہوتا تھا۔ اس نے نبی اور سب سے پیارے نبی کو بھی مجبور کیا کہ قوانین قدرت کی پیروی کرے۔ اور ان پر اس طرح پابند ہو جیسے عام آدمی ہوتے ہیں یہ ایک بڑی حکمت تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا کا انتظامی ڈھانچہ بھی کا توڑ مروڑ کر رکھ دیا جاتا۔ اسی طرح سید احمد صاحب کی زیادہ کامیابی صرف پیارے شہید اور دوسرے درجہ مولانا عبدالحی صاحب کے معتقد بننے سے ظہور پذیر ہوئی۔ والا حسبی اور اعلیٰ نسبی اور اس پر شرافت علمی نے پیارے شہید کو سید احمد صاحب

کا جان نثار معتقد بنا دیا۔ سید احمد صاحب اگرچہ کامل عالم نہ تھے۔ پھر بھی آپ کے
دل پر القائے ربانی کا پرتو پورے طور سے پڑا ہوا تھا۔ اور آپ کی انتظامی حالت میں
جان ڈالنے کے لئے شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحی صاحب حکمائے عصر کی
ضرورت تھی۔ جن کی تقریروں نے ایک تہلکہ ہندوستانی سرحدوں میں ڈال دیا تھا۔
اور جن کے زبردست اثر نے نیا رنگ سید احمد صاحب کی کامیابی پر چڑھا دیا تھا۔
غرض حبیب پیارے شہید کو اطمینان ہو گیا۔ اور آپ نے اپنی تدبیروں اور منتشر
ہوئے خیالات کا بازگشت پایا۔ تو آپ دوسری تدابیر میں سید احمد صاحب کے مشورے سے
مصروف ہوئے آپ کی غامض نظریں اور عمیق خیالات ان رازدانہ مصلحت کا
مادہ مضمر رکھتے تھے جنہیں سوائے سید احمد صاحب اور پیارے شہید کے یا مولانا
عبدالحی صاحب کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ پولٹیکل معاملات کی پیچیدگیوں کا بار
جس کی گردن پر پبلک لائف میں قدم رکھتے ہی رکھا گیا تھا وہ اسمٰعیل تھا جس نے
تحمل سے اس بار کو سہارے رکھا اور جب تک اس کے بنا ڈالی معتقدوں نے
بے اعتدالی نہ کی۔ اور جب تک اس کی جان میں جان باقی رہی اس درنی بوجھ کو
اپنی گردن پر سے ماندہ ہو کے نہ اتارا۔

آٹھواں باب

جہاد کی تدبیریں بعض واقعات کا ذکر

ہم پہلے بابوں میں لکھ آئے ہیں کہ مولانا شہید نے لوگوں کے دلوں پر نادر الوجود فتوحات علی التواتر حاصل کی تھیں۔ اور آپ کا اثر نہ صرف عوام الناس تک محدود رہا تھا۔ بلکہ بڑے بڑے شہزادے اور امرا بھی آپ کی بابرکت ذات کو مسلمانوں کے حق میں اکسیر جانتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے آخر کار یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اگر مولانا اسمٰعیل کا ظہور نہ ہوتا دہلی میں سے تو خصوصاً شرک وبدعت نہ مٹتی۔ اس قابل تحسین کامیابی نے آپ کے رازدارانہ ارادہ ومقصد میں جان ڈال دی۔ اور جس دن شہر دہلی میں یہ خبر ہوئی کہ مولٰنا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی نے سید احمد صاحب سے بیعت کی ہے پھر کیا تھا۔ ہزاروں آدمی آنے لگے اور صدق دلی سے آپ کی بیعت سے مشرف ہونے لگے نہ ہزار کی گنتی تھی اور نہ دو ہزار کی ہر وقت مکان میں ایک مجمع سا لگا رہتا تھا اور معتقدین کے جوق در جوق سرگرمانہ اعتقاد سے اپنے استاد کے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا اپنی نجات آخرت سمجھنے لگے تھے۔ جب دہلی میں زیادہ کامیابی ہوئی تو سید احمد صاحب قرب وجوار میں روانہ ہوئے۔ مولانا شہید ہم رکاب تھے۔ آپ کے پُر اثر وعظ سامعین کے کلیجوں کو ہلا دیتے تھے اور انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہوں۔ اس وقت کئی سو آدمی ایسے بھی منتخب کئے گئے جو جوان اور مرد میدان

تھے۔ اور جن کی ذات پر میدان جنگ میں بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہ ایک پوشیدہ اور چھپی ہوئی کارروائی تھی جس کا حال کسی پر روشن نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی تک نہ علانیہ طور پر کسی کو یہ علم تھا کہ سید احمد صاحب اور آپ کے دوست یا مرید اسمٰعیل صاحب کا کیا ارادہ ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لئے جتنی صائب رائے اور جرأت و شجاعت کی ضرورت تھی۔ اسی قدر کثیر التعداد آدمیوں اور بے انتہا سامان کی حاجت تھی۔ اور یہ ضرور تھا کہ اس ارادہ سے عام ہندوستان کے مسلمان ہمدردی کریں۔ اور ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق سکھوں سے انتقام لینے میں مجاہدین کی مدد کرے۔

سید احمد صاحب گو اعلیٰ درجہ کے روشن دماغ اور مدبر تھے لیکن حقیقت میں آپ کی ہمت میں جان ڈالنے والے اور آپ کی تدابیر میں نئی بات پیدا کرنے والے اسمٰعیل اور عبدالحی تھے۔ سید احمد صاحب کے خلق اور اتقا نے ان دو فضلائے دہر کو اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ اور یہ اس طرح سے سید احمد صاحب کی خدمت کرتے تھے گویا ان کے حلقہ بگوش یا زرخرید غلام ہیں۔ باہم مشورہ ہونے کے بعد طے پایا کہ مختلف شہروں میں مختلف آدمی روانہ کئے جائیں تاکہ وہ سید صاحب کے ارادہ سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور جو چندہ ان سے وصول ہو وہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ جب یہ کام تمام ہو چکا تو سوا سو آدمیوں کے ساتھ سید احمد صاحب نے خود بھی سفر کیا۔ اور آپ انگریزی عملداری میں ہوتے ہوئے شیعوں کے دارالخلافہ میں پہنچے قصبہ نصیر آباد میں جہاں حضرت سید اپنے بھائی اسحٰق کی وفات پر تشریف لے گئے تھے شیعوں کے مجتہد سے خفیف سی بحث ہو گئی تھی کو بعض سوانح نویسوں نے شاہانہ

مبالغہ سے بیان کیا ہے۔ مگر وہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ صرف ذریعہ تھی کہ درت کی
ایک قابل شرم وجہ تھی جس نے سلطنت لکھنؤ کو خواہ مخواہ تہلکہ میں ڈال دیا۔
سید صاحب کے پاس گو تھوڑے آدمی گنتی کے آدمی تھے۔ مگر ان کے مریدوں
کی کثیر تعداد دہلی میں پڑی ہوئی تھی۔ تبرا جس کی مذہبی بنیاد شیعہ مذہب
میں کہیں سے ثابت نہیں ہوتی شیعوں کی حکومت میں برملا کہا جاتا تھا
اور کوئی منع نہ کرتا تھا۔ محرم کے دنوں میں سید احمد صاحب اپنے وطن مالوفہ
میں پہنچے تھے۔ اور یہی دن طوفان بے تمیزی کے برپا ہونے اور بزرگوں
کو گالیاں دینے کے بہت مشہور ہیں۔ وہ لوگ سالہا سال سے عادی
تھے کہ سر بازار تبرا کریں۔ اور سنیوں کو سہہ جاویں۔ مولوی حیدر علی صاحب جو مجتہد
اعظم مولوی دلدار علی صاحب کے سالے تھے اور قصبہ میں چند ماہ سے
مقیم تھے انہوں نے پانچویں تاریخ محرم الحرام ۱۲۴۱ھ سید صاحب کو
دوستانہ رقعہ لکھ کر اطلاع دی کہ یا تو اپنے بھائی سنیوں کو لے کر چار پانچ
روز کے لئے باہر شہر سے تشریف لے جاویں یا اگر آپ کو یہیں رہنا ہو
تو اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھو ورنہ باہمی کشمکش سے
نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ مومنین (یعنے شیعہ) اپنے فرائض مذہبی ادا کرنے
کے لئے آزاد ہیں ان کا اس دینی کام میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ جوں ہی
اس مضمون کا رقعہ مولوی حیدر علی صاحب کا محرم سید کو پہنچا آپ نے مولوی
اسمٰعیل کے آگے رکھ دیا۔ اس کا کیا جواب ہے۔ یہ لوگ اپنی حکومت پہ غرہ
ہیں پیارے شہید کے دور اندیش نے یہ جواب دیا۔ ہمیں شیعوں کی کمزوری در

بزدلی کا بخوبی علم ہے یہ رقعہ صرف گیدڑ بھبکی ہے۔ یہاں ان کا اتنا زور بھی
نہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ دین کے لئے ہم کوئی چشم زخم اٹھائیں نہیں
لکھ دیا جائے کہ یا تو ہم نے عام مجمع میں آپ مناظرہ کرنے پر راضی ہوں ورنہ
ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں اگر بازاروں یا سربستہ کوچوں میں ذرا بھی ہرزہ سرائی
کی اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کی پھر ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ رقعہ کا یہ گرم
جواب دیکھتے ہی مولوی حیدر علی صاحب تو جان کے خوف سے اسی دن شب کو
لکھنؤ بھاگ گئے اور اپنے مریدوں یا معتقدوں کو خبر نہ کی کہ سید احمد صاحب لڑنے پر
آمادہ ہیں انہوں نے حسب معمول تبرا بازاروں میں کہنا چاہا تھا مگر سنیوں کی آمادگی
سے رک گئے اور اب انہوں نے نہ کوئی مجلس کی نہ تعزیہ داری اور آخر کار ایک ڈپوٹیشن
لکھنؤ غازی الدین حیدر کی خدمت میں روانہ ہوا۔

سید صاحب اور پیارے شہید کو شیعوں سے کچھ پرخاش تو تھی ہی نہیں
کہ خواہ مخواہ انہیں ستاتے اور ان پر حملے کرتے پیارے شہید اور واجب الاحترام
شہید کے بزرگ چچا شاہ عبدالعزیز صاحب تو اکثر اپنے وعظ میں شیعوں اور
شیعی مذہب کا ادب سے ذکر کرتے رہتے تھے۔ اور یہی بہت بڑی تہذیب
ہے کہ مخالف کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ ہاں اس کے مقابل میں
شیعوں کی تلخ ترعداوت کی کوئی بھی انتہا نہ تھی۔ وہ سنیوں کو ایذا دینا اور انہیں
خدا واسطے ستانا اپنے دین میں سکھوں کی طرح افضل اور اعلیٰ کام خیال کرتے تھے
اس عرصہ میں سید صاحب تو مع اپنے معتقدوں کے بریلی چلے آئے اور
شیعوں کا ڈپوٹیشن روتا پیٹتا لکھنؤ پہنچا۔ یہاں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد شیعوں

کے قبلہ وکعبہ اور مجتہد وقت تھے۔ تشریف رکھتے تھے۔ وہ اپنے معتقدوں سے بھی زیادہ سنیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ شاہ اور دربار پر ان کا کا بہت بڑا اثر تھا۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ اودھ میں میری حکومت ہے۔ ساتھ ہی اس کے علم وفضل میں بھی اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے تھے۔ اور ادیب بھی بہت بڑے تھے۔

انہوں نے ڈپوٹیشن کی حسرت ناک حالت پر آنسو بہائے اور کہا۔

ہمارے قصبہ میں ہم پر خارجی (شیعہ سنیوں کو کہتے ہیں) ایسے چیرہ دست ہو جائیں کہ مومنین اپنے فرائض مذہبی کی انجام دہی نہ کر سکیں۔ اور یوں خون زدہ فریادی یہاں بھاگے ہوئے آئیں۔ پہلے مجتہد صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور شیعوں کی زاری دیکھا پھر بعد ازاں تسلی دی اور یقین دلایا کہ سید احمد اور ان کا جملہ مرید اسمٰعیل قتل کیا جائے گا اگر شاہ نے پہلوتہی کی تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ورنہ یہ تو تم جانتے ہو تمہارا منتظم حقیقی امام حسین شہید کربلا ہے جو تمہاری نجات کا باعث ہو گا جس کی مقدس شہادت پر ہماری نجات موقوف ہے بظاہر مجتہد صاحب کے برچھیٹے ڈپوٹیشن کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ مگر ان کا دلی اطمینان تو جب ہی ہوتا جب وہ اپنے دانتوں سے سنیوں خصوصاً اسمٰعیل کی بوٹیاں چبا تے

قصہ مختصر یہ کہ مجتہد صاحب خود سکھا پڑھا کر ڈپوٹیشن میں سے دو چرب زبان آدمی اپنے ساتھ لے گئے اور غازی الدین حیدر سے کل کیفیت عرض کر دی پھر ممبر داران کے اظہار دلوائے یہ سنتے ہی شاہ لکھنو سخت غضبناک ہوا سنیوں کے نام پر دانت پیسنے لگا۔ اور اس نے قسم کھا کر کہا میں ابھی پہلے اپنے ہی

شہر میں سنیوں کو قتل عام کا حکم دیتا ہوں۔ ادھر ڈپوٹیشن کا زاری کرنا ادھر مجتہد وقت کا زور ڈالنا ایسا معمولی نہ تھا کہ شیعہ متعصب جیسے شاہ کے دل پر اثر نہ ہوتا اس کا خشم گین چہرہ ایسا خوفناک ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر تو خود مجتہد صاحب ہی بات کرتے ہوئے ڈرے۔ نواب معتمد الدولہ نائب سلطنت خاموش کھڑا ہوا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا۔ دیکھئے مجتہد سلطنت کو رکھتا ہے یا اس کی اینٹ سے اینٹ بجوا دیتا ہے چند منٹ تک شاہ پیچ و تاب کھاتا رہا۔ بعد ازاں اس نے معتمد الدولہ کو حکم دیا کہ افسر فوج کے پاس حکم بھیج دو کہ توپوں سے سنیوں کے محلے اڑا دے۔

یہ سن کر معتمد دولہ کی اور بھی سٹی گم ہو گئی اور اب اس کا قافیہ تنگ ہوا کہ اس کا کیا جواب دوں جب نائب سلطنت نے غیر معمولی سکوت کیا تو شاہ اودھ نے زور کی آواز میں کہا کہ جواب کیوں نہیں دیتا۔ اور میرے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتا۔" نائب نے ہاتھ باندھ کر نہایت آہستہ لہجہ میں یہ کہا مجھے حضور کے حکم کی تعمیل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اگر میری جان بخشی ہو اور کچھ دیا منظور ہے تو میں یہ عرض کرتا ہوں حضور منصف ہیں دولت انگلشیہ میں حضور کے عدل کی بڑی دھوم ہے اگر یہ سانحہ پیش آیا تو لندن تک ایسا تہلکہ پڑ جائے گا۔ اور خبر نہیں کہ نوبت کہاں تک پہنچے ہزاروں بیگناہ جانوں کا آناً فاناً میں یوں فیصلہ کر دینا کونسا مذہب صحیح بتاتا ہے۔ ان بے گناہوں میں بچے بھی ہیں حاملہ عورتیں بھی ہیں جب ان کو قتل کیا جائے آپ اس کا جواب روز جزا حضرت امام حسین شہید کربلا اور جناب امیر کے آگے کیا دیں گے۔ دوسرے حضور کی فوج کے اکثر افراد بہت

بڑا حصہ سنی ہے۔ تیسرے ایسی خونریزی خلاف معاہدہ سرکار انگریزی ہے جب یہ متواتر دو تین وجوہات غازی الدین حیدر نے سنیں تو اب اس کی آنکھیں کھلیں غصہ بھی کچھ فرد ہو گیا۔ اور اب اس نے چند منٹ تک سکوت کیا۔ مولوی دلدار علی صاحب قبلہ و کعبہ بھی سناٹے میں آئے۔ بڑی دیر کے بعد پھر سکوت ٹوٹی اور پھر شاہ اودھ دھیمی آواز سے یہ گویا ہوئے۔ آخر اس ظلم کا جو مومنین پر توڑا گیا ہے کیا چارہ کرنا چاہیے اور ان کے زخم کا اندمال کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر معتمد الدولہ بہت خوش ہوا اور اس نے دیری سے یہ جواب دیا ہاں یہ بات فکر کرنے اور باہمی مشورہ پر موقوف ہے۔ نائب السلطنت کے اس سفارش کرنے سے نہ صرف بے چارے سنیوں کی جان بچی۔ بلکہ خود سلطنت اودھ بچ گئی۔ ورنہ انگریز اس خونریزی پر لکھنو کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔

اس گفتگو اور سوال و جواب کے بعد معتمد الدولہ غازی الدین حیدر کے پاس گیا۔ اور عرض کیا اگر حضور اجازت دیں تو میں سید صاحب کو بلا لوں تاکہ آپ فاضل سملیں کا وعظ جس کا بارہا حضور نے شوق ظاہر فرمایا ہے سنیں۔ اور ساتھ ہی اس کے حضور ظل اللہ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ جن پر مجتہد وقت نے یہ الزامات قائم کئے ہیں۔ وہ کیسے مہذب اور شائستہ ہیں۔ یہ سن کر شاہ نے حکم دیا۔ تم ضرور بلا لاؤ۔ میں حکمران ہوں میری ایک آنکھ سنی اور دوسری شیعہ ہے اگر ان میں کوئی جھگڑا ہو گیا تو آئندہ میں بے رو رعایت فیصلہ کیا کروں گا۔

معتمد الدولہ نائب السلطنت نے رائے بریلی میں سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور لکھا حضور اپنے مبارک قدموں سے لکھنو کو بدنصیب و محروم

نہ رکھیں گے اور اپنے مریدوں کے سحر آمیز وعظوں اور صداقت سے بھری ہوئی تقریروں سے ہمیں بھی شرف بخشیں گے شاہ چشم براہ ہے اور حضور سے نیاز حاصل کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے۔

جوں ہی یہ لفیفہ پہنچا سید صاحب متفکر ہوئے کہ چلیں یا نہ کیونکہ وہ سن چکے تھے۔ مولوی حیدر علی صاحب بھاگ کر چلے گئے تھے۔ اور وہ یہ سن بھی کبھی کا پہنچ چکا ہوگا ایسا نہ ہو ہمارے ساتھ دھوکا کرنا چاہیے۔ اور ہمیں غفلت میں ہلاک ہونا پڑے۔ سید صاحب کا یہ خیال حقیقت میں نہایت ہی محتاط اور دور اندیشانہ تھا۔ پیارے شہید اور مولوی عبدالحی صاحب نے اس پر بہت غور کیا پھر آئندہ شہید نے یہ کہا کچھ خوف کی بات نہیں ہے۔ ضرور چلنا چاہیے۔ شاہ خلاف وعدہ نہیں کر سکتا جو سرکار انگلشیہ سے ہو گیا۔ دوسرے وہاں سنی بھی بہت ہیں تیسرے فوج کا بہت بڑا حصہ سنی المذہب ہے ہمیں وہاں چلنے سے فائدہ بہت ہوگا۔ یہ باتیں سید صاحب کی سمجھ میں آگئیں۔ اور اب آپ نے رائے بریلی سے لکھنؤ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ زیادہ آدمی ہمراہ لے جانے خلاف مصلحت دیکھے۔ مبادا شاہ لکھنؤ کو بدگمانی ہو۔ دوسرے اتنے آدمی وہاں لے جانے مناسب بھی نہ تھے۔ کیونکہ جہاں سید صاحب تشریف لے گئے اور مولوی عبدالحی نے وعظ فرمایا بس ہزاروں آدمی معتقد ہونے لگے۔ پھر کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑ بھنگے کے ساتھ جا کر اپنے کو انگشت نما بنائیں۔

آپ نے اپنے روانہ ہونے کی اطلاع معتمد الدولہ کو کر دی۔ لکھنؤ میں ایک ملازم بھی گئی کہ ہمیں آنا ہے۔ یہ خوب سے دیکھا جائے گا کہ پیارے شہید کی جس

قدر دھوم شہر بشہر مچ رہی تھی۔ نہ سید احمد صاحب کی اتنی شہرت تھی۔ نہ عبدالحی صاحب وغیرہ کی بچپن ہی کے زمانہ میں شہر بشہر لوگ آپ کی ذہانت اور علمیت کا چرچہ کرنے لگے تھے۔ اور جب آپ نے وعظ کہنا شروع کیا تو دو تین ہی برس کے عرصہ میں چار پانچ کروڑ مسلمانوں میں قریب قریب آپ کی شہرت یا ناموری ہو گئی تھی۔ سید احمد صاحب آپ کے پیر تھے۔ مگر ان خواص کے سوا عوام بہت ہی کم جانتے تھے۔ لکھنو کے گلی کوچہ میں یہ دھوم ہو گئی۔ اسمٰعیل مناظرہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ مجتہد وقت مولانا دلدار علی صاحب تھے۔ ان کا گھر بھی مرجع خلائق ہو گیا تھا۔ اور ہر شخص مناظرہ کے لئے مجتہد صاحب کو آمادہ کرتا تھا مجتہد تو سناٹے میں تھے کہ کیا بندوبست کرنا چاہیے۔ درمعمولی لیاقت کے طلبا جامے سے باہر ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے ہم اسمٰعیل کو باغ فدک کا سوال کر کے بند کر دیں گے۔ کہیں لکھنو کے چاندو خانوں میں اسمٰعیل کی آمد آمد کی خبر سنتے تنے لباس میں اڑتی تھیں اور پھر وہاں سے اعجوبہ رنگیں رنگیں ہو گئے شہر میں پھیلتی تھیں ساتھ ہی اس کے یہ سخت حیرت انگیز مقام ہے کہ ہر خبر میں پیارے شہید کی وقعت اور جلال علمی مخالفین کے دلوں کو تھرّاتا تھا۔ سب سے بڑا خوفناک اثر مجتہد دلدار علی صاحب کے مقدس قلب پر ہو رہا تھا۔ مجتہد صاحب نے مولانا اسمٰعیل کی بے نظیر لیاقت اور بے مثال حاضر جوابی کی نسبت بہت کچھ سنا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اگر میں نے اس سے بحث کی اور آخر میں اس پر فتح بھی حاصل کی۔ پھر بھی وہ ناک چنے چبوا دے گا۔ اگر میں نے اس پر فتح پائی تو کوئی بڑی بات نہیں وہ ایک پردیسی آدمی ہے۔ دو سرے دن یہاں سے چلا جائے گا

تین دن چہ چہ کرکے لوگ بیٹھ رہیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ میں کسی مسئلہ میں بند ہوگیا تو میرا لکھنو میں رہنا محال ہو جائے گا ان خونی خیالات پر بھی مجتہد صاحب خوب جانتے تھے کہ میں اسمٰعیل کے مناظرہ سے پہلوتہی نہیں کر سکتا۔ میں خود کوئی بہانہ کروں گا شاہ مجھے مجبور کرے گا۔

اس فانی کشمکش میں ہمارے شیعوں کے قبلہ کو کعبہ پھینسے رہے حتے کہ دن مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے امیر سید احمد صاحب کی ہم رکابی میں داخل شہر لکھنو ہوئے۔

شاہ کی طرف سے استقبال کیا گیا۔ جلوس معتمد الدولہ لے کر پہنچا اور نہایت توقیر سے آپ رونق افروز لکھنو ہوئے۔ شاہ پیر محمد عرف مینا شاہ کی درگاہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ بڑے بڑے تمبو نصب کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ کوئی اعلیٰ درجہ کا مکان ایسا نہ تھا جہاں ایسے معزز مہمان فروکش ہوتے۔

لکھنو میں جو لہریں شیعی مذہب کے سمندر میں اٹھ رہی تھیں وہ اب خوفناک طوفان سے بدل گئیں اور ہر شخص پیارے شہید کی، اور ان کے پیر کی زیارت کرنے اور شکل دیکھنے کے لئے آنے لگا۔

مجتہد صاحب بجائے اس کے سید اور اسمٰعیل کی ابراہیمی یا حسینی طریقہ سے مہمان نوازی کرتے انہوں نے صد یا جانباز شیعہ نوجوانوں کو آمادہ کیا کہ شب کو چھاپہ مار جائے۔ اور اسمٰعیل کا سر اتار لیا جائے۔

یہ افسوسناک خبر افسر فوج شاہی کو جو سنی المذہب تھا پہنچ گئی وہ دوڑا ہوا مجتہد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے علیحدہ لے جا کر کہا جناب بعجہ میں یہ

کہا. برائے خدا ہماری عزت حضور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بے چارے پردیسی ہیں. ان کے ساتھ کچھ زیادتی نہ کرنا چاہیے میں نے ایسا ایسا سنا ہے اگر وہ صحیح ہے تو کتنے غضب کی بات ہے۔ برائے خدا آپ خاموشی اختیار کریں۔ یہ سنتے ہی مجتہد صاحب گرم ہوئے اور کہا تو شنی ہو کر سنی کی پیچ کرتا ہے تو ذرا صبر کر مجھ ہی کو حکم دیا جائے گا کہ سید اور اسمٰعیل کا سر اتار لا۔ اس وقت تو کیا کرے گا تو ایک ملازم ہے تجھے ایسی باتیں بنانی مناسب نہیں ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ کرنے آئے ہیں میرے دشمنوں نے اسمٰعیل کو بہکا لیا ہے۔ کہ وہ مجھے سرِ جلسہ زک دے پھر میں کیوں کر جانوں کہ وہ میرے مہمان ہیں اور مجھے اذیت دینی روا نہیں

کی نڈر رانجیت نے یہ سن کر اپنی تلوار نکال لی اور کہا مجتہد تو سلطنت شیعی کے بھلاوے میں نہ رہے تیری تو ابھی گردن اتار دیتا ہوں اور شاہ کو قید کر کے سید احمد کو تختِ شاہی پر بٹھا دیتا ہوں جب یہ گرم گرم باتیں ہوئیں اور مجتہد صاحب نے اپنی جان ہلاکت میں دیکھی تو اب انہوں نے اپنا روئے سخن بدلا اور یوں گویا ہوئے۔

تمہارا خفا ہونا عبث ہے میں تمہارا امتحان لیتا تھا۔ آیا شیعہ شاہ کے ملک خوار ہو کر تم اپنے مذہب کا کتنا پاس و لحاظ کرتے ہو۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہارے شہر میں تمہارے جتنے بڑے بڑے علماء کا گذر ہو اپنے کام میں لگو۔ اور ان کی حفاظت کرو۔

کی نڈر نہایت بھولا اور سنی اور سید تھا آدمی تھا۔ مجتہد کے دام میں آگرا اٹھ کھڑا ہوا۔ زیادہ مجتہد سے معافی مانگنے لگا۔

حیدر نے دوسرا پہلو بدلا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ فرمائیں آپ کی خوش بیانی اور لسانی تقریر کے آوازے تو بہت دنوں سے سنتا رہا ہوں مگر یہ اتفاق نہیں پڑا کہ اپنے کان سے آپ کے لاثانی وعظ کو گوش گذار کروں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے ہی شہر میں آپ قدم رنجہ فرمادیں۔ اور میں بغیر اٹھائے تکلیف سفر اور دوسری جگہ جائے بغیر آپ کے وعظ کو بآسانی گوش گذار کروں:۔

سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے وعظ کہنا منظور فرمالیا۔ اور دوسرے دن جمعہ۔ وعظ کے لیے مقرر ہوا۔ پہلا وعظ جامع مسجد میں ہوا۔ مجتہد کے حواس باختہ تھے۔ اور وہ کوشش کرتا تھا کہ غازی الدین حیدر وعظ میں نہ جائیں یہ محض ناممکن تھا۔ بوقت مقررہ پر معتمد الدولہ نائب السلطنت اور مجتہد کو ہمراہ لے کر غازی الدین حیدر آموجود ہوئے۔ سید صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے مشورہ سے یہ قرار پایا۔ کہ پہلے مولانا شہید ہی وعظ فرمادیں اور شیعہ مذہب پر بیان کیا جائے۔ معتمد الدولہ گو شیعہ تھا۔ مگر مجتہد سے اسے کامل نفرت تھی اور اسی وجہ سے وہ مذہب شیعی کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اور یہ کوشش کرتا تھا کہ اگر غازی الدین حیدر مسلمان ہوجائے تو میں بھی ایمان لے آؤں آپ یہ بیان کرنا فضول ہوگا کہ مولانا شہید نے ایسا وعظ دیا اور ایسی زبردست تقریر کی صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ مولانا شہید نے پوری آمادگی اور قابلیت سے وعظ فرمایا مجتہد تو سناٹے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ اسمٰعیل بول رہا ہے یا خود خداوند تعالیٰ بلوا رہا ہے۔ غازی الدین حیدر آمادہ تھا کہ سنی ہوجاؤں اگر ایک خیال جہانداری اور اپنی دلربا مہتاب بیگم کی محبت کا نہ آتا۔ تو وہ ضرور عین جلسہ ہی میں بول

الغرض عوام اور خواص میں سے سات سو آدمی سُنّی ہوئے اور سب نے اپنے گذشتہ شنیعہ افعال سے توبہ کی اور سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہو کر حلقہ غلامی میں آ گئے:۔

کئی گھنٹے تک یہی وعظ رہا چاروں طرف سکوت حکومت کرتا تھا اور سب کے سر جھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے مخالفت مخاصمت نہ رہی تھی اور ہر شخص تعریف کرتا تھا کہ ایسے بے ساختہ بیان مسلسل ہم نے کسی کا نہیں سنا حافظہ اس بلا کا کہ بیسیوں کتابوں کا حوالہ اور ان کی عبارت کا نوک زبان پڑھتا ہے اور یہی کچھ سامعین کی دلچسپی کا باعث تھا جب وعظ فرما چکے تو غازی الدین حیدر مصافحہ کر کے اور حد سے زیادہ تعریف کر کے روانہ ہوئے معتمد الدولہ کہہ گئے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد سب رئیس سوائے مجتہد صاحب کے جمع ہوئے اور انہوں نے دوسرے دن کے لیے بھی عرض کیا اور اپنی خواہش اسی مضمون کے سننے کی ظاہر کی چنانچہ شہید نے قبول کر لیا مگر ساتھ ہی یہ اعلان دے دیا گیا کہ صبح کی نماز پڑھ کر تو مولوی عبد الحی صاحب وعظ فرماویں گے اور ظہر کے بعد اسمٰعیل صاحب کل کا بقیہ مضمون بیان کریں گے

مولوی عبد الحی صاحب کے علم و فضل کی بھی کامل شہرت تھی اور بڑے بڑے علماء آپ کی علمی لیاقت کے قائل تھے دوسرے دن اندھیرے سے لوگ جمع ہونے شروع ہوئے جامع مسجد میں خلقت کا ہجوم بہت تھا۔ بندہ سے بندہ ملتا تھا اور چلنے میں شانہ سے شانہ رگڑتا تھا تو یک سمت ہر ایک گرا پڑتا تھا شیعہ سنی دونوں گروہ کے لوگ بہت تھے کوئی تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ شیعہ کون ہے اور

بستی کون ہے۔ ڈاڑھی منڈوانے کی رسم ایسی عام تھی کہ کوئی بھی اسے عیب نہ خیال کرتا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر مولوی عبدالحئی صاحب کھڑے ہو گئے اور ہمارے بعض سوانح نویس کے قول کے مطابق آپ نے وذالنون اذ ذھب الایہ تک قرآن کی آیت پڑھ کر وعظ کہنا شروع کیا۔ وعظ کا ایسا اثر ہوا کہ سامعین سکتے کی حالت میں ہو گئے اور ہر ایک کے منہ سے واہ واہ کی آواز نا رسی تھی۔ یہ بیان اس فصاحت و بلاغت سے ہو کر علمائے فریقین (یعنے سنی و شیعہ) جو موجود تھے۔ وہ مولانا کے سحر انگیز تسلسل مضامین طلاقت لسانی قوت بیانیہ قرآن و حدیث سے واقفیت تامہ دیکھنے میں قائل ہو گئے اور یک زبان ہو کر یہ کہا کہ حقیقت ہے ہماری ساری عمر جہل و نادانی میں بسر ہوئی۔ مگر دین کا ہنوز پتہ نہ ملا۔ اور ہم نے منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑ کر اپنی تمام عمر ضائع کر دی۔

ہمارے شہید کی تقریر میں بڑا کمال یہ تھا کہ جہلا جس آسانی سے اسے سمجھ کر دلچسپی لے سکتے تھے۔ اور اس سے مستفید ہو سکتے تھے اسی طرح فاضل اجل بھی دلچسپی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتا تھا مولوی عبدالحئی صاحب کا بے نظیر فہمی وعظ خصوصیت سے علماء اور مجتہدوں ہی کو مزہ دیتا بعض اوقات جہلا منہ تکتے کے تکتے رہ جاتے تھے۔ حق یہ ہے مولانا شہید کو فطرت سے جن خاص صفتوں کا عصہ ملا تھا وہ سب ممتاز تھیں۔ اور ان میں خصوصیت کا رنگ ایسا تھا کہ دوسری جگہ کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید کے وعظ نے شیعی سرحدوں میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور شیعی عمارت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں۔ سخت متوحش نظروں سے مجتہد صاحب اور فضلا دیکھنے لگے۔ کہ یہ آفت بیٹھے بٹھائے ہم پر کہاں سے نازل

ہوئی۔ جس طرح محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا۔ اور برہمن مندر میں بیٹھے یہ کہ رہے
تھے۔ ہم آرام سے سنکھ بجاتے اور سومنت جی کے آگے ڈھوک (سجدہ) دیتے
تھے یہ آفت ناک بلا ہم پر کہاں سے آپڑی یہی کیفیت علمائے اثنا عشریہ کی بھی
تھی وہ باہم مشورہ کرتے تھے اگر اسمٰعیل سے مناظرہ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ ڈر
گئے۔ اور اگر مناظرہ کیا اور ہار گئے تو پھر جلا وطن ہونا پڑے گا۔ صلاح کرتے
کرتے یہ بات قرار پائی کہ فرنگی محل کے حنفی علما کو بہکا دو اور ان کو اسمٰعیل کے مقابلہ
میں کھڑا کر دو جب ان سے بحث شروع ہو جائے گی پس پھر ہم سہل نجات
مل جائے گی اس وقت مولوی اشرف صاحب علمائے فرنگی محل کے سرتاج
تھے۔ مجتہد کا وہ دماغ تھا کہ شاہ کے پاس بھی کئی بار بلوانے سے نہ جایا کرتے
تھے بھلا اور کسی شخص کے پاس جانا کیا معنے مگر ضرورت بری بلا ہوتی ہے اب
اپنے حواریوں ساتھ لیکر مولوی محمد اشرف کے پاس فرنگی محل میں حاضر ہوئے
بے چارے محمد اشرف بھی گھبرا کر تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہیں تعجب تھا۔
کہ آج مجتہد صاحب رستہ بھول گئے:۔

پہلے رسمی باتیں تکلف آمیز اخلاق کی ہوئیں اس کے بعد مجتہد صاحب
نے مولوی محمد اشرف صاحب کے علم وفضل کی تعریف کی اور جب اپنے خیال میں
انہیں شیشہ میں اتار لیا تو یہ گویا ہوئے:۔

آپ نے سنا ہوگا کہ سید احمد صاحب کے ساتھ مولوی اسمٰعیل بھی تشریف
لائے ہیں انہوں نے اپنے ایک دو وعظوں میں عوام الناس اور جاہل رذالوں کو
اپنا معتقد بنا لیا ہے۔ گو مذہبی خیالات میں ہم میں اور آپ میں فرق ہے مگر

ہم وطن ہونے اور بیرونی نیک نامی اور بدنامی میں حصہ بٹنے میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ اگر اسمٰعیل کے مقابلہ میں کوئی کھڑا نہ ہوا تو لوگ یہ کہیں گے شیعہ سنیوں میں ایک بھی مولوی اس قابل نہ تھا کہ جو مناظرہ کر سکتا یا اسمٰعیل کے سامنے ایک بات بھی کر سکتا۔

مولوی محمد اشرف صاحب نے جواب دیا کیا مولوی محمد اسمٰعیل نے مناظرہ کے لیے ہم ہی سے کسی کو طلب کیا ہے، مجتہد نے کہا طلب تو نہیں کیا۔ مگر اس کا وعظ خود اس بات کی شہادت دیتا ہے جس کا نہ ہر دم ہوا اس کی تردید کرے

مولوی محمد اشرف علی ایک لائق اور فاضل شخص تھے کتاب بینی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ حدیث و تفسیر و فقہ میں بھی خوب منجھا ہوا تھا علم ادب میں بھی بڑا مشہور تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر دماغ ملائی عادت و صفات سے بھرا ہوا تھا۔ یعنی اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہ سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا کہ یہ اس کا ثانی پیدا ہونا محالات سے ہے۔ اس بیچارہ کا یہ قصور نہ تھا بلکہ ہر ملائی دماغ کی یہی خاصیت اور فطرت ہوتی ہے۔ آپ نے مجتہد کے دم جھانسوں میں آ کر یہ بولی اسے ڈھکے اسمٰعیل لاکھ کچھ عمدہ واعظ ہوں مگر میرا شاگرد ولایت علی اسے دو باتوں میں بند کر دے گا

یہ سن کر مجتہد کو اطمینان ہوا اور اب وہ یہ سمجھ گیا کہ ولایت علی کے کندھے اٹھانے پر محمد اشرف ضرور مقابلہ پر آئیں گے۔ تو سب ٹھنٹ [illegible] کر کے چلتے بنے۔ مولوی محمد اشرف کو اسمٰعیل کا کچھ بھی خیال نہ تھا نہ وہ عبدالحی کی پرواہ کرتے تھے مجتہد کے جانے کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولوی ولایت علی کو بلا کر سمجھایا کہ نماز اور سید احمد صاحب سے چند سوال مذہبی اور چند ادب میں کر دو اور اگر وہ جواب

قصہ مختصر یہ کہ ولایت علی نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور التجا کی کہ مجھے اپنی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کا حکم دیجئے۔ سید احمد صاحب نے بخوشی منظور فرمالیا پھر ولایت علی صاحب اپنے استاد کے پاس آئے اور جو کچھ کیفیت تھی ساری بیان کردی۔ مولوی محمد اشرف صاحب گو ملانی دماغ رکھتے تھے پھر بھی عالم تھے اور علم دوست تھے۔ فوراً مولانا شہید کی علمی قابلیت سن کر پگھل گئے۔ اور خود دوڑتے ہوئے آئے۔ خوب خوب علمی گفتگو رہی سید احمد صاحب نے بھی مختصر سی تقریر بیان کی، ور پھر مولینا شہید نے جو بیان شروع کیا اس میں تو دونوں استاد شاگردوں کو مزا آگیا مولوی محمد اشرف نے خواہش کی۔ کہ اللہ تعالٰے نے جناب رسالت مآب کو فرمایا ہے اس کی تفصیل سننا چاہتا ہوں مولانا شہید نے اس وقت تفسیر اور بیان فرمایا کہ مولوی صاحبان کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ کلام میں تر ہونا اور حافظہ کی یہ لاثانی قوت ہونی خداداد بات ہے کسی نہیں کیسا زبردست وہ اثر تھا اور کیسا شیریں لہجہ تھا کہ وہی باتیں دوسرا شخص کرتا تو اس قدر توجہ پیدا نہ کی جاتی تھی۔ اور جب مولانا شہید فرماتے تھے تو ان میں ہی کچھ ایسا کشش ہوتا تھا کہ ہر خود سننے کو جی چاہتا تھا۔ اور ایک حالت قلب پر ایسی طاری ہوتی تھی کہ جو اس عمل پر کرنے کو مجبور کرتی تھی۔ ہائے جس نے پیارے شہید کا وعظ سنا ہے جنہوں نے سننے والوں سے سنا ہے وہ میری اس تحریر کی تصدیق بخوبی کرسکتا ہے جب جونہی خبر بھی محل کے یہ دونوں سرتاج سید احمد صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے تو اور بھی علماء کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پڑھا لکھا تو کوئی باقی نہ رہا

تھا جو بیعت سے مشرف نہ ہوا ہو۔

مجتہد صاحب نے جب یہ سنا کہ مولوی محمد اشرف صاحب نے بھی بیعت
کی تو وہ یہ سمجھے مولوی نے مجھے دھوکا دیا وہ پہلے ہی سے سید احمد اور اسمعیل کا
معتقد تھا۔ آپ نے بک کر یہ نا مہذب جملہ ارشاد کیا۔ جس سے شیعی مذہب
کی تہذیب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ غصہ تو بہت ہی آیا تھا۔ آپ فوراً یہ بول اٹھے کہ
"کتا لنڈوں میں جا کر مل گیا۔ ہم تو یہ سمجھے تھے یہ کچھ غیر وطن ہونے کی وجہ سے بھڑکے
گا مگر دیکھو جا دم ہلانے لگا" غرض یہ تراشیدہ جملہ مجتہد صاحب نے فرمایا اور
ادھر مولوی محمد اشرف صاحب کو اس کی خبر ہوئی آپ سن کے چپکے ہو رہے اگر
کوئی زبان سے کہہ تو صرف اتنا ہاں یہی صحیح ہے۔ ان کی سلطنت ہے وہ چاہے
جو کچھ کہہ لیں۔ ان کا دل جانتا ہے۔ کہ کتا کون ہے اور کون کس کے پاس التجا
لے کر آیا تھا

خود کسے نا سزا چرا گوید   نا سزا آں کہ نا سزا گوید

ابھی سید صاحب کو چار دن لکھنؤ میں آئے ہوئے گذرے تھے دعوتوں
کے عمدہ پیغام سنی اور شیعوں کے ہاں سے آ چکے تھے۔ اتنی دعوتیں کیونکر منظور کر
سکتے تھے۔ آپ نے عموماً نقد روپیہ لینے پر قناعت کی کیونکہ جس عظیم الشان کام
کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت تھی۔ اور روپیہ کا نقد لینا کسی
کی بدنامی کا سبب تھا۔ مگر سب دینے والوں کی نیتیں صاف تھیں اور اسے خدا
کی راہ میں صرف کرنا جانتے تھے۔ پھر دوسرے شخص کو شبہ بھی نہیں ہوتا اور ہمیشہ
دینے والا یہ اطمینان تمام دے دیتا ہے۔ اور جب مولانا شہید جیسا مطمئن کرنے

والا ہو پھر لوگ کیوں سرگوشیاں کرنے لگے اور کیوں انہیں بدگمانی ہونے لگی تھی جمعہ چھٹے دن کی شب کو چوبدار آیا کہ معتمد الدولہ تشریف لاتے ہیں کہ سید احمد صاحب ملاقات کے تمبو میں آبیٹھے اور صرف آٹھ دس آدمیوں کے سوا کوئی بھی ان کے پاس اس وقت نہ تھا۔

نائب السلطنت کے آنے پر سید احمد صاحب مع مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے کھڑے ہو گئے اور بہت خاطرداری سے اپنے پاس بٹھایا۔ اس خوش باطن رئیس کو قدرتی طور پر سید احمد صاحب سے الفت بہت ہو گئی تھی۔ اور یہ الفت صرف مولانا شہید کی تقریر کا صدقہ تھا ہر شخص یہ کہتا تھا۔ جس کے مرید ایسے ہیں پیر خود کیسا ہو گا۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر نائب السلطنت نے دعوت کے لیے کہا۔ معمولی انکار کے بعد منظور کر لیا گیا۔ اور دوسرے دن شام کو سید احمد صاحب مع اپنے صادق مرید اسمٰعیل اور مولوی عبدالحی کے ہاتھیوں پر بیٹھ کر معتمد الدولہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے آج تو تقریباً کل ہی شیعہ سنی مولوی جمع تھے۔ اور سوائے شاہ کے اکثر امرا بھی تھے جلسہ نہایت پر تکلف اور امیرانہ تھا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب پر سب کی تیز تیز نظریں پڑنے لگیں۔ نگاہوں میں استعجاب اور خوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ برابر ٹکٹکی باندھ کر اس طرح دیکھ رہے تھے۔ جیسے کسی عجیب الخلقت چیز کو تکتے ہیں پہلے آہستہ آہستہ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مولانا سبحان علی خان صاحب جو ایک زبردست فاضل اور مقرر تھے آگے بڑھے اور معمولی تمہید کے بعد مولانا عبدالحی صاحب سے کچھ دریافت کیا۔ خطاب مولوی اسمٰعیل صاحب کی

میں مجھ سے گفتگو کرلیں مگر مجتہد صاحب حیلے کر کے ٹال دیتے تھے کبھی ملکی
معاملات کی پیچیدگی بیان کر کے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ اور کبھی جگہ کے مقرر ہونے
پر تامل تھا۔ اور کبھی اپنی بیماری اور سستی اداز کا بہانہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ
مناظرہ کرنے سے جی انکار نہ تھا۔ اور جب شیعہ عمائد کی طرف سے مجبور
کیے گئے تو وعدہ کرلیا ہاں امروز فردا میں ٹالتے رہے مجتہد ہی کے سبب سے
سید احمد صاحب کو مہینہ سوا مہینہ لکھنؤ میں قیام کرنا پڑا ورنہ لکھنؤ میں آنے
کا جو منشا تھا وہ پورا ہو چکا تھا نصیر الدین حیدر خود دو بار ڈیرہ ہی میں شاہ مینا
کی درگاہ پر قدمبوس ہو چکے تھے۔ اور ایک سچی روایت کے بموجب شاہ اودھ نے
یہ فرمایا تھا۔ اگر مولوی اسمٰعیل صاحب برس دن میں یہاں رہ کر روز وعظ فرمائیں تو مجھ
سمیت یہاں کا بچہ بچہ سنی ہو جائے گا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اسمٰعیل جیسا نفس
سید صاحب علیحدہ کر دیتے۔ اور اس موہوم کامیابی پر اپنے ایک عظیم الشان اقدام کو
خام چھوڑ دیتے سید صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ مجھے بہت سے فرائض اسمٰعیل
کی معیت میں انجام دینے ہیں۔ اس لیے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ الحمدللہ کہ
آپ کی طبیعت میں سنی مذہب کی صداقت تو آ گئی امید ہے کہ آئندہ خیالات کی
کامل اصلاح ہو جائے گی جتنے وعظ اب تک اسمٰعیل یہاں دے چکا ہے اور آئندہ دیگا
ہدایت حاصل کرنے والے کے لیے کافی ہیں:۔

مولوی اسمٰعیل صاحب رستہ دیکھتے دیکھتے بیقرار ہو گئے اور مجتہد کے
وعدے وعید سنتے سنتے تنگ آ گئے آخر ایک دن آپ نے تنہا ہی جانے کا مصمم
ارادہ کر لیا۔ سپاہیانہ لباس زیب تن کیا طمنچہ کمر میں۔ شمشیر آبدار پہلو میں غرض اس

سیج دیگج سے مولوی دلدار علی صاحب کے مکان پر آئے یہاں اکثر مجتہد صاحب
کے معتقدین دست بستہ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے کلینی وغیرہ کتابیں
پڑھ رہے تھے مولوی دلدار علی مجتہد کا مکان امیرانہ سامانوں سے آراستہ تھا
اور شاہی شوکت پرستی تھی نقیب چوبدار کونوں میں کھڑے تھے ہر شخص
اندر آنے اور مجتہد صاحب تک پہنچنے کے لیے آزاد تھا ہاں خلاف ادب
کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکتا تھا۔

مولانا شہید نے چوکھٹ میں قدم رکھتے ہی عجیب پرشوکت دربار دیکھا
اور سامنے مجتہد صاحب کو طلبہ کے ساتھ مشغول پایا آپ دلیرانہ جا کر علیحدہ
ہو بیٹھے اور السلام علیکم کے سوا کورنش وغیرہ نہیں کی جیسی وہاں کی اخلاقی اور
مذہبی مجالس کا قاعدہ تھا سپاہیانہ صورت اور اس بے باکی سب نے
حقارت کی نظر سے دیکھا مجتہد صاحب نے بھی اپنے ناخواستہ مہمان کو کن انکھیوں
سے دیکھ لیا اور خاموش طلبا کو سبق پڑھاتے رہے مولانا شہید چپکے بیٹھے رہے
اور کسی سے بات نہ کی جب مولوی دلدار علی مجتہد فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے اجنبی
مہمان سپاہی سے باخلاق دریافت کیا۔ بھائی تم کون ہو کہاں سے آئے ہو مولانا
شہید نے جواب دیا میں ایک مسافر سپاہی ہوں ایک مسلک کی تحقیق کرنے آپ کی
خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے عموماً ایسے مشکل مسائل سے کام رہتا ہے میں نے
خیال کیا ہے آپ ہی لکھنؤ میں سب سے بڑے فاضل ہیں مجھے اچھی طرح سمجھا کر میرا
اطمینان کر دیں گے مجتہد صاحب نے تم جو کچھ دریافت کرو جو کچھ مجھے معلوم ہوگا میں
تمہیں بتا دوں گا اجازت پا کر مولانا شہید نے دریافت کیا تقیہ اور نفاق میں کیا

فرق ہے۔ اگرچہ سوال مشکل تھا۔ مگر مجتہد صاحب نے دونوں کا اختلاف بیان کیا اور بہت سی دلیلیں بھی پیش کیں مولانا شہید نے دلیلوں کو توڑ دیا اور دونوں کو یکساں کر کے دکھا دیا پھر مجتہد نے اپنے مطلب کے اظہار میں گوہر افشانی کی مگر دوبارہ بھی بیکار گئی غرض تین بار دونوں کو علیحدہ علیحدہ ثابت کرنے میں کوشش کی اور یہاں تینوں ہی بار اس کی تردید ہو گئی اور دکھا دیا گیا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

جب یہ رد و بدل ہوئی تو اب مجتہد صاحب کے کان کھڑے ہوئے وہ سمجھ گئے کہ ضرور یہ کوئی فاضل اجل ہے نرا سپاہی نہیں ہے میری ایک بات بھی چلنے نہیں دیتا اب کتنی خفت کی بات تھی طلبہ الگ سناٹے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور یار آشناؤں کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے سب متعجب تھے کہ یہ کس غضب کا سپاہی ہے کہ مجتہد صاحب کو کسی پہلو پر جمنے نہیں دیتا جب مولوی دلدار علی مجبور ہوئے تو زیادہ زبانی گفتگو کی مصلحت نہ دیکھی تو آپ نے اپنا پیچھا چھڑانے اور اپنی خفت مٹانے کے لیے یہ ارشاد کیا ایسے مسائل زبانی طے نہیں ہوتے آپ ناحق اس مشکل مسئلہ کے سیکھنے اور اس پر رد و قدح کرنے کی تکلیف برداشت کرتے ہیں جب مولانا شہید نے مجتہد کو لاجواب پایا تو آپ السلام علیکم کہہ کر اٹھ کر چلے آئے پیچھے مجتہد صاحب نے آدمیوں کو دوڑایا کہ اس سپاہی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور یہ دیکھتے رہو وہ کہاں جاتا ہے اور کون ہے۔

ابھی وہ جانے بھی نہ پائے تھے کہ ایک شخص دریافت کرتا ہوا آیا مولوی اسمٰعیل صاحب یہاں آئے تھے مجتہد صاحب نے اپنے خاص مصاحبین کو دوڑایا کہ جس طرح ہو منت سماجت کر کے مولوی اسمٰعیل کو لے آدیں غرض مولوی اسمٰعیل

واپس آئے مجتہد نے اٹھ کر تعظیم دی اور معانقہ کیا۔ اور معذرت کی کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ سپاہیانہ لباس میں جلوہ افروز ہیں اس لیے اس وقت آپ کو تعظیم نہیں دی گئی۔ دوبارہ آنے پر اس مسئلہ کی نسبت گفتگو نہیں ہوئی تھوڑی دیر کے بعد مولانا شہید اٹھ کر چلے آئے مجتہد صاحب کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ اپنے تمام شیعی علماء کو جمع کیا۔ اور ان کے آگے یہ جھگڑا پیش کر کے استفتا لینا چاہا سب نے مل کر اس کی بابت بڑی طول طویل بحث لکھی۔ صدہا کتابوں کا حوالہ اور عبارت بھی نقل کی اور یہ ثابت کیا کہ لفاق اور چیز ہے تقیہ اور بات ہے جب یہ استفتا تیار ہو گیا مولانا شہید کی خدمت میں بھیج دیا گیا جو شخص کہ غذے کر گیا تھا اس کی ملاقات پہلے مولوی عبدالحی صاحب سے ہوئی وہ سمجھا مولوی اسمٰعیل یہی ہیں اس نے زشہ نہ لی سے استفتا پیش کیا۔ اور یہ عرض کیا مجتہد صاحب نے آپ کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔

جونہی مولوی عبدالحی صاحب نے اس فتویٰ کو ملاحظہ کیا تو آنکھیں کھل گئیں عبارات کا ادق اور پیچیدہ ہونا تو ایک معمولی امر تھا مگر سب سے زیادہ مشکل یہ تھا کہ اگر جواب الجواب لکھا جائے گا تو اس کے لیے صدہا کتب کی ضرورت ہوگی۔ اور حالت سفر میں ان میں سے ایک کتاب بھی پاس نہیں ہے سوا اس کے کوئی چارہ ہی نہیں دیکھا کہ خاموشی اختیار کی جائے آپ نے کئی کئی بار پڑھا مگر کوئی پہلو جواب نہ دیکھا۔ لیاقت تو نتیجے درکار تھی مگر پہلے کئی اونٹ کتابوں کے چاہئیں تھے۔ جن کا بہم پہنچنا محال تھا جب جواب دینے کا کوئی رستہ نہ دیکھا آپ نے وہ ہی فتویٰ مولوی اسمٰعیل کے پاس بھجوا دیا اس وقت مولینا شہید چیل قدمی

دیئے گئے تھے۔ آدمی دریافت کر کے آپ کے پیچھے دوڑا اور وہ کاغذ بستہ
میں مولوی اسمٰعیل کو دیا۔ آپ سمجھ گئے کہ مجتہد صاحب نے یہ کارستانی کی ہے
کتابوں کے حوالے دیکھ کر پہلے آپ بھی چونکے مگر جب قوت حافظہ نے اس سے
زیادہ کتابوں کا خزانہ اپنے میں دکھایا یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب
مولانا شہید نے کتابیں نہ ہونے پر اپنے کو خزانہ کتب پایا تو اس کے جواب دینے میں
ذرا پس و پیش نہ کیا فوراً اپنے ڈیرے میں واپس آئے بغیر دوبارہ پڑھنے لکھنے بیٹھ
گئے اور دو گھنٹے کے عرصہ میں جواب الجواب مجتہد صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا
جواب الجواب میں بھی بہت سی کتابوں کا حوالہ مع ان کی عبارت کے درج تھا
ہم اس بحث کو یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھتے وہ طول طویل بہت ہے اور ناظرین
کی دلچسپی کا باعث اس قدر نہ ہوگی کیونکہ اس سے دلچسپی وہی شخص لے سکتا ہے
جسے حدیث ... تواریخ وغیرہ پر عبور ہو ورنہ عالمانہ بحث اس کے سامنے
معمولی تحریر سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی جونہی مجتہد صاحب نے جواب
الجواب دیکھا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اب انہوں نے کوئی چارہ نہ
دیکھا علماء کے آگے جواب الجواب پیش کیا۔ انہوں نے کہا یہ بحث ہمارے
لئے مفید نہیں ہے۔ ہم نے کئی دن میں مل کر جواب لکھا اسمٰعیل نے بغیر دیکھے
کتب دو تین گھنٹے میں جواب لکھ دیا ضرور اسے موکلوں کا علم آتا ہے۔ وہ ان سے
کام لیتا ہے۔ ورنہ آدمی کا حافظہ ایسا زبردست نہیں ہو سکتا کہ صدہا کتابوں
کی عبارت اسے ازبر ہوں اور بغیر دیکھے جس کتاب کی عبارت نقل کرے اصل
میں اور اس کی نقل میں ایک حرف کا بھی فرق نہ ہو۔ مجتہد سوائے خاموشی کے اور

کیا کر سکتا تھا۔ ہاں مختلف علماء کو مولوی صاحب موصوف کے خلاف بھڑکاتے
رہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہ تھا۔ اور بہت سے حاسدوں نے مخالفت کی
مگر ایک بھی پیش نہ چلی آخر کامیابی کے ساتھ سید احمد صاحب معہ اپنے دوستوں
کے بنارس چلے آئے کل ممالک مغربی کا تقریباً چکر لگایا اور ہر طرح سے جہاد کی
تدبیریں کرلیں۔ کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سید احمد صاحب کے واعظ وعظ
دیتے اور چندہ آدمی جمع کرتے نہ پہنچے ہوں۔ اسی اثنا میں آپ نے حج بیت اللہ
بھی کرلیا اور وہاں سے واپس ہوکر پھر اپنے عظیم الشان فرائض کی انجام دہی میں
مصروف ہوئے۔ جو ہجرت اور جہاد کے مدنظر تھے ہجرت اگرچہ انگریزوں کی عملداری کی وجہ
سے تھی۔ لیکن سیاسی مصلحت کی بنا پر سید صاحب نے یہ اعلان کیا۔ کہ سرکار انگریزی سے
ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے ہم صرف سکھوں سے اپنے
بھائیوں کا انتقام لیں گے یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل باخبر نہ ہوئے اور
نہ ان کی تیاری میں مانع آئے۔ سکھوں کی قومی سلطنت کے مقابلہ میں ہتھیار
اٹھانا بہت سخت اور دشوار کام تھا۔ مگر مولوی اسمٰعیل کی جرأت اور بے دھڑک لیڈری
نے ایسی خوفناک سلطنت سے مقابلہ کرنا کچھ مشکل نہ سمجھا۔ اصل میں ان مسلمان
بھائیوں کے انتقام لینے کا جوش امڈ رہا تھا۔ ایسی بے خودی میں یہ اندازہ نہیں
ہو سکتا کہ جس پر میں حملہ کر رہا ہوں وہ مجھ سے زیادہ قوی ہے یا کمزور ہے۔ قصہ
مختصر یہ کہ سکھوں کی سرحدوں پر حملہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

ع۔ انگریزوں کی بعض سیاسی تدبیریں تھیں جو مذہبی رنگ میں بھی تھیں ان کی مدد ملتی رہی تھی اس سبب تو جب آپ عظم
سید صاحب کی اس سیاسی مصلحت کو دوام کے رنگ میں پیش کرتی ہیں حالانکہ مجاہدین وطن کی جماعت کی جو ... اور سرحد
کے بعد ہم کو ملک جدوجہد ... کا یہی ثبوت ہے کہ سید صاحب کا یہ اعلان مصلحت پر سیاست کی بنا پر تھا (ع)

نواں باب

مذہبی لڑائیاں جنکی ابتدا ۱۲۴۱ھ سے ہوتی ہے

جتنی مذہبی لڑائیاں مجاہدین نے سکھوں کے مقابلہ میں لڑیں ان میں سے زیادہ پارٹ (حصہ) مولانا شہید نے لیا تھا۔ پولیٹیکل خطوط جتنے حکمرانوں کے نام روانہ ہوئے وہ سب مولانا شہید ہی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں جن میں سے بعض ہم آئندہ درج کریں گے۔

جب ہر طرح مجاہدین کی جمعیت ہو گئی اور روپیہ بھی حسب ضرورت اکٹھا ہو گیا۔ تو مولانا شہید کے مشورہ سے سید صاحب نے خاموشی سے پہلے تھانیسر کا سفر کیا۔ یہاں کے لوگوں کو گنج سے خود اپنے ارادہ سے آگاہ کیا پھر آپ نے مالیر کوٹلہ۔ ممدوٹ۔ بہاولپور۔ حیدر آباد سندھ۔ شکار پور۔ جاگن خان گڑھ۔ درہ ڈھادر درہ بولن۔ پشین۔ قندھار۔ کابل کا سفر کیا۔ یہ عظیم الشان سفر بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا۔ اور جو جو نتائج سید صاحب مولانا شہید کے ذریعہ سے حاصل کئے وہ وہ خوش آئندہ ہی نہ تھے۔ بلکہ سکھ سلطنت کے لئے زوال کی ایک فال سمجھنی چاہیئے عموماً جس شہر میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ پہلے وہاں کے علماء پر سکہ بٹھاتے تھے جب وہ معتقد بن جاتے تھے تو امراء اور عوام الناس کا قبضہ میں آنا کچھ بات ہی نہ تھا۔

بڑی بات یہ تھی کہ سکھوں کے قابل رحم مظالم سے سب چیخ اٹھے تھے

اور خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی منتظم پیدا ہو تو اس کی مدد کریں۔ امید سے زیادہ مسلمانوں نے سید صاحب سے ہمدردی کی اور جب آپ کابل پہنچے ہیں تو یہاں اول مشکل جو آپ کو پیش آئی وہ ملا محمد کو رام بنانا تھا۔

ملا محمد ایک فاضل اجل اور عالم متبحر تھا اور عموماً کابل کا کابل اس کا مرید تھا۔ اس کے اشارہ پر ہزاروں افغان گردن کٹانے کو موجود تھے۔ جب قابل میں آپ نے قیام فرمایا تو پہلے ملا محمد کے شاگرد مولانا شہید کا امتحان لینے کے لئے آئے معمولی درسی صرفی نحوی کتابوں کے مشکل مقامات خوب دیکھ کر بحث کرنے کے لئے موجود ہوئے مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کی بچپن ہی سے مذاق بھرا ہوا تھا۔ اور ایسے مواقع پر آپ ضرور مذاق کیا کرتے تھے۔ آتے ہی ایک شخص نے شرح ملا میں سے ایک مقام دریافت کیا آپنے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر ایک طالب علم نے صدرا میں سے استفسار کیا پھر بھی آپ نہ بولے تیسرے نے شمس بازغہ میں سے کچھ سوال کیا۔ اس کا بھی جواب نہ دیا گیا۔ اب تو طلبہ نے بغلیں بجالیں اور وہ سمجھ گئے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں مولوی اسمٰعیل کی اتنی شہرت تھی مگر یہ ایک حرف بھی نہیں جانتے۔ آخر انہوں نے کہا ہم نے تو آپ کے علم و فضل کا بڑا چرچا سنا تھا۔ اور یہی ہمارے گوش گزار ہوا تھا کہ آج آپ ہند میں فرد واحد ہیں۔ مگر ہم نے تل کر آپ کو کچھ نہیں پایا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا

یہ تقریر سن کر آپ مسکرائے اور یہ گویا ہوئے۔ طالب علمو! یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے تم نے تو ان مقامات کا مجھ سے استفسار کرنے آئے شب بھر خوب مطالعہ

کیا ہے۔ میں نے ان پر غور ہی نہیں کیا۔ پھر میں کیوں کر تمہیں برجستہ جواب دے
سکتا ہوں۔ آج تم کوئی خاص مقام مجھے بتا دو میں بھی اسے دیکھ لوں اور تم بھی دیکھ
کر آؤ کل ہماری جوڑ اڑیگی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ سمجھ لینا کہ ایک شخص سے بحث کرنے
گا تنے آدمیوں کا مقابلہ تنہا شخص کیونکر کر سکتا ہے۔ یہ سن کر سادہ لوح طلبہ بہت
خوش ہوئے اور ایک مقام شرح ملا کا بتا گئے اور یہ کہہ گئے آپ اسے سوچ رکھیے گا۔ کل
آپ سے بحث کریں گے۔ انہوں نے اپنا استاد اخوند ملا محمد سے ساری کیفیت بتائی
وہ ایک معمر فاضل شخص سن کر سر ہلانے لگا۔ اور سمجھ گیا اسمٰعیل نے انہیں قابل خطاب
نہ پایا اسی لئے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ دوسرے دن وہ خود معہ شاگردوں کے آیا اور معمولی
مزاج پرسی کے بعد تقلید پر مباحث دا ہوا۔ کامل تین گھنٹے تقریر ہوتی رہی آخر مولانا
شہید نے اسے قائل کر دیا اور یہاں تک اسے سید صاحب کا معتقد بنایا کہ
اس نے بطیب خاطر بیعت کی اس کا مرید ہونا تھا کہ ہزاروں پٹھان آنے اور
بیعت کرنے لگے۔ پٹھانوں پر یوں فتحمندی حاصل کرنا سکھوں پر فتح پانے کا ایک
دیباچہ تھا۔ اس کامیابی پر سید احمد صاحب نے بیتابانہ پیارے شہید کو گلے
سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر دعا دی کہ خدا کا ہاتھ ہمیشہ تیرے سر پر
رہے اور پے در پے کامیابیوں اور علمی فتوحات نے عملی فتوحات میں جان ڈال
دی اکثر لوگ سکھوں سے انتقام لینے کے لئے تیار ہو گئے اور اب جنگ کی
زور شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ مولانا شہید سید احمد صاحب کی سر رشتہ داری
کا کام بھی انجام دیتے تھے اور لشکر مجاہدین کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ ان دو
عمدہ فرائض کی انجام دہی بحسن و خوبی کرنی ایک سخت کام تھا۔ مگر اسمٰعیل جیسے

قوی بازو کے آگے وہ اس آسانی سے حل ہو جاتا تھا گویا کچھ بھی نہیں ہے آپ کے قلم میں جیسی غیر معمولی قوت نمو اور زبان میں جیسی لسانہ گویائی تھی ایسی ہی میدان جنگ میں شمشیر آبدار کو گردش دینے اور ناواقف مجاہدین کو قواعد دان سکھوں سے لڑوانے میں ید طولے رکھتے تھے۔ جنگ کی جتنی تدابیر پوشیدہ اور ظاہر کرنی تھیں۔ سب کی گئیں۔ اور جب ہر طرح سے آراستہ ہو گئے۔ تو درہ خیبر سے ہوتے ہوئے سرحد پشاور میں آئے۔ یہاں سے ہشت نگر ملک یوسف زئی میں ہوتے ہوئے۔ موضع خویشگی میں قیام پذیر ہوئے۔ اس موضع سے سکھوں کی پولٹیکل منظر کا جوش تماشین بخوبی معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے، ادھر ادھر آدمی بھیج کر تمام موجودہ حالت گورنروں اور سکھوں کی سرحدی فوجوں کی دریافت کرلی۔ زیادہ مدد آپ کو اپنے ان نقشوں سے ملی۔ جو آپ نے اپنے پرائیویٹ سفر پنجاب میں حاصل کئے تھے۔ کامل طور پر دریافت ہو گیا فلاں قلعہ کا افسر فلاں سکھ ہے۔ اور فلاں گڑھی کا قلعہ دار فلاں سنگھ جی ہے۔ ہر امر میں کامیابی جب ہوتی ہے۔ کہ اہلیان شہر معاونت کریں خواہ ان کی معاونت کتنی ہی قیمت قیمت کیوں نہ رکھتی ہو۔ بڑی بات مولانا شہید کے وعظ میں یہ تھی۔ قومی اصلاحوں کا بوجھ علماء سے گذار کر امراء کی گردن پر رکھتے تھے عموماً تو یہ ہوتا تھا کہ وعظ سننے کے بعد لوگ خادم بن جایا کرتے تھے۔ مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف زبانی سننے کا ان پر وہ اثر ہوتا تھا کہ نادیدہ مولانا شہید یا ان کے مرشد سید صاحب کے مرید اور عاشق شیدا بن جایا کرتے تھے۔ ان کی فدایت اور فریفتگی زبان حال سے یہ گویا ہوتی تھی۔

نادیدہ جمال او دو مہرش بدلم نہد   ناکاشتہ مہر وید دانا نہ چنیں باید

مثلاً سردار محمد خان جو امیر دوست محمد خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ خود بخود مولانا شہید کی مقناطیسی کشش رکھنے والی محبت میں محو ہو کر مع اپنے باڈی گارڈ کے طلوعِ آفتاب سے پہلے موضع خویشگی میں آکر قدموں پر گر پڑا۔ پیارے شہید نے اپنی شیریں زبانی سے اسے خوش کر لیا۔ اور پھر سید صاحب کی خدمت میں حاضر کیا۔ سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ کے سچے مددگاروں میں بنا۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ مولانا شہید کا تقریر تو پر اثر مشہور تھی مگر رفتہ رفتہ آپ کی تاثیر انجذاب قلبی میں بھی بڑھتی گئی ایک ضعیف بوڑھا شخص (مرحوم) جو بار مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ اور جس نے مولانا شہید کی ہمرکابی کا شرف مدتوں حاصل کیا تھا۔ ایک دن یہ کہنے لگا۔ کہ مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے خیمہ میں، بیٹھے ہوئے جنگ کے آثار جنڈ ہاڈ کو تک رہے تھے۔ کہ یک بیک آپ کے دل میں خیال آیا کہ سکھوں کی طرف سے ہمارے مقابلہ کے لئے مسلمان بھیجا گیا ہے یہ ملکی لڑائی تو ہے نہیں کہ وہ گنہگار نہ ٹھہرے۔ بلکہ یہ مذہبی جنگ ہے اگر وہ ہمارے مقابلہ میں مارا گیا تو قطعی جہنمی ہو گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اس شنیع تر کام سے باز رکھیں۔ یہ فرما کر مولانا شہید خاموش ہو گئے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ پہ غیر معمولی تمتماہٹ جس میں فکر اور افسردگی کی گہری گہری نہ تھی جلوہ دے رہی تھی۔ اور آپ کا ہر سرِ مو یہ گویا تھا۔

جوش دکھلائے ذرا آج تو اے حضرتِ دل   اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

تین گھنٹے بھی مشکل سے گذرے ہونگے۔ کہ وہ تنہا آپ کے خیمہ میں چلا آیا اور

مایوس ہو کر کہا میری طبیعت بے چین ہے خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔ آپ نے ٹھنڈا پانی اس کے سر پر ڈالا اور اپنی گفتگو کے آبِ شیریں سے اس کی روحانی پیاس بجھائی۔ خدا معلوم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے۔ مگر یہاں یہ امتحان تو ہم نے مسمریزم کے ماہر کا بھی کیا ہے۔ کہ اسے اپنے ناتوان کا بے ہوش کرتے بلکہ رہ کوئی بڑی بات کوئی مشکل امر نہیں معلوم ہوتا یا کسی جانتے ہوئے شخص کو بلا لینا کوئی بڑی بات نہیں خیال کی جاتی۔ ممکن ہے اسی کی کوئی قوت پیارے شہید میں بھی ہو گی اور کبھی کبھی اتفاقیہ اس کا ظہور بھی ہو جاتا ہو گا۔

پہلی جنگ

موضع خونگی سے سکھوں کے قوانینِ جنگ سامان آلاتِ حرب اور بعض پوشیدہ معاملات سے جو جنگ کی جان ہوتے ہیں اطلاع ہو گئی۔ سید صاحب موصوف، شہید اور اپنے خاص خاص دوستوں کے مشورہ سے نوشہرہ آ گئے۔ یہیں جنگ شروع ہونے کا پورا خیال تھا۔ اس مقام پر آپ نے کسی قدر سپاہ مجاہدین کو بھی درست کیا۔ دس دس مجاہدین کی ایک ایک کمپنی مقرر کی اور ان پر ایک ایک افسر نامزد کیا۔ اور موقع موقع پر دور دور تک انہیں پھیلا دیا۔ پانسو آدمیوں کی کمان آپ لی اور تین سو جانباز مجاہدین سید صاحب اور بعض مستورات کی حفاظت کے لیے چھوڑے یہ پہلا ہی موقعہ پیارے شہید کو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں شمشیر بازی کرنے کا تھا۔

دربار لاہور کو بھی پے در پے مجاہدین کے ارادے اور آگے بڑھنے کی خبریں

جا رہی تھیں رنجیت سنگھ ولایتوں پر فتح حاصل کر کے خواب خرگوش میں پڑا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔ اور اسے ذرا بھی خیال نہ تھا۔ کہ میری حدود کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے گا۔ جب عین وقت میں مجاہدین کے لشکر کے گھوڑوں کی ہنہنانے کی آوازیں دربار لاہور کے کانوں میں پہنچیں تو وہ اپنے خواب نوشین سے چوکنا ہوا اور نہایت افروختہ ہو کر سردار بدھ سنگھ کی ماتحتی میں دس ہزار فوج دے کر مجاہدین کی گوشمالی کے لئے روانہ کی وہ جانتا تھا کہ دس ہزار سکھ فوج بیس ہزار مخالفین پر بھاری ہے۔ بدھ سنگھ نے موضع اکوڑہ میں اپنا لشکر گاہ بنایا نوشہرہ سے یہ مقام بارہ میل کے قریب واقع ہے۔ ادھر ہلالی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور ادھر سکھوں کا پھریرا اڑ رہا تھا۔ دریائے لنڈہ دونوں لشکروں کی حد فاصل تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سید صاحب نے مولانا شہید سے وہی معمولی تحریری پیغام لکھوا کر بھیجا جو نبی اکرم یا خلفائے راشدین کے وقت میں جب وہ مخالفین اسلام سے بہت ستائے جاتے تھے اور ناچار اپنی حفاظت دینی مالی اور جانی کے لئے جنگ کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ تو جنگ سے پہلے یہ تحریری نامہ بھیجا کرتے تھے۔ کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ پھر ہم تمہارے بھائی ہیں۔ یا جزیہ دو پھر ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور اگر دونوں ہی باتیں منظور نہیں کرتے تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ

اس مضمون کا نامہ سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے سردار بدھ سنگھ کی معرفت دربار لاہور کو روانہ کیا۔ جونہی قاصد دربار رنجیت سنگھ

میں پہنچا اور دلیری سے یہ نامہ دیا دربار میں اس پر حقارت انگیز آوازیں بلند ہوئیں، جیسے مدائن میں یزدجرد کے پاس سعد ابن ابی وقاص کا پیغام لے کر جب مغیرہ گئے تھے اور یہی باتیں سنائی تھیں ان پر بھی حقارت کے نعرے مارے گئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے نہایت بزدلانہ طور پر ایلچی کو پٹوا کر اور دھکے دلوا کر دربار سے باہر نکلوا دیا اور اس نامہ کا کچھ جواب نہ دیا۔

جب قاصد لشکر گاہ مجاہدین میں پہنچا اور ساری کیفیت سنا دی۔ سید صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا ہم اپنا فرض ادا کر چکے اب ہم سے خداوند تعالیٰ روز حشر باز پرس نہ کرے گا۔ مولانا شہید متفکر تھے کہ ہم سندھ پار اتر کر جنگ کریں گے تو کہیں فائدہ ہوگا۔ بایں ہمیں جار رہنا ہیں منفعت پہنچائیگا آپ اس کشمکش و تذبذب میں تھے کہ رئیس اکوڑہ[۱] سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوا اور اس نے تمام جنگ کے آتار چڑھاؤ سید صاحب اور مولانا شہید کو سمجھائے، اور کہا کہ بدھ سنگھ کا ارادہ ہے سمہ میں آ کر جنگ کرے میرے خیال میں اس کا لنڈہ سے پار ہونا ہمارے لئے بہتر نہ ہوگا مناسب ہے کہ حضور پیش قدمی کر کے دریائے لنڈہ سے پار اتر کر اس کے حملے کو روکیں۔ مولانا شہید نے بھی اس کی تائید کی۔ آخر موضع خویشگی میں جو جنگ کے لئے مناسب تھا پھر قیام کیا۔ ادھر سردار بدھ سنگھ اکوڑہ میں داخل ہو گیا۔

مصلحت اس کی متقاضی ہوئی کہ اس عظیم الشان فوج پر شبخون مارا جائے

۱؎ پٹھان سردار قوم خٹک

مولانا شہید کا ارادہ اس فوج کی کمان کرنے کا تھا۔ مگر سید صاحب نے اجازت نہ دی۔ آخر دو ہزار نفر مردِ میدان آدھی رات کو روانہ کئے گئے۔ انہوں نے خاموشی سے لنڈہ کو عبور کیا۔ شب کی تاریکی ایسی کہ کبھی دیکھنے میں نہ آئے گی۔ دو بجے کے قریب لشکرِ مجاہدین سکھوں پر جا کر گرا۔ سکھ بے ہوش نہ تھے۔ پہرہ چوکی سے وہ بھی چوکس تھے ان کے کانوں میں جونہی اچانک اللہ اکبر کی صدائیں پہنچیں وہ گھبرا کر اٹھے بندوقیں سے گذر کر سینہ بسینہ جنگ ہونے لگی۔ صبح تک یہ دست خونریزی ہوئی۔ طرفین کو مزا آگیا۔ اگر بدھ سنگھ آزمودہ کار نہ ہوتا تو ایک سکھ بھی جانبر ہو کر نہ جاتا۔ مسلمان نے قواعد دان سکھوں کو دکھا دیا کہ ہماری بے سروسامانی اور قوانینِ جنگ سے ناواقفیت تمہاری اس شان و شوکت اور بے سازوسامان پر خمیک مارتی ہے۔ بہت بڑی خونریزی کے بعد سکھوں نے میدانِ جنگ مسلمانوں کو سونپ کر جان بچائی۔ اور پانچ میل اکوڑہ کے پرے بیدو بستی میں اپنی شکستہ فوج کی درستی میں مشغول ہوئے مسلمانوں نے علی الصبح نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اس جنگ میں کوئی قلیل تعداد مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی۔ مگر اس قلیل تعداد میں نامور بہت تھے۔ سکھوں کے کشتوں کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ اکثر مقتولین کو وہ اپنے ساتھ اٹھا کے لے گئے تھے۔ ہاں جو میدانِ جنگ میں بے گور و کفن پڑے ہوئے تھے ان کی تعداد ڈھائی ہزار تھی۔ یہ نمایاں فتح مسلمانوں کو ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء مطابق ۲ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔

گو مولانا شہید نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ پھر بھی آپ لنڈہ کی ایک طرف اس نرپ کو جس پر آپ کمان کر رہے تھے۔ صبح تک کھڑے رہے

اثنائے جنگ میں برابر خبریں آرہی تھیں۔ آپ ہدائتیں کر رہے تھے۔ کہ فلاں طرف سے حملہ کرو اور فلاں رخ دشمن کو روکو۔ گو جی تو بہت چاہتا تھا۔ کہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ شرکت کریں۔ مگر اپنے امیر کا حکم بار بار مانع آتا تھا کیونکہ آپ نے حکم دے دیا تھا۔ کہ اس سے آگے جب تک حکم ثانی نہ آ جائے ایک قدم بھی نہ بڑھانا۔

دوسری جنگ

اس نمایاں فتح نے دربار لاہور میں ایک زلزلہ ڈال دیا۔ اور تمام ملک سندھ میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اب رنجیت سنگھ کی آنکھیں کھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ مجاہدین منہ کا نوالہ نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ہڑپ کر جاؤں گا۔ اور خبر نہ ہو گی۔ مولانا شہید سے پہلے دہلی اور بعد ازاں جہاں جہاں سید صاحب نے علم دیا خطوط روانہ کئے اور اصلی صحیح کیفیت جنگ کی تحریر کی۔ ایک سردار نے اس خوش کن فتح کے بعد سید صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا اگر آپ حضرو پر شب کو چھاپہ ماریں تو علاوہ بے تعداد سامان رسد آلات حرب اور مال و زر ہاتھ آنے کے سکھوں کی کمریں ٹوٹ جائیں گی۔ کیونکہ ایک یہی سر سبز زرخیز موقع ہے جس پر سکھوں کی بہت بڑی جماعت کی زندگی کا دارو مدار ہے اگر یہاں آپ کو کامیابی ہو گی اور فتح ہو گئی۔ تو پھر ادھر بھی مجاہدین کی قوت بڑھے گی اور سکھوں کو مات ملے گی۔ مولانا شہید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے سید صاحب کے حکم سے شبخون مارنے کے لئے تین دستے سو سو آدمیوں کے

منتخب کرکے تیار کئے انہیں تمام جنگی اتار چڑھاؤ بخوبی سمجھا دیا۔ اور چند خاص خاص ہدایتیں جو مولانا شہید کیا کرتے تھے۔ ان سے بھی کہہ دیں۔ ان کی مدد کے لئے سید صاحب کے حکم سے خود پیارا شہید دو سو سوار افغانی لے کر کھڑا ہوا جن میں بعض بعض آپ کے خاص خاص شاگرد بھی تھے یہ تین دستے جنہوں نے طمع غنیمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا تعالیمی تھے ان میں ایک بھی ہندوستانی نہ تھا۔ دس بیس قندھاری ضرور تھے جو ان کے ساتھ سید صاحب سے اجازت لے کر روانہ ہوئے تھے یہ شبخون جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے۔ مولانا شہید کی خلاف مرضی وقوع میں آیا۔ سید صاحب نے اجازت دے دی تھی اور آپ نے بھی جنگ کے لئے مستعدی ظاہر کی تھی۔ مگر ایسی خفیف جنگوں کی بنیاد کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانوں نے حضرو کو لوٹا اور بکثرت مال غنیمت لے کر وہاں سے بھاگے پیچھے سے سکھوں نے تعاقب کیا۔ اور بعد ازاں جنگ چھڑ گئی اگر مولانا شہید خطرناک دلیری نہ کرتے تو ہندوستانیوں کو سخت چشم زخم اٹھانے پڑتے گو مال غنیمت امید سے زیادہ ہاتھ لگا۔ مگر پھر کیا سید صاحب کو ایک حصہ بھی افغانیوں اور قندھاریوں نے نہ دیا۔ اور خود ہڑپ کر گئے۔

اصل میں پولٹیکل اور جنگی معاملات کی پیچیدگیوں کو سلجھانا اور اپنے موافق ان سے نتائج پیدا کرنا ایک دشوار کام ہے۔ مولانا شہید میں یہ روح تھی کہ وہ ان ہیبت ناک معاملات جنگی کا اتار چڑھاؤ سمجھ سکیں۔ مگر ان کاموں کا اس قدر بوجھ تھا کہ وہ کچھ کر ہی نہ سکتے تھے۔ جتنی تدبیریں کی جاتی تھیں۔ قدرتی یا اتفاقی طور پر تو حسب منشا پڑ جاتی تھیں۔ ورنہ بعض اوقات تو مجاہدین کی طرف سے ایسی بے

عنوانیاں ہو جاتی تھیں. کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا تھا. تمام مجاہدین پر کوئی حاکم نہ تھا یہ تسلیم کیا جاتا ہے. کہ سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو وہ لوگ بزرگ جانتے تھے اور بیعت سے مشرف ہونے کے بعد اطاعت بھی کرتے تھے. مگر یہ اطاعت خوشی کی اطاعت تھی. کوئی تعزیری قوانین ان کے لئے مرتب نہ کئے گئے تھے جس کے وہ پابند ہوتے نہ ان کی بے اعتدالیوں پر جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سزا دیا کرتے تھے. کسی مجاہد کو تعزیر دی جاتی تھی.

حضرو کا شب خون گولیٹروں کے حق میں بہتر ہوا مگر سکھوں کو شب خون نے اور زیادہ دلیر اور حوصلہ مند بنا دیا وہ سمجھ گئے ان لوگوں میں میدان میں کھلم کھلا جنگ کرنے کی قدرت نہیں ہے یہ لٹیرا پن ہی جانتے ہیں حالانکہ یہ بات نہ تھی. مجاہدین کا اکثر حصہ میدان میں بھی سکھوں کے مقابلہ میں شربت شہادت پینے کے لئے لب خشک دکھائی دیتا تھا. اور وہ گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ یا دہم یا ستانم کلاہ قصہ مختصر یہ کہ اس حضرو کے شب خون سے قندھاریوں اور افغانیوں نے تو فائدہ اٹھایا مگر سید صاحب کے گروہ کا کچھ نفع سوائے مضرت جان کے نہ ہوا

تیسری جنگ

مجاہدین میدان جنگ میں نہایت دلیری اور قابل توصیف بے جگری سے لڑتے تھے. مگر جب انہیں کو لڑانے والا یا دشمن کی زد سے بچانے والا نہ تھا ان کی بے جا با جرئتیں اور بے نظیر شجاعتیں جیسا کہ چاہیے نتیجہ پیدا نہ

کرتی تھیں۔ مولانا شہید نے اس وقت مصلحت یہ سمجھی کہ اس ملک کے نخل ہو ہو یا سے یہ اقرار نامہ لکھوا لیا جائے کہ ہم نے سید صاحب کو امام تسلیم کیا۔ یہ تدبیر چل گئی اور نہ صرف پنجاب کے مولویوں نے بلکہ ہندوستان کے بھی اکثر علماء نے یہ اقرار نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ کہ ہم سید احمد کو امام المسلمین تسلیم کرتے ہیں۔

حضرو کے شب خون کے بعد جس سے شجاع مجاہدین کے دامن حرات پہ بزدلی کا دھبہ لگا دیا تھا۔ بدھ سنگھ جنرل افواج سکھ نے ایک خط سید صاحب کی خدمت بابرکت میں روانہ کیا اور لکھا کہ شب خون مارنا اور بے خبروں پر چڑھا چلانا شجاعان و سپر کا شعار نہیں ہے کہ وجہ ہے کہ آپ میدان جنگ میں نہیں آتے اور دست بدست جنگ کر کے باہمی قسمتوں کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔

سید صاحب نے اس کا جواب ایسی مجملاً عبارت میں دیا جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا آیا آپ نے شب خون ناپسند فرمایا یا میدان جنگ میں دست بدست جنگ کرنی اچھی جانی چونکہ یہ ایک پولیٹیکل راز ہے اور ایسی عبارت ضرور ایسے نازک معاملات میں تحریر ہونی چاہیے اس لئے ہم مولانا شہید کی تعریف کرتے ہیں کہ آپکا صحیح دماغ ان اہم اور بعض اوقات لاینحل معاملات میں بھی ایسا لڑ جاتا تھا کہ آج تک آپ کی تدابیر ملکی کو سمجھنے والے عش عش کرتے ہیں خط جسے ہم بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں مولانا شہید کی پولیٹیکل قابلیت کا اعلٰے درجہ کا نمونہ بتاتا ہے وہو ہذا

از امیر المومنین سید احمد صاحب بجانب نامی سردار بدھ سنگھ جنرل افواج مہاراجہ رنجیت سنگھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از امیر المومنین سید احمد بجانب ... تحریر میرے مانا د

جنود و عساکر مالک خزائن و دفاتر جامع ریاست و سیاست حاوی امارت و ایالت
صاحب شمشیر و جنگ عظمت نشان سردار بدھ سنگھ ہدی اللہ تعالیٰ اسواء الطریق
واحطر علیہ سحاب التوفیق پوشیدہ نماند کہ نامہ فصاحت شمامہ مشتمل بر اظہار مراتب
دعاوی شجاعت و شہامت رسید مضامین مندرجہ واضح گردید۔ ظاہراً آنچہ
ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی و معرکہ پیرائی مقصود است ان را خوب نہ فہمیدہ
اند کہ نامہ مذکور نگارش نمودہ اند الحال بگوش ہوش باید شنید و خلاصہ آن
بغور تمام باید فہمید کہ منازعت با اہل حکومت و سیاست بنا بر اغراض متعددہ
مے باشد بعضے را از منازعت مذکورہ حصول مال و ریاست مقصود مے باشد
بعضے را اظہار شجاعت و شہامت و بعضے را فقط تحصیل مرتبہ شہادت و ایں جانب
را امرے دیگر متصور است و آں فقط بجا آوردن حکم مولائے خود کہ مالک علی الاطلاق
و ملک بالاستحقاق است کہ در مقدمہ نصرت دین محمدی وارد شدہ است خدا عزوجل
گواہ است بریں معنی ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی غیر از امر مذکور غرضے دیگر از اغراض
نفسانیہ درمیان نیست بلکہ آرزوئے آں ہم نہ گاہے بر زبان مے گردد ونہ
گاہے در دل میگذرد پس در نصرت دین محمدی ہر سعی بہر وجہ کہ ممکن باشد بجا
آرم و ہر تدبیرے کہ در آں مفیدے فائدہ بود بکار آرم و ان شاء اللہ تعالیٰ
تادم مرگ در ہمیں سعی مشغول خواہم ماند تا آنکہ در ہمیں تدبیرات جان بذل خواہم
کرد تا زندہ ام ہمیں دارم و تا موجودم ہمیں مقصدے جز ہمیں ندارم۔ پس ایں است
ہمیں راحت و ہمیں سود خواہ مفلس شوم خواہ غنی خواہ منصب سلطنت یابم
خواہ رعیت گری خواہ منہزم بمیں خواہ مسلم بشجاعت خواہ بمرتبہ غزا فائز شوم خواہ

بمنزلہ شہادت آرے اگر بینیم کہ رضائے مولائے من درہمیں منحصر ست کہ در معرکہ جنگ تنہا بجانِ خود بیائیم پس بسم اللہ و باللہ کہ بصد جان سینہ سپر نمائیم و در مجامع عساکر بید غدغہ و سواس درآئیم بالجملہ مرا با ظہار دعاوی شجاعت و تحصیل ریاست غرض نیست ملائتش ہمیں است کہ اگر کسے از امرا رکبار در رؤسا عالی مقدار دین محمدی قبول نماید فی الحال مردانگی او ربصد زبان اظہار نمائم واز دیا سلطنت او بہزار جان می خواہم بلکہ درباب ترقی ریاست او رمساعی بے شمار مے آرم ایں امر فی الحال امتحان کنند اگر خلاف برآید دران لزام دہند اگر بنظر انصاف غور نمائند ایں جانب بدیں مقدمہ اصلا مطعون و ملام نیست زیرا کہ وقتیکہ آں عظمت نشان درمقدمہ بجا آوردن احکام حاکم خود ہیچ عذرے وحیلہ نمی توانند آورد وحالاں کہ آں حکومت نشان از افراد ایشاں بلکہ از جملہ برادراں ایشاں است پس ایں جانب در مقدمہ بجا آوردن حکم احکم الحاکمین چگونہ عذر تواند آورد حالاں کہ آں جلیل الشان خالق جمیع افراد انسان بلکہ مکون سائر اکوان است والسلام علی من اتبع الہدے تحریر بتاریخ پانزدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۴۳ھ فقط۔

بدھ سنگھ جنرل افواج سکھاں کے پاس جب یہ نامہ پہنچا تو سوائے تیاری جنگ کے وہ اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس نے دریائے اباسین پر تین ہزار شائستہ فوج سکھوں کی روانہ کی اور حکمت یہ کی کہ آٹھ دس توپوں کو اپنے عقب میں رکھ لیا تاکہ مجاہدین بے خبر ہو کر حملہ کریں تو ہم ان کی خبر لیں۔ اس وقت بہت بڑے انتظام کی ضرورت تھی۔ افغانوں کا بزدلا پن اور دھوکے بازی کھل چکی تھی ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا شہید نے ایک بار سید صاحب کی خدمت

میں یہ عرض کر دیا تھا۔ ہمیں افغانوں کی جمعیت بڑھنے میں زیادہ خوش نہ ہونا چاہیے
یہ لوگ بزدل اور دغا باز ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمیں چشم زخم اٹھانی پڑے گی مگر سید
صاحب نے اس بات کو نہ مانا تھا۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ جب کوئی شخص خود جہاد کے
لئے بغیر کہے جانا چاہتا ہے میں اسے کیوں روکوں ایک دیسی سردار نے درخواست
کی کہ اگر حکم ہو تو اباسین سے پار اتر کر دشمن کی فوج پر افغانوں کے ساتھ حملہ کر دوں
آپ نے اجازت دے دی مگر مصلحتاً سید صاحب نے مولانا شہید کو بھی ہمراہ کر دیا
کل پانسو ہندوستانی آپ کے ساتھ تھے۔ مولانا شہید نے سردار مذکور سے کہہ دیا کہ
جب تک ہم کشتیوں پر قبضہ نہ کرلیں گے۔ فتح نہیں پا سکتے۔ بڑی کشمکش سے کشتیوں
پر بھی قبضہ ہو گیا۔ مولانا شہید نے افغانوں کے ساتھ کھل مل کر دشمنوں پر حملہ نہ کیا
بلکہ سکھوں کے مقابلہ میں ایک طرف سے تو افغانی سردار مذکور کی زیر کمان بڑھے
اور دوسری طرف سے مولانا شہید نے اپنے گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ جب
نصف دریا افغانوں نے طے کر لیا اور سکھوں نے اپنے حملہ آوروں کو اپنی زد پر
بالکل ٹھیک سمجھ لیا تو انہوں نے اپنی عقب والی توپوں سے فائر کرنے شروع
کئے جونہی دس بیس دیسی اڑے کل فوج کی فوج الٹی پھری بہت سے اباسین
کے نذر ہوئے۔ اور باقی جان بچا کر بھاگے۔ محض بے سرا پن تھا نہ کوئی قاعدہ
جاری تھا۔ نہ کسی کی باقاعدہ کمان تھی لوٹ کا لالچ افغانوں کو لئے پھرتا تھا اور
ایسے حملوں میں اگر مولانا شہید کا دم نہ ہوتا تو سخت ذلت ہوتی۔

جس وقت افغانوں کی بے تعداد بے سری فوج بھاگی ہے مولانا شہید کے
بھی پاؤں اکھڑ گئے تھے آپ نے اس نظارہ کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور چاہتے

تھے کہ باگیں پھیر لیں۔ اور مٹھی بھر آدمیوں کو دشمنوں کے پنجہ سے نکال لیں مگر اپنی نڈر طبیعت اور غیرت اسلام نے تقاضا نہ کیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو للکارا اور کہا یہی وقت ہے اسلام پر جان قربان کر دینے کا۔ بڑھو اے بھائیو بڑھو یہ کہہ کر سب سے پہلے گھوڑے کو بڑھایا۔ جتنے ہندوستانی ساتھی تھے آپ کے پیچھے سکھوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ قدرتی طور پر سکھوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ اپنی توپیں اور بہت سا سامان حرب چھوڑ کر بھاگے۔

اسے ہم تائید غیبی کہتے ہیں۔ ورنہ مٹھی بھر آدمی کبھی ان سے مقابلہ کر کے جانبر نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا شہید نے کل سامان پر قبضہ کر لیا۔ اور بالفتح و ظفر اپنے کیمپ میں واپس آئے۔

چوتھی جنگ

اس اتفاقیہ فتح کے بعد سید صاحب مع اپنے کل جانثاروں کے نوشہرہ میں آ گئے۔ یہاں سرداران پشاور بیس ہزار فوج لئے ہوئے سید صاحب کی مدد کے لئے تیار کھڑے تھے۔ دربار لاہور کو وقتاً فوقتاً پے در پے شکستوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اور وہاں سے برابر لشکر روانہ ہو رہا تھا۔ میدان سید و جنگ کے لئے موزوں قرار دیا گیا۔ طرفین کی آنکھیں اس انقطاعی جنگ پر لگ رہی تھیں سکھوں کی بھی پندرہ ہزار فوج جمع ہو گئی تھی۔ اور دونوں لشکر آمادہ پیکار تھے۔ بارود تیار تھی۔ صرف بتی دینے کی کسر تھی ایک نئی آفت سید صاحب اور آپ کے صادق مریدوں پر آتے آتے رہ گئی سوائے تائید غیبی کے اور کیا خیال ہو سکتا ہے

پشاور کے سردار جن میں بعض شیعہ مذہب بھی تھے۔ گو بظاہر انہوں نے سید صاحب سے بیعت کر لی تھی مگر جانی دشمن تھے رسد پہنچانے کا انتظام انہوں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ دو شخص[1] آپ کے لئے کھانا لایا کرتے تھے یعنی کھانے کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو ان پر کامل بھروسہ تھا۔ انہوں نے ایک دن موقع پر زہر ہلاہل سید صاحب کے کھانے میں ملا دیا۔ اتفاق سے وہ کھانا شب کو صرف سید صاحب نے کھایا۔ کھانا کھاتے ہی آپ کے تیور بدل گئے اور زبان کا انچنا سنسنیوں کا ہونا شروع ہوا۔ خیر یہ ہوئی کہ آپ خود بخود بیہوشی کے عالم میں قے پر قے کرنے لگے مولانا شہید مغموم پاس بیٹھے تھے صبح کو جنگ ہونے والی تھی۔ ادر سردار[2] فوج کی یہ کیفیت ہوگئی۔ گھڑی بگھڑی آپ کی حالت ابتر ہوتی گئی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ دونوں فوجیں جنگ کے لئے آراستہ ہوئیں۔ مجاہدین سید صاحب اور مولانا شہید کی غیر موجودگی سے ہول میں آئے جاتے تھے۔ شیعوں کے سردار نے چالاکی سے ایک لنگڑا ہاتھی سید صاحب کی سواری کے لئے بھیج دیا اور مہاوت کو خوب سکھا پڑھا دیا۔ جس طرح ہو سید احمد کو شہید کرا دو خیمہ کے دروازہ پر آکر لوگ غل مچانے لگے۔ سید صاحب بہت جلد سوار ہو جائیں ورنہ جنگ مومنین کیلئے خطرناک بن جائے گی۔ اس وقت سید صاحب کو کچھ کچھ ہوش آگیا تھا۔ مولانا شہید سے کہا جس طرح ہو ہاتھی پر مجھے بٹھا دو آخر پانچ چھ آدمیوں نے سید صاحب کو پکڑ کر ہاتھی پر سوار کرا دیا شیعوں کا سردار بیس ہزار فوج سے دامن کوہ میں کھڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کو اس سے بہت سہارا تھا۔ جب آپ میدان

---

[1] نذر محمد۔ ولی محمد [2] سردار یار محمد

جنگ میں پہنچے ہیں تو لڑائی شروع ہو گئی تھی شیعوں کا سردار برابر سکھوں کو توپیں مار رہا تھا۔ مگر سوائے آواز کے گولا گولی نہ چھوڑا جاتا تھا۔ جب سخت معرکہ آرائی ہوئی اور سکھوں نے شیعہ سردار سے دو آدمیوں کی معرفت ساز باز کر لی۔ تو وہ آندھی مینہ کی طرح حملہ آور ہوئے۔ شیعہ سردار اپنی کل فوج کے ساتھ غل مچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ انہیں دیکھ کر مجاہدین کے بھی پیر اکھڑ گئے مولانا شہید نے پہلے سکھوں کے خونخوار حملہ کو روکا۔ مگر جب دیکھا کہ سید صاحب تو بے ہوش پڑے ہوئے ہیں اور ان کا ہاتھی جنبش نہیں کھاتا اور وہ عنقریب سکھوں کے قبضہ میں آنے کو ہیں۔ آپ نے میدان سکھوں کے ہاتھ سونپ کر سیّد صاحب کو سنبھالا اور بمشکل کئی آدمیوں کی مدد سے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر صاف میدان جنگ سے نکل آئے۔ جب مجاہدین نے سید صاحب اور مولانا شہید کو اپنے میں نہ پایا ان کے پیر بھی اکھڑ گئے نہ کوئی کمانڈر تھا نہ ان میں کوئی خالد جیسا لڑانے والا اور نہ مثنیٰ جیسا حملہ آوروں کے پنجہ سے نکالنے والا تھا۔ جدھر ان کا سینگ سمایا سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ سکھوں نے تعاقب کیا۔ اور مظلوم مسلمانوں کو نہایت بے بسی کی حالت میں قتل کیا۔ ان کا سامان لٹ رہا تھا اور ان کی جانیں ضائع ہو رہی تھیں۔ ادھر سید صاحب کے لینے کے دینے پڑ رہے تھے۔ اور ادھر مجاہدین کی جانوں پر بن رہی تھی۔ بہت سے مسلمان سکھوں نے قید کر کے لاہور روانہ کئے جہاں وہ نہایت بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ یہ فاش شکست اپنے سوتیلے بھائی شیعوں کے ہاتھوں ناواقف مجاہدین کو اٹھانی پڑی اس طرح ایک شیعہ وزیر نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور جب جنت

پرست سلطان نے بغداد فتح کر لیا تو بے گناہ سنی لاکھوں قتل کئے گئے تھے شیعوں نے جو جو مظالم توڑے ہیں وہ قابل بیان نہیں سید صاحب کو اگر ذرا بھی اس کا علم ہوتا کہ شیعہ سنی کا کبھی دوست نہیں بن سکتا۔ تو وہ کبھی ان کے دھوکے میں نہ آتے۔ وہ سچے مسلمان تھے انہوں نے شیعہ سنی کی تفریق ہی بالکل اڑا دی تھی۔ مگر اس صاف باطنی کے مقابل میں بھلا حضرات شیعہ کب چوکنے والے تھے۔ جس کروٹ ان سے بن پڑا انہوں نے کبھی کوئی دقیقہ سنیوں کے ستانے اور ہلاک کرنے کا اٹھا نہیں رکھا۔ یہ قہرناک شکست بھی بے چارے سنیوں کو ان ہی کی مہربانی سے نصیب ہوئی۔

پانچویں جنگ

آخر بمشکل مسلمان سکھوں کے تعاقب سے بچ کر اپنے مربی سید کے گرد جمع ہوئے سید صاحب بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور انہیں دنیا و مافیہا کی کچھ بھی خبر نہ تھی برابر علاج ہو رہا تھا۔ اور کوشش کی جا رہی تھی کہ زہر کسی طرح جسم سے نکل جائے۔ ایک وفادار سنی سردار نے مولانا شہید کو مشورہ دیا کہ آپ سید صاحب کو چندلئی اگر لے چلیں تو بہتر ہے وہاں آپ کی آب و ہوا اچھی ہے اور مخالفوں کا بھی اتنا خوف نہیں ہے جاڑا کڑاکے کا پڑنے لگا تھا۔ اور پہاڑوں پر برف باری شروع ہو گئی تھی۔ مولانا شہید نے سردار مذکور کی صلاح بموجب معہ کل مجاہدین کے سید صاحب کو لے کر موضع چندلئی میں آ کر قیام کیا سامان سارا لٹ چکا تھا۔ مجاہدین کی حالت افسوس ناک تھی۔ سرمائی سامان کچھ نہ رہا تھا۔ اور رسد کا

سامان تو تین دن پہلے سے ختم ہو چکا تھا۔ مجروحین تڑپ رہے تھے! ور تندرست فاقہ کشی سے نالاں تھے۔ سید صاحب ابھی تک بے ہوش ہی تھے۔ اب یہ حالت مولانا شہید کی سخت امتحان کی تھی۔ کوئی مددگار چاروں طرف نظر نہ آتا تھا۔ ہر چند آپ کا شیریں تر وعظ مجاہدین کو بہت کچھ تھپک رہا تھا۔ مگر فاقہ کی زبردست بے قراری کے آگے اس کا اثر بھی زیادہ دیر تک نہ رہتا تھا! دھر اپنی بے سروسامانی کا غم . . . دوسرے سید صاحب کی نازک حالت کا جانکاہ صدمہ تیسرے بے عزتی کے ساتھ شکست کھانے کا تبدل الم جان کو آدھا کئے دیتا تھا۔ گو پیارا شہید اس پر بھی شاکر تھا۔ مگر اس کے صابر دل کو بے چین کرنے والا نظارہ مومنین کی زار حالت کا تھا۔ جو انتہا درجہ سخت! ور نازک تھی۔ خدا خدا کر کے آٹھ دن میں سید صاحب کو ہوش آیا۔ اب مومنین کی کسی قدر ڈھارس بندھی اور انہیں بزرگ سید کے بچنے کی امید ہو گئی۔ موضع والے بیچارے روزمرہ کہاں سے دیتے آخر یہاں تک نوبت پہنچی کر درختوں کی چھالیں اور جنگل کی بوٹیاں اُبال اُبال کر کھانے لگے۔ دن بھر دھوپ میں گزر کرتے تھے۔ اور شب کو سردی سے محفوظ رہنے کے لئے الاؤ کے گرد بیٹھ جاتے تھے۔ سب کی یکساں ہی کیفیت تھی۔ نہ سید صاحب بچتے تھے نہ مولانا شہید کی کوئی صورت بہتری کی معلوم ہوتی تھی۔ تیسرے دن کبھی کبھی ایک ایک مٹھی جوار کی بمشکل میسر آجاتی تھی۔ ورنہ درخت کے پتوں اور گھاس پات پر زندگی بسر ہوتی تھی اس اثنا میں سید صاحب بھی اچھے ہو کر چلنے پھرنے لگے تھے۔ اور مجاہدین کے ساتھ کبھی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے تھے۔ اور کبھی اگر کہیں سے غلہ ہاتھ لگ گیا تو

مولانا شہید کے ساتھ چکی پیسنے بیٹھ جاتے تھے۔ بایں ہمہ کوئی مجاہد بددل نہ تھا اور نہ کسی نے یہ درخواست کی کہ میں وطن جاتا ہوں نہ کوئی فاقہ کشی کی مصیبت سے چھپ کے بھاگا بلکہ اس غضب ناک مصیبت پر بھی وہ سید صاحب اور مولانا شہید کی معیت دولت مندانہ زندگی بسر کرنے سے بہتر جانتے تھے۔

یہ سخت تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ جتنی ان کی شکستہ حالی حد سے زیادہ گزر گئی تھی۔ اس سے زیادہ ان کی ہیبت ایسی بھاری شکست کھانے پر بھی قرب وجوار میں پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی متنفس مومنین کی خستہ حالی سے واقف نہ تھا۔ جس کی عرضی آئی دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ جواب دینے کی بات ہی کون سی تھی جس سے جواب باصواب دیا جاتا۔ ایک دن اسی خستہ حالی میں رئیس[1] پکھلی کا ایک وکیل معہ عرضی کے پہنچا۔ اس عرضی میں لکھا ہوا تھا۔ ایک گڑھی پر سکھوں نے حملہ کرکے میرے بیٹے کو محصور کر دیا ہے۔ برائے خدا آپ جلدی ایک دستہ مجاہدین کی فوج کا روانہ کیجئے۔ جو میرے بیٹے کو ان کے پنجہ سے خلاصی دلوائے۔

جب مولانا شہید نے عرضی پڑھ کر وکیل کے سامنے سنائی تو سید صاحب نے وکیل سے کہا۔ کہ کل اس کا جواب دلویں گے۔ شب کو مولانا شہید سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا مرضی ہے۔ فاقہ کشی اور بے سروسامانی کی بلا ہم پر چھا رہی ہے۔ اس مصیبت زدہ حالت میں مجاہدین میں یہ دم کہاں ہے کہ خونخوار قوی سکھوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اب جو کچھ تمہاری صلاح ہو کیا جائے مولانا شہید نے عرض کیا کہ ایک ہی جگہ پڑے رہنے سے ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے بے بسی کی حالت میں فاقہ کشی کرتے کرتے مر جانے سے دشمن کے مقابلہ میں

---

[1] سردار حبیب اللہ خان۔

گردن کٹانا زیادہ انسب ہے بہتر ہوگا۔ کہ آپ اس وکیل کو مایوس نہ جانے دیں۔ سید
صاحب کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے فرمایا میرے خیال میں اسمٰعیل تمہارا افسر ہو
کر جانا انسب ہوگا۔ مولانا شہید سوائے بسر و چشم کے اور کیا جواب دیتے فوراً سو
آدمی ذرا مضبوط سے جن میں امپوری نو وارد بہت تھے چنے گئے اور تیسرے دن
مولانا شہید انہیں اپنے ہمراہ لے کر وکیل کے ساتھ جانب پکھلی روانہ ہوئے
اور بخیر و عافیت تومنع پکھلی میں پہنچ گئے۔ مولانا شہید کی بے سر و سامانی اور
مجاہدین کی قلت گو بعض وقت ناظر سوانح کو خلجان میں ڈالے گی اور وہ یہ دیکھ
کر حیرت کرے گا۔ کہ ایسا شخص جو بہت عرصہ سے خود طرح طرح کی مصیبت میں
پھنسا ہوا اور اس وقت بھی اس ناگفتہ بہ حالت ہو۔ پھر بھی وہ کس شوق اور
اوالعزم ارادہ سے اپنے بھائی مسلمانوں کے بچانے کیلئے آمادہ پیکار ہوا اور خونخوار
دشمن کی کثیر التعداد فوج اور سامان حرب کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے۔ حقیقت میں
یہ بات غور و تامل کی ہے۔ مگر جب مولینا کی حمیت اسلام سے بھری ہوئی فطرت
پر نظر کرے گا۔ تو اُسے چنداں استعجاب نہ رہے گا۔

مولانا شہید کا اصلی منشا یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی حمایت میں میری جان نکلے
اس سے بحث نہ تھی کہ ان مسلمانوں کے عقائد درست ہوں یا نہ ہوں۔ کئی بار یہ
تجربہ ہو چکا تھا کہ دیسی لوگ مولانا شہید اور ان کے پیر سید احمد صاحب سے فدائیانہ
عشق نہیں رکھتے بلکہ اپنے ذاتی اغراض میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ یہ تمام
غیر خوش آئیند خیالات نہایت کمزور اور بے پادر ہوا معلوم ہوئے اور وہ اپنے امیر کے حکم
سے ان ہی مسلمانوں کو سکھوں کے ظالم پنجہ سے بچانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے زیادہ

اسلام سے فدائیاں عشق رکھنے کی مثال بہت کم ملے گی۔

پکھلی میں مولانا شہید کا پہنچنا سکھوں کی اشتعالک طبع کا باعث ہوا ناظم موضع نے ایک سکھ افسر کی سرکردگی میں ڈیڑھ ہزار فوج روانہ کی۔ اور اسے ہدایت کردی کہ موضع ڈمگلہ پہنچ کر اپنی مورچہ بندی کرلے۔

سردار افواج سکھ نے ڈمگلہ میں خوب مضبوطی سے مورچہ بندی کی اور بکثرت دیسی بھی اپنی فوج کی تعداد بڑھانے کیلئے اپنے ساتھ کرلئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سکھوں کی جمعیت چار ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ مولینا شہید نے بھی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ خوانین پکھلی مولنا شہید کی خدمت مع اپنے ہمراہیوں کے آموجود ہوئے اور باہم یہ مشورہ طے پایا کہ شب خون مارنا چاہیے۔ مولانا شہید نے دو ہزار دیسی لوگ خوانین کے ذریعہ سے اپنی کمک پر دیکھے مگر اس منظر سے آپ کا دل خوش نہیں ہوا۔ آپ دیسیوں کی بزدلی اور دغابازی کا تجربہ کرچکے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ یہ سنہ بسنہ یا سینہ بسینہ سکھوں سے میدان جنگ میں شمشیر بازی نہیں کرسکتے مگر اب وقت بہت آپڑی تھی۔ اگر انہیں ساتھ نہ لیتے تو خوانین سے بگڑتی ہے۔ اور جو ہمراہ لیتے ہیں تو میدان جنگ سے ان کے فرار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آخر فکر کرتے کرتے آپ نے ایسا بند وبست فرمایا کہ اگر دیسی لوگ بھاگ بھی جائیں تو ہندوستانی غازی مجاہدین پر ان کا کچھ اثر نہ پڑے۔ اور دوسرے دن شب کو تیاری کرکے حملہ کا حکم دیا۔

لہ سردار ہری سنگھ ناظم پکھلی۔ سہ سردار بھول سنگھ۔

دیسی ابھی سکھوں کے مورچوں کے قریب بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ فرار کا
صیغہ گردانتے لگے۔ اور ایسے دم دبا کر بھاگے کہ شاید کوسوں پر جا کر دم لیا ہو گا۔
کل تین سو آدمیوں کے قریب دیسیوں کے رہ گئے۔ شب کے دو بج چکے تھے۔
رات اندھیری اور تیرہ و تار تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ سکھوں نے اپنے
لشکر کے چراغ کبھی کے گل کر دیئے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کے جھونکے آبادی کی خبر دیتے
تھے ورنہ اندھیری کی تاریک چادر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوسوں تک سنسانی
حکومت کر رہی ہے۔ آدمیوں کے چلنے کی آہٹ ان ہی ہوا کے جھونکوں سے معلوم ہوتی
تھی۔ مجاہدین زمین سے لگو ان جا رہے تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ ہمارے قدموں
کی آہٹ نہ معلوم ہو مورچوں پر جتنے سکھ جوان تھے وہ سب ہوشیار تھے قلب لشکر
کے سپاہی ضرور آرام میں تھے۔ ادھر اُدھر فوج کی بیداری سکھوں کی دور اندیشانہ
روح کا نقشہ کھینچ رہی تھی۔ مولانا شہید نے پچاس آدمی تو مورچہ پر چھوڑے اور
نوے ہندوستانیوں کے ساتھ جن میں رامپوریوں کی بڑی تعداد تھی، عقب کی طرف
اپنے کو پہنچا دیا اور سامنے سے تین سو دیسی جو ابھی فرار نہ ہوئے تھے ایک دل
چلے مسلمان کی زیر کمان بڑھے چلے آتے تھے جب مولانا شہید بندوقیں تانے ہوئے
بہت ہی قریب پہنچ گئے تو چند سنتری مورچوں پر پہرہ دیتے دکھائی دیئے گو انکی صورت
و شکل قد و ڈیل ڈول مطلق نہ دکھائی دیتا تھا۔ پھر بھی اس قدر معلوم ہو رہا تھا کہ سیاہ
پرچھائیاں گردش لگا رہی ہیں۔ چند منٹ تک آپ نے سوچا اور فکر کیا کہ مجھے اس
پہلو پر حملہ کرنے سے کامیابی ہو گی یا دوسرے رُخ پر حملہ آور ہونا فائدہ دے
گا فوراً آپ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور آپ نے شتابانہ مگر غیر ممکن السمع قدموں میں

دوسری طرف سے سکھوں کو آ دبایا اور خوفناک تکبیروں کی آواز سے سکھوں پر حملہ کیا۔ سکھوں نے گولیوں کا مینہ برسانا شروع کیا مگر تاریک شب میں ان کی فی ہزار ایک گولی بھی نشانہ پر بمشکل لگ سکتی تھی۔ مولانا شہید نے بندوقوں سے گزر کر تلواروں کے قبضے پکڑ لئے اور اب سینہ بسینہ جنگ شروع ہو گئی۔ سکھ تو کچھ شراب اور نیند کے نشہ میں تھے اور کچھ انہیں اپنے مخالفین کا بے تعداد لشکر معلوم ہوا اس کا ہراس اور بھی انہیں بزدل بنا رہا تھا۔ پہلے تو بیس منٹ کے قریب انہوں نے اندھا دھند مقابلہ کیا اور جب ان پر حد سے زیادہ خوف طاری ہوا تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے اور اپنا کل سامان فاتحان اسلام کے لئے چھوڑ گئے۔ سکھوں کا سردار بڑا آزمودہ کار مرد میدان تھا۔ ان کے ایک ہزار قدم پر جا کر اپنے سپاہیوں کو پھر جمع کیا۔ اور گاؤں کے پانچ چار جھونپڑوں میں آگ لگا دی تاکہ مخالفین کی تعداد معلوم ہو جائے جوں ہی خشک پھوس کی تیز تیز بلند بلند لپٹیں اٹھیں مجاہدین کا بھرم کھل گیا اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں جنہیں ہم نے ہزاروں سمجھ لیا تھا اپنی لاعلمی اور ساتھ ہی اپنے بزدلانہ پن پر ملامت کی اور دوبارہ غیظ و غضب میں مسلمانوں کی جمعیت پر حملہ کیا۔

یہاں ایک نیا گل اور کھل گیا تھا کہ جب سکھ اپنا سامان چھوڑ کر سراسیمہ بھاگے ہیں تو دیسیوں نے موقع غنیمت جان کر اسے لوٹنا اور اپنے گھر لے جانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ لوگ تو بھاگ گئے تھے اور کچھ دیسی رہ گئے تھے وہ اسباب پر گرے ہوئے تھے۔ جوں ہی سکھوں نے حملہ کیا دیسیوں کی شامت آ گئی اگر مولنا شہید غیر معمولی اور بے دھڑک شجاعت نہ کرتے تو ایک دیسی کی بھی جان نہ بچتی۔

مولانا شہید نے اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو پراگندہ نہ ہونے دیا اور اس طرح سمیٹے رکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو پروں پر دبا کر بیٹھتی ہے شب ہنوز تیرہ و تار تھی آسمان کی مصفا نیلی چادر پر غلیظ ابر محیط ہو رہا تھا آپ نے یہ حکمت کی کہ ایک جگہ جم کر نہ لڑے تین منٹ اس پرے سے جنگ کی تو چار منٹ دوسرے دستے سے تمام لشکر میں نئے سرے سے تہلکہ مچ گیا سکھوں کا سردار سمجھ گیا کہ مسلمانوں نے مجھے دھوکا دیا یہ ضرور ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں گے جو اس وقت بے شمار نکل آئے یہ خیال سکھوں کی فوج اور ان کے سردار کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ یا اس سے کچھ کم انہوں نے خونخواری سے جنگ کی مگر بعد ازاں کسی سکھ نے اتفاق سے یہ کہہ دیا کہ سردار جی مارے گئے جونہی یہ آواز ان کے کان میں پہنچی پھر وہ ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرے اور ایسے بے تحاشا بھاگے کہ پیچھے کی کچھ خبر نہ لی۔ دیسیوں نے سکھوں سے سخت چشم زخم اٹھایا۔ پھر بھی مولانا شہید کی نڈر دلیری نے انہیں بال بال بچا دیا۔

یہ فتح مولانا شہید کا حوصلہ سکھوں کے مقابلہ میں بڑھانے والی تھی آپ اور آپ کے ساتھی دو دن سے فاقہ سے تھے۔ ایک کھیل کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہ گیا تھا۔ ہاں اس فتح سے بہت سا غلہ اور مویشی کسی قدر سامان حرب غازیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا یہ سامان کچھ ایسا بہت نہ تھا کہ آئندہ جنگ کے لئے مولنا شہید کو سہارا دے سکتا تھا۔ تاہم اس وقت غازیوں کے آنسو پچھ گئے تھے اور انہوں نے خدائے واحد کا شکر کر کے اسے خوشی خوشی اپنے کام میں لانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے سات شہید اور گیارہ مجروح۔ سکھوں کے تین سو قتل اور

پانچ سو مجروح ہوئے۔

چھٹی جنگ

ابھی وہ گڑھی جس کی مدد کے لئے مولانا شہید تشریف لائے تھے۔ ذرا فاصلہ پر تھی اور آپ نے دوسرے دن اس پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مولنا شہید کو غیر معمولی فنون جنگ اور بے نظیر بہادری میں لاثانی قابلیت رکھتے تھے مگر سکھوں کے مقابلہ میں اپنا ضعف بخوبی سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ دن کو کثیر التعداد سکھوں سے میدان لینا سخت مشکل اور دشوار ہے۔ آدمیوں کی کمی دلیلوں کی بے اعتباری اور سب سے زیادہ سامان رسد اور سامان حرب کا غیر موجود ہونا بڑی بھاری بھاری دقتیں تھیں۔ جو مولنا شہید کو متوحش خاطر بنا رہی تھیں۔ خوانین وغیرہ زبانی جمع خرچ تو بہت کرنا جانتے تھے مگر عملی ہمدردی ان سے ایسی ظہور پذیر نہ ہوتی تھی جس سے مسلمانوں کا اطمینان ہوتا بہر حال مولانا شہید اکیلے خدا کے بھروسے پر قانع تھے۔ اور شہادت کا سرخوشانہ خیال بار بار ایک وجد انگیز خوشی میں آپ کے قلب کو شاداں و فرحاں بنا رہا تھا۔

گڑھی شنکاری جس میں ایک مسلمان گھرا ہوا تھا۔ اور جس کے بچانے کیلئے مولانا شہید تشریف لائے تھے نصف میل کے فاصلہ پر تھی بہت دنوں سے سکھوں کی فوج اس گڑھی کا محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھی نہ گڑھی والے باہر نکل کے جنگ کر سکتے تھے نہ سکھ اس گڑھی کو مسلمانوں سے خالی کرا سکتے تھے جب ان سکھوں نے مولانا شہید کا حال سنا تو دریافت کیفیت کے لئے ایک بینڈ سکھوں کا شب کو

گشت لگاتا ہوا مولانا شہید کے مورچہ کے قریب آیا نہ تو مولانا کو خبر تھی کہ ابھی جنگ ہو جائے گی۔ اور نہ بظاہر وہ دستہ اس غرض سے ادھر آیا تھا۔

مسلمان بے چارے تین وقت کے کڑاکا گزرنے کے بعد بیٹھے ہوئے کھانا پکا رہے تھے بعض نے کھانا تیار کر لیا تھا اور بعض کی ہانڈیاں اور توے ابھی چولہے پر ہی چڑھے ہوئے تھے کہ مولانا شہید نے فوراً مسلمین کو کمر بندی کا حکم دیا وہ جان نثار اسی بھوک میں کھانے کو چھوڑ کر کمربستہ ہوئے اور سکھوں کے مقابلہ کے لئے گج کی طرح اپنی جگہ جم گئے۔ مولانا شہید سب سے آگے تھے جب وہ گولی کی زد پر آ گئے تو پہلے آپ نے گولی چلائی پھر مسلمانوں نے باڑھ مارنی شروع کی یکایک جب ان پر گولیوں کا مینہ برسا تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگے مگر ان ہی میں سے ایک شخص نے غل مچا کر کہا۔ نادانو! جن سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے تعداد میں جو تھے حصے سے بھی کم ہیں یہ سنتے ہی کل سکھ سوار جن میں پیدل بھی تھے دوبارہ جھپٹے یہاں سے برابر ان پر گولیوں کی بھرمار ہو رہی تھی۔ گولیوں کا جواب گولیوں سے دیتے ہوئے وہ آگے بڑھتے چلے آئے اور آخر یہاں تک قریب آ گئے کہ دست بدست جنگ شروع ہوئی پہلے بندوق کے کندوں سے خوب خونریزی ہوئی۔ اور بعد ازاں تلواریں کھچ گئیں۔ یہ وقت حد سے زیادہ ان مٹھی بھر آدمیوں کے لئے خوفناک تھا۔ مولانا شہید نے دس دس آدمیوں کی ٹکڑیاں کر کے کئی طرف سے سکھوں کے ہیبت ناک حملہ کا جواب دیا ابھی تک پیارے شہید کی تلوار گلے ہی میں پڑی تھی اور آپ اپنی توڑے دار بندوق سے اس قدر جلدی فیر کر رہے تھے کہ دیکھنے والے کو تعجب آتا تھا۔ ایک دلیر سکھ نے پلٹ کاٹ کر آپ پر تلوار کا

وار کرنا چاہا۔ آپ نے ایسی ایک ٹیپ کی گولی ماری کہ وہ پانچ قدم پر چت جا پڑا۔ پھر دوسرے نے حملہ کیا دوسری گولی بھی اس پھرتی سے لگی اور اس سکھ کا کام بھی تمام ہوا۔ تیسری بار آپ بندوق بھر کر بارود پیالہ پر ڈال ہی رہے تھے کہ ایک سکھ کی گولی نے آپ کی ایک انگلی اڑا دی گو بے باک شہید نے اس فیر کو بھی خالی نہ جانے دیا مگر چوتھی بار جب آپ بندوق بھرنے لگے تو انگلی کے خون سے بندوق کا پیالہ بھر گیا اب کیا تھا درد سہارنے کی ہر چند کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے اسی وقت پھر ایک خونخوار سکھ نے لپک کے تلوار کا وار کرنا چاہا آپ نے ذرا دو قدم سرک کر ایسے زور سے بندوق ماری کہ وہ چکرا کے گرا۔ اور آپ نے فوراً اس کا سر اتار لیا۔ انگلی سے خون برابر بہہ رہا تھا درد کی ایسی شدت تھی کہ الامان تکلیف سے آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا تھا اور آپ یہ چاہتے تھے کہ جنگ موقوف ہو تو میں اس انگلی پر کپڑا گیلا کر کے لپیٹ لوں۔ ناچار اسی حالت میں آپ نے تلوار ہاتھ میں لی۔ انگلی نے تمام ہاتھ کو ایسا ناکارہ بنا دیا تھا کہ تلوار پکڑی نہ جاتی تھی۔ پھر بھی اس شیر نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال ہی دیا اور اللہ اکبر کہہ کر سکھوں پر جھپٹ پڑا اور مٹھی بھر مسلمانوں کو آواز دی کہ مار لیا ہے گھبرانا نہیں ابھی میدان ہمارے ہاتھ آنے کو ہے وہ فنون جنگ جو دہلی میں آپ نے سیکھے تھے اس وقت خوب کام آرہے تھے۔ مولانا کو اس قدر کمال تھا کہ اگر دس آدمی مل کر تلواروں کا حملہ کریں اور آپ کے پاس سوائے معمولی لکڑی کے دوسری چیز نہ ہو تو آپ ان دس آدمیوں سے کبھی ضرب نہیں کھاتے تھے۔ اور ایک ایک ہاتھ میں بہت پھرتی سے سب کی تلواریں چھین لیتے تھے۔ ایک غیر معمولی جوشش

اور دوسرے ہنوٹ وغیرہ کے فن سے کامل مہارت بہت کچھ فتح یابی کی پیشین گوئی کر رہی تھی۔ خدا خدا کر کے سکھوں کے پیر اکھڑے اور وہ بے تحاشا بھاگے ایک تو میدان مولانا شہید کے ہاتھ رہا اور دوسرے ایک بڑی زبردست کامیابی یہ ہوئی کہ جب یہ دستہ سکھوں کا شکست کھا کر بھاگا اور اپنی فوج کو جو محاصرہ کئے پڑی ہوئی تھی۔ اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا کہ مسلمان حملہ کرنے کو ہیں اور وہاں پریشان ہو گئے سردار کا بیٹا جس کی نجات دینے کے لئے مولانا شہید گئے تھے سکھوں کو سراسیمہ پا کر گڑھی سے نکل کھڑا ہوا معمولی طور پر سکھ اس سے مزاحم ہوئے مگر اپنی پریشانی کے آگے انہیں اس کے بھی ہوش نہ رہے کہ اپنے دشمن کو تو روکتے اور اس کو نہ جانے دیتے۔

مولانا شہید اپنی انگلی کے زخم سے نہایت خوش معلوم ہوتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالےٰ قبول کرے تو یہ انگشت شہادت میرے لئے کافی ہے۔

ناظر کو کبھی ان فتوحات پر شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے ایماندار معائنہ کرنے والوں کی زبانی سنا ہوا ہے جو خود ان معرکوں میں شریک تھے اور ان سب کی صداقت ان فارن آفس کے کاغذوں سے ہوتی ہے جن کی نقل ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب "مسلمانان ہند" میں کی ہے۔

جب مولانا شہید کے یہاں آنے کا مقصد نکل آیا یعنے سردار کا بیٹا سکھوں کی قید سے چھوٹ گیا تو آپ نے سید صاحب کی طرف مراجعت کی اور بخیر و عافیت پنجتار میں پہنچ گئے۔

بعض بے عنوانیاں

ابھی مولانا شہید سید صاحب کے کیمپ میں نہ پہنچے تھے کہ آپ کو یہ خبر لگی کہ چند علماء کے قافلے آر ہے ہیں جن میں چھ سات سو آدمیوں سے زیادہ ہیں یہ سن کر پیارا شہید بہت خوش ہوا۔ اور اپنی جمعیت کی بڑھوتی دیکھ کر اور بھی زیادہ ہمت بندھی۔ یہ صحیح ہے کہ ست ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ ملائی دماغ کبھی اس قابل نہیں ہوتا کہ اتحاد سے کام کرے قدرتی طور پر اس میں خودپسندی اور بیجا تحقر غیر نتیجہ مند اس بلا کی ہوتی ہے کہ نہ وہ خود چین سے رہتا ہے نہ اپنے متعلقین کو آرام سے رہنے دیتا ہے ان لوگوں کو جنگ سے اور تدابیر ملکی یا قومی اتحاد سے کیا کام یہ دوسری بات ہے کہ مولوی اسمٰعیل جیسا ایک جوہر نکل آئے جیسے فطرت کے جوہروں کا پورا نمونہ کہنا چاہئے جس میں فطرت نے ہر علم اور فن کا مذاق مضمر رکھا تھا۔ ہمارے ایک مرحوم بوڑھے دور اندیش دوست کا خیال صحیح ہے کہ اگر مولانا شہید کے ساتھ ملانے نہ ہوتے تو آج سارا ہندوستان مسلمانوں کا ہوتا پیارا شہید اپنی جانبازیوں کا بہت کچھ فائدہ اٹھاتا۔ مگر ان ملاؤں نے جو اس کے ساتھ تھے اسے ہمیشہ اپنی نامعقول تدابیر کے صدقہ میں ناکام رہنے دیا اور آخر نوبت یہ ہوئی کہ مولانا شہید اور سید صاحب کی شہادت ہی پر کل کوششوں اور خونریز جانبازیوں کا اختتام تھا۔

غرض جب یہ قافلے ہندوستان کے مختلف شہروں سے آئے تھے تو ان میں مولوی محبوب علی صاحب دہلوی عجب دماغ کے شخص تھے ان

نسبت زیادہ لکھنا فضول ہے صرف یہی دو لفظ کفایت کرتے ہیں کہ وہ ملانے تھے کچھ ضرورت نہیں کہ تمام جہاں کا رونا رو بیٹھیں کہ وہ خود پسند تھا خود دماغ تھا متعصب اور کوتاہ اندیش تھا۔ حاسد اور مسلمانوں کو برباد کرنے والا تھا بس ان الفاظ کے بجائے یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ملا تھا یا ملا تھا۔ مولوی محبوب عالم صاحب ان کا سفر مولانا شہید یا سید صاحب اور آپ کی پارٹی (گروہ) کے لئے منحوس تھا وارد پنجاب ہوتے اور ابھی پانچ چار منزل سید صاحب سے دور ہوں گے کہ آپ نے تند اور ناشائستہ الفاظ میں جیسا کہ عموماً ملاؤں کی تحریر ہوا کرتی ہے ایک خط سید صاحب کو روانہ کیا اور اس میں یہ ناقابل باتیں تحریر کیں پہلے تمہیں لازم تھا کہ کلمہ گو کافروں سے بھگتتے اور ان پر جہاد کرتے۔ پھر سکھوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ کلمہ گو کافر وراق تھے جنہوں نے محبوب علی صاحب کے مذہبی احکام میں انگشت اعتراض دراز کی تھی یا دوسرے راوی کی روایت کے بموجب انہوں نے سمجھایا تھا کہ ابھی آپ آگے نہ بڑھیں رستہ میں سکھوں کی فوج جو ابھی دربار لاہور نے بھیجی ہے پڑی ہوئی ہے مبادا آپ سے مقابلہ ہو اور آپ چشم زخم اٹھائیں بس اس سننے کی کہاں تک تاب تھی فوراً ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور یہ بھی فتوے دے دیا کہ سکھوں سے زیادہ ان کلمہ گو کافروں پر (معاذ اللہ) جہاد فرض ہے۔

مولانا شہید نے نہایت صبر سے اس خط کو پڑھ کر سنایا مولوی صاحب کی تیز مزاجی اور بے جا ظلم پر افسوس کیا اور بعد مشورہ یہ طے ہوا کہ جواب لکھ کر بھیجا آپ اتنی جلدی نہ فرمائیں انشاءاللہ جو کچھ یہاں آکر مشورہ ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ غرض خدا خدا کر کے کل مولوی صاحبان پنجتار پہنچے۔

واقعات مولوی محبوب علی صاحب	مولانا اسمٰعیل شہید ابھی تک پنجتار تک نہ پہنچے

تھے کہ راہ میں خبر آمد قافلہ سید احمد علی صاحب ہمشیرزادہ سید صاحب اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی اور قافلہ مولوی خرم علی صاحب بلہوری اور مولوی محمد علی صاحب رامپوری اور مولوی محبوب علی صاحب دہلوی وغیرہ کی سنی ان قافلوں میں تقریباً چھ سونئے آدمی ہوں گے اور مولانا اسمٰعیل شہید نے یہ بھی سنا۔ کہ مولوی محبوب علی ایک فساد عظیم برپا کر کے بہت سے آدمیوں سمیت ہندوستان واپس چلے گئے پنجتار میں پہنچ کر یہ واقعہ اس طرح سنا گیا۔

جب مولوی محبوب علی مع دیگر قافلوں کے بسبب حائل ہونے درانیوں کے مقام کندو میں رکے رہے تو سید صاحب خط پر خط بھیج کر ان کی تسلی کرتے رہے کہ میں جلد راہ امن تجویز کر کے تمہیں بلا لیتا ہوں لیکن مولوی محبوب علی جو تیز مزاج اور خود رو آدمی تھے مقام کندو میں رکے رہے اور سید صاحب کو لکھا کہ سکھوں کا پیچھا چھوڑ کر پہلے ان کلمہ گو کافروں یعنی درانیوں سے جنگ کرو۔ خیر مولوی صاحب بخیر و عافیت تمام مع دیگر قافلوں کے پنجتار پہنچ گئے اور جو راہ کی سختیوں اور درانیوں کی روک تھام سے برآ فروختہ تھے پنجتار پہنچ کر بھی وہ حالت رفع نہ ہوئی بلکہ روز بروز اس کا شعلہ بڑھتا گیا اور مجاہدین کی جماعت میں شریک نہ ہوئے بلکہ اپنا خیمہ لشکر سے الگ کھڑا کر کے رہنے لگے اور سید صاحب پر طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے۔ ایک اعتراض ان کا سید صاحب کی امامت پر تھا اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک میں لائق اس کام کے نہیں ہوں تو خود آپ جو سید عالم اور مہاجر جامع جمیع صفات ہیں اس بار کو اٹھائیں آپ امام اور میں آپ کا تابعدار ہوں مجھ کو سرداری اور ریاست منظور نہیں ہے بلکہ اس کام کا انصرام منظور ہے بہتر ہے کہ اب آپ

بھی اس کام کو انجام کریں جب مولوی صاحب موصوف اس کا کوئی جواب نہ دے سکے تو در پردہ اور علانیہ غازیوں کو بہکانا شروع کیا کہ تم پہ بال بچوں اور والدین کا حق ہے تم ان کے حق کو تلف کر کے یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ لوگوں نے کہا جہاد کے لیئے بیٹھے ہیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ جہاد کہاں ہے اور کس دن تم نے کسی کافر کو قتل کیا اور کون سے ملک میں تمہارا عمل دخل ہے صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو جہاد کا نام لینا ایک دیوانہ پن ہے بعض لوگ اس بہانے سے یہاں عیاش کر رہے ہیں۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں خراب ہیں۔

بہت سے کچے لوگ ان کے بہکانے میں آگئے اور ہر جماعت میں اس کا چرچا شروع ہو گیا جو لوگ صاحب استقامت تھے ان کو یہ لغو بیانی سراسر ناگوار گذری انہوں نے اس کی فریاد مولوی محمد حسن صاحب رامپوری سے کی، مولوی صاحب نے سید سے اجازت لے کر ایک روز جب سارا قافلہ حاضر تھا مولوی محبوب سے پوچھا کہ تم یہاں کے لوگوں کو کس دلیل سے خارج از جہاد سمجھتے ہو؟ اور یہاں کے رہنے کو کس بنا پر لغو اور بے فائدہ سمجھتے ہو۔

مولوی محبوب علی کہا کہ تم کو کس کافر سے جنگ درپیش ہے مولوی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ جنگ کا نام جہاد نہیں ہے جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ گاہے بگاہے پیش آتی ہے اور جہاد اعلائے کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہمیشہ باقی رہتا ہے یہ صرف آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد

سکھا ہے اور ان کوششوں کو جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جارہی ہیں آپ بے فائدہ اور عبث قرار دیتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس وقت جہاد سے انکار کر کے دہلی اپنے وطن تشریف لے جاتے ہیں اگر خدا کو منظور ہو کہ کسی وقت ہمارا کفار سے مقابلہ اور قتال (جس کو آپ جہاد کہتے ہیں) شروع ہو جائے تو اس وقت کونسی کرامت سے آڑ کر آپ آجائیں گے اور اس دور دراز راستہ کو طے کر کے جہاد میں شامل ہو جائیں گے مولوی محبوب علی اس تقریر کو سن کر لاجواب ہو گئے مگر نفس امارہ اور شیطان نے ان کو ایسا دل برداشتہ کر رکھا تھا کہ ان پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بہت سے آدمیوں کو بہکا کر دہلی کے چاؤ قومہ پر ہاتھ مار کے ہندوستان واپس چلے گئے۔ افسوس کہ اس وقت مولانا اسمٰعیل شہید جنگ پکھلی سے واپس نہ آئے تھے ورنہ مولوی محبوب علی کو دوبارہ دہلی کے کھانوں کے ذوق نہ رہنے دیتے مولوی محبوب علی کی اس کاروائی سے جو صدمہ کار و بار جہاد کو پہنچا۔ ایسا صدمہ اس لشکر اسلام کو آج تک کسی سکھ یا دوسرے کے ہاتھ سے نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ مدت تک ہندوستان سے قافلوں کا آنا بند ہو گیا کیونکہ معاونین جہاد سست ہو گئے اس فتنہ محبوبی کی تکذیب میں جب بہت سے خطوط لشکر مجاہدین کی طرف سے ہندوستان میں آئے تب مولانا محمد اسحق محدث دہلوی اور مولانا محمد یعقوب معاونین جہاد کی سعی سے یہ فتنہ رفع ہوا اور قافلوں کی روانگی دوبارہ شروع ہوئی۔

دوسرا غضب ناک واقعہ مسلمانوں کے کیمپ میں یہ ہوا کہ مولانا عبدالحئی صاحب نے جنہیں علم و فضل میں مولانا شہید سے دوسرے نمبر پر سمجھنا چاہیے۔

اس دارِ فانی سے کوچ کیا آپ کی وفات بتاریخ ۸ رشعبان ۱۲۴۳ھ میں وقوع میں آئی یہ قبل از وقت موت مومنین کے دلوں کو ہلا دینے والی تھی جس طرح مولانا شہید نے اپنے زبردست مشیر اور فاضل دوست کو کھو دیا۔ اسی طرح سید صاحب نے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہوا سمجھا یہ بے نظیر فاضل جس پر ہمیشہ تیغ کی روشنی چمکے گی۔ عجیب وغریب قابلیت کا تھا اس کی زبان میں قوت گویائی اور قلم میں غیر معمولی نمو کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ دور دور آپ کا شہرہ تھا۔ شیریں کلامی اور برجستہ تقریر کرنے میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے سید صاحب نے آپ کا ماتم کیا مولانا شہید آپ پر خون کے آنسو روئے مسلمانوں کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل رہا تھا۔

نوجوان تجھ سے ہی آباد تھا یہ سب خطہ۔ تیرے منہ موڑتے ہی جل گیا سارا گلشن
ہچکی بندھ جاتی ہے اے مخزن لطف وخوبی۔ یاد کر کے تجھے کرتا ہے عالم شیون

یہاں تو غریب الوطن پردیسی مسلمانوں پر یہ بپتا پڑے اور ہندوستان میں۔

مولوی محبوب علی صاحب نے ان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں گھڑ گھڑ کر ان کے سر چپکیں کہ عموماً مسلمان برانگیختہ خاطر ہوئے اور جو کچھ ہمدردی مولانا شہید سے وہ کرتے تھے۔ انہوں نے کرنی چھوڑ دی ناچار سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے چند فاضل اس غلط فہمی کے مٹانے کے لئے روانہ ہندوستان کئے جنہوں نے واقعات کا پر اثر الفاظ میں بیان کر کے بہت کچھ لوگوں کا اطمینان کیا اور انہیں پھر سید صاحب اور مولانا شہید کا ہمدرد بنا دیا۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے ہندوستانی سکھوں سے اپنے بھائی مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے مولانا شہید سے شامل نہ ہوئے تھے انہیں صرف لوٹ کا لالچ کشاں کشاں لایا تھا مگر ان کی اس بدکرداری سے بے چارے شہید پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔ جیسے بعض کفار عرب بظاہر مسلمان ہو جاتے تھے مگر باطنا کافر رہ کر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کاروائی کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو زک دینے کی نئی نئی تدبیریں کرتے تھے اس لئے ان کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی تھی اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ‎۔ ایمان والوں سے مل کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیاطین میں جاتے ہیں تو کہا کرتے ہیں ہم مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔

یہی کیفیت مولانا شہید کے کیمپ کی تھی اس میں دونوں طرح کے آدمی تھے دین کی حمایت کرنے والے بھی تھے اور لوٹ کا مال اینٹھنے کے لئے بھی آ گئے تھے دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے ان کی شناخت قوت بشری سے جب تک تجربہ نہ ہو بہت بعید ہے۔

ساتویں جنگ

یہاں غریب الوطنی پر پے در پے یہ بپتا پڑ رہی تھی اور ادھر یار احمد وہاں مسلمانوں کے لئے پا کرنے کے لئے نئی نئی فوجیں برابر روانہ کر رہا تھا ابھی مولانا شہید اتفاقی حادث سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ چار ہزار فوج دریائے لنڈہ سے

عبور کر کے اتمان زئی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آ پہنچی اب کے نئی بات یہ ہوئی تھی کہاں چار ہزار آدمیوں میں خال خال سکھ نظر آتے تھے ورنہ سب کے سب درانی مسلمان تھے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک دو جھنڈوں سے اپنے بھائی مسلمان پر چڑھ آئے تھے ان کے ساتھ دو توپیں بھی تھیں مولانا شہید نے اطلاع پاتے ہی اپنی شکستہ فوج کو آراستہ کیا اور تھوڑی سی جمعیت کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنی زیر کمان کیا اور دوسرا حصہ سید صاحب کی ماتحتی میں مقرر ہوا کل جمع آور مسلمان جو محمدی جھنڈے کے نیچے کام کر رہے تھے مشکل سے بارہ تیرہ سو ہوں گے باہم مولانا شہید اور سید صاحب میں یہ مشورہ طے پایا کہ میں دشمن کے میمنہ کی طرف سے شب خون ماروں اور آپ میسرہ کی جانب سے ان پر گر پڑیں۔

درانی اپنی کثیر التعدادی پر اکڑے ہوئے تھے اور یہاں خدا کے بھروسہ پر پھولے نہ سماتے تھے سید صاحب جس نصف حصہ کی کمان کر رہے تھے وہ ابھی بہت دور تھا مگر مولانا شہید درانیوں کی فوج کے بہت ہی قریب پہنچ گئے تھے۔ پہرہ دار نے آواز دی کون آتا ہے مولانا شہید خاموشانہ آگے بڑھے چلے آئے اس نے پھر وہی آواز دی آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا پھر اس نے تیسری آواز دی جواب نہ ملنے پر اس نے گولی ماری اور خوفزدہ غل مچاتا ہوا لشکر آ گیا۔ مولانا شہید گھوڑے پر سوار تھے اور دو سو آدمی اور بھی آپ کے ساتھ قدم بقدم علاوہ چار سو پیدل چلے آ رہے تھے مولانا کی پہلی نظریں توپوں پر لگ رہی تھی آپ سب سے پہلے ان ہی پر جا پڑے گولہ انداز

نے مہتابی کو روشن کر کے چاہا کہ پہلے مولانا شہید کو اڑا دیں کہ مولانا نے تلوار کا پھرتی
سے وار کر کے اس کی گردن اڑا دی دوسرا توپچی بھی یوں ہی مارا گیا مولانا شہید
نے فوراً وہ دونوں توپیں درانیوں کی طرف پھیر کر فیر کرنے شروع کئے ایک وفا
دار ہندو[1] جو مولانا شہید پر فریفتہ تھا گولہ اندازی پر مقرر ہوا اس نے اس
پھرتی سے گولہ اندازی کی کہ درانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ادھر مولانا شہید ان
پر ٹوٹ پڑے تکبیروں کی آوازیں خوب زور شور سے بلند ہو رہی تھیں بھلا اب
درانی کیوں کر میدان جنگ میں ٹھہر سکتے تھے اپنا کل سامان چھوڑ کر بھاگ گئے جب
وہ فرار ہو رہے تھے سید صاحب بھی ان پر آ پڑے تھے جتنے درانی مارے
گئے تھے ان کی تعداد ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہاں جن مردوں کو وہ میدان
میں چھوڑ گئے تھے وہ چار سو سے زیادہ تعداد میں تھے مولانا شہید کی فوج کا
ایک آدمی بھی زخمی نہ ہوا تھا یہاں سے فرار ہو کر درانیوں نے تھوڑی دور کے
فاصلہ پہ ایک بلند ٹیلہ پر مورچہ بندی کی اور اب ان کا ارادہ انتقام لینے کا پیدا ہو
گیا اس عرصہ میں صبح ہو گئی تھی ان کے مقابل میں مولانا شہید بھی مورچہ بندی
کر چکے تھے۔

مورچہ بندی سے فارغ ہو کر آپ نے اذان کہی اور سب مسلمانوں
نے جماعت سے نماز پڑھی جب یہ ہو چکی تو مورچہ والی جماعت نے اسی
طرح نماز فجر پڑھی اصحاب تازہ دم ہو کر گولہ باری شروع کر دی درانی گولیاں
مار رہے تھے اور یہاں سے گولوں کو ان کے جواب کے لئے چھوڑا جاتا تھا
تین چار گھنٹے تک تو وہ بہت جم کر ڈٹے مگر جب ان کے آدمی آموں کی طرح

---

[1] رامہ رام قوم راجپوت باشندہ جیوارہ

گولوں سے ٹپ ٹپ ٹپکنے لگے تو مورچہ بعزیب الولنوں کے حوالے کرکے بھاگے اور میل بھر کے فاصلے پر جاکر قیام کیا مولانا شہید نے صرف اس خیال سے کہ درانی مسلمان ہیں اپنے آدمیوں کو یہ حکم کر دیا تھا جب تک سینہ بسینہ جنگ میں کوئی مقابلے کے لئے تلوار نہ اٹھائے اسے قتل نہ کرنا نہ بھاگتے کا تعاقب کرنا اور جسے گرفتار کرو اسے وہی کھانا دینا جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑا دینا جو تم پہنتے ہو کیوں کہ وہ بھی تمہارے بھائی مسلمان ہیں۔

درانی جہاں سے آئے تھے وہیں بھاگ کر چلے جاتے اگر رئیس خیبر وغیرہ کی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچتی۔ خیبر والا سید صاحب سے بیعت کر چکا تھا مگر سکھوں کی رشوت نے اسے باغی بنا دیا اور اب وہ کھلم کھلا مولانا شہید سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا قدرتی طور پر درانیوں پر مولانا شہید کا ایسا خوف بیٹھا ہوا تھا کہ خفیف سی جنگ میں وہاں سے بھی فرار ہو گیا اور اپنے ساتھ خیبریوں کو بھی بھگا لے گیا۔

اس عظیم الشان فتح سے مسلمان مالامال ہو گئے اور اس کا اثر ملک پنجاب پر بہت بڑا یہ ہوا کہ دو ہزار سرداروں کے فدویت نامے ایک دن میں آ گئے جس میں انہوں نے اپنی گزشتہ گور پرستی وغیرہ سے توبہ کی تھی اور سیدھی راہ اختیار کی تھی۔ انہوں نے عہد کیا کہ قرآنی احکام پر عمل درآمد کریں گے جو بدعتیں دین میں خلل ڈالتی ہیں بالکل ترک کر دیں گے ان کی یہ بھی درخواست تھی کہ ہمارے ہاں عمال اور قاضی مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے جائیں ہم ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے فیصلوں کو اپنے حق میں ناطق

خیال کریں گے پیارے شہید کا پہلا مدعا یہ تھا کہ دین خدا کی اشاعت ہو مسلمان اس بدعت و شرک کی گھنگھور گھٹا سے نکلیں وہ مدعا جیسا دہلی میں حاصل ہوا تھا ایسا ہی پنجاب میں بھی ہوا الحمد للہ کہ ایسے تاریک تر خطہ میں خدا کا جمال چمکا اور لوگ سچے محمدی بننے لگے۔ گور پرستی اور پیر پرستی تعزیہ پرستی لات کی پرستش کو لات ماری اور اس اکیلے خدا کی پرستش کا ڈنکا بج گیا۔ جس کا ناطق قرآن مجید ہے۔

یہ دل تو کچھ دیوانہ پن سے مولانا شہید اور آپ کے غریب الوطن ساتھیوں کے سب سے زیادہ ہمدرد تھے انہوں نے یہ التزام کر لیا تھا کہ اپنی کمائی کا آٹھواں حصہ مولانا شہید کے لشکر کی نذر کر دیں اور جو کچھ وقتاً فوقتاً ان سے بن آئے وہ لشکر اسلام کی خدمت کرتے رہیں۔

آٹھویں جنگ

یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے کیوں کہ اب کے ایک فرانسیسی جنرل سے مقابلہ تھا جو سکھوں پر کمان کر رہا تھا اور جسے دربار لاہور نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا اب صاحب بہادر کا نام اسوانٹورا تھا۔ یہ دربار لاہور میں اپنی جانبازی اور فوجوں کو دشمن سے لڑوانے میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے غرض تین ہزار سکھی فوج لے کر بڑھے اور چلتے وقت یہ وعدہ کر آئے کہ میں سید احمد اور اسمٰعیل کو حضور کے دربار میں زندہ لا کر حاضر کروں گا فوراً مدد یائے اباسین کو مدد چند مسلمان سرداروں کی راہ

نمائی کے عبور کیا اور اب سید احمد صاحب کے کیمپ کی طرف بڑھے لیکن بڑھنے سے پہلے وہ چند ریاست میں ٹھہر گیا یہاں ایک باغی امیر مسلمان کا عمل دخل تھا وہ سید صاحب سے بیعت کر کے باغی ہو گیا تھا اس نے فرانسیسی جنرل کو غریب الوطن مسلمانوں کے رازدارانہ حالات کی بہت کچھ اطلاع دی اور بیان کیا کہ مسلمان مٹھی بھر آدمی ہیں صرف اسمٰعیل کی تدبیروں سے چار چار پانچ پانچ ہزار فوج سے میدان لیا ہے۔ فرانسیسی نے نہایت غور سے رئیس کی تقریر سنی اور حکم دیا کہ تم بھی ہمارے لئے کچھ فوج جمع کر دو کئی دن تک یہاں مقیم رہا اور بہت سا سامان رسد اور کئی توپیں ڈھائی ہزار فوج نئی بھرتی کر کے مولانا شہید کے کیمپ کی طرف بڑھا یہاں دم دم کی خبریں آرہی تھیں آپ بھی اپنی تیاری سے غافل نہ تھے آپ نے چاروں طرف خوب دیکھ بھال کر کے مورچہ بندی کے لئے ایک مقام دو پہاڑوں کے بیچ میں پسند کیا یہی راستہ تھا جسے طے کر کے آدمی پنجتار میں آ سکتا تھا آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں پتھروں سے ایک دیوار ساڑھے پانچ فٹ بلند بنوائی اس کی تعمیر میں مولانا شہید اور سید احمد صاحب بھی شریک تھے بارہ تیرہ سو مسلمانوں نے دو تین دن کے عرصہ میں اس پھرتی سے ایک مضبوط دیوار بنالی کہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا دیوار پر چار برجیاں بنائیں اور ہر برجی میں ایک توپ لگائی گئی کمی کی گولہ انداز مقرر کئے گئے یہ دیوار گویا مسلمانوں کا زبردست مورچہ بنی سکھ تو سکھ اگر فرانسیسیوں کا زبردست لشکر بھی حملہ کرتا تو مسلمانوں کا خیال تھا کہ ایک دفعہ تو ہم اسے بھی پسپا کر دیں گے یہ مانا کہ آدمی

۱؎ سردار خادی خاں باغی

بہت کم تھے مگر ان میں ابتدائی مسلمان عربوں کا سا جوش تھا اور ہر شیر شمشیر کف جنگ کرنے کے لیے موجود تھا آخر کئی دن کے بعد فرانسیسی جنرل وہاں پہنچا اور اپنے خیمے وہیں نصب کئے۔

مولانا شہید اور سید صاحب نے اب کے اور ایک نیا انتظام کیا تھا یعنی فوج کے تین حصے کر کے ہر حصہ کو ذرا فاصلہ پر روانہ کر دیا تھا۔ پہلے نشان کا نام صبغۃ اللہ تھا اور اس پر سفید اور زرد ریشم سے نصر من اللہ و فتح قریب سے آیت آخر تک نفیس حرفوں میں کاڑھی گئی تھی یہ نشان ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا جو چار سو جانباز مسلمانوں کے آگے ایک خوبصورت گھوڑے پر سینہ تانے ہوئے کھڑا تھا دوسرا نشان مطیع اللہ تھا اور جس پر سورہ بقر کا آخری رکوع سبز ریشم سے موٹے موٹے لفظوں میں نہایت ہی خوش خط کاڑھا گیا تھا۔ ابراہیم کے پاس تھا جو خود فولادی اور زرہ بکتر پہنے ہوئے اپنے حصہ کو لئے ادھر ادھر گردش نگاہ تھا تیسرا نشان فتح اللہ نامی تھا اس پر اخیر رکوع سورہ صف کا لکھا ہوا تھا اور اس کو عرب محمد نام لئے ہوئے تھے یہ نشان نہایت ہی زرق برق تھا اس کا حاشیہ ایک خوبصورت بیل کا تھا اور جو آیت اس کے نیچے کاڑھی گئی تھی وہ بالکل سرخ ریشم کی تھی یہ ساری ترکیبیں مولانا شہید کی تھیں آپ گویا کمانڈر انچیف اور ان جان بازوں کے لڑانے والے تھے۔ جب تمام مسلمان اس طرح میدان میں آ کر جمے تو مولانا شہید نے نہایت پر شوق اور مسرت افزا نگاہوں سے اس طرف دیکھا مسلمانوں کی آن بان اور ان کے بہادرانہ تیور دیکھ کر پیارا شہید بہت خوش ہوا اور سب

کے بیچ میں کھڑے ہو کر آیہ بیعت رضوان پڑھ کر سنائی اور نہایت خوبی سے
اس آیہ کی تفسیر بیان کی عام مسلمانوں میں جن میں قندھاری بھی دو ڈھائی سو
شامل تھے ایک عجیب تحریک پھیل گئی ایک ایک نے وجد انگیز حالت میں
نہایت صدق دل سے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی یہ بیعت گویا ایک قسم
کا بچن تھا کہ جنگ میں ہم منہ نہیں موڑنے کے اور جب تک ہماری جان میں
جان باقی ہے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑنے کے بس اسی قسم کی بیعت شریعت اسلام
کے بانی نے جائز قرار دی ہے اور یہ موجودہ پیری مریدی کی کردہ بیعت
ایک محض لغو اور ناکارہ خلاف اسلام فعل ہے۔

وہ وقت آ گیا کہ مولانا شہید کے وعظ کے اثر کا نتیجہ جو مسلمانوں کے
دلوں پر ہوا تھا کچھ رنگ لائے یہاں فرانسیسی جنرل آندھی اور مینہ کی طرح
یلغار کرتا ہوا زیدہ پہنچا ابھی دو گوبی کے بیٹے سے بھی زیادہ تھا کیمپ بہت
پیچھے رہ گیا تھا اس نے ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر دوربین سے مسلمانوں کی فوج
کو ملاحظہ کیا جو کہ مولانا شہید نے تیرہ سو آدمیوں کو ٹکڑیاں ٹکڑیاں کر کے ذرا
دور دور کے فاصلہ پر اس ترکیب سے کھڑا کیا تھا کہ دیکھنے والے کو ہرگز نہ
تمیز ہو سکتی تھی کہ یہ صرف تیرہ سو ہی ہیں جوں ہی اس کی نظر لہراتی ہوئی سرخ
زرد جھنڈیوں پر پڑی اور زرہ بکتر والے سواروں کو ادھر ادھر دوڑتے ہوئے
دیکھا ہوش باختہ ہو گئے متعجب اور خوف زدہ ہو کر کہنے لگا او خادم خاں (رئیس
ہنڈ باغی) تم نے ہمیں دھوکہ دیا تو کہتا تھا کہ اسمٰعیل کے ساتھ غازی تھوڑے
ہیں یہ اتنے کہاں سے آ گئے اور ہم اتنے غازیوں سے کیوں کر میدان جنگ

ے گا۔ جب تک مہاراجہ رنجیت سنگھ خود ہی نہ آئے گا اسے فتح نہیں ہو سکتی پھر بھی ریئس ہنڈ نے اطمینان دلایا اور کہا آپ جنگ کریں میں اور فوج جمع کر دوں گا عزمن بہزار وقت قدم بقدم اپنی فوج کو لے کر بڑھایا تو بہت تیز رفتار میں آ رہا تھا اس نے اب دھیمی چال کر دی اور ایک طرف سے پیارے شہید کو دھوکہ دے کر دوسرے رخ سے دیوار پر جا پہنچا اور دیوار کو ڈھانا شروع کیا اس وقت مولانا شہید نے بھی عجیب کام کیا آپ نے پہلے صبغۃ اللہ نشان دار فوج کو بڑھنے کا حکم دیا اور جو پھر تاک تاک کر گولہ اندازی کی تھی انہیں سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی اب سکھ پسپا ہوئے اور جیسے بے دھڑک وہ دیوار پر چلے آئے تھے کئی سو قدم پیچھے ہٹ گئے بہادر بوالحسن صبغۃ اللہ لئے ہوئے برابر وجد انگیز حالت میں بڑھا چلا جا تا تھا۔ بندوق دونوں ہاتھوں میں تھی توڑا سلگ رہا تھا۔ مگر ابھی اس نے نہ اس کی فوج نے فیر کرنے شروع کئے تھے مولانا شہید ان تمام ٹکڑیوں کو لڑا رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی تھی اور آپ نے یہ حکم دے دیا تھا جب تک میں جھنڈی نہ ہلاؤں فیر نہ کئے جائیں۔

ہر حال بازِ بہادر بے چین تھا کہ اسفیل جھنڈی کیوں نہیں ہلتا آخر جب وہ موقع آگیا کہ مسلمانوں کے فیر کچھ کام کرتے آپ نے جھنڈی ہلائی اور ایک کڑاکے کی آواز میں اللہ اکبر کہا بس یہ کہنا تھا کہ فیر شروع ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے اس تدسقریب آگیا کہ سینہ بسینہ جنگ ٹھہر گئی اتفاق سے نشان بردار کے بازو میں ایک گولی لگی اور مولانا شہید نے دیکھا کہ نشان جھکنا چاہتا ہے

کہ آپ قلب فوج میں لپکے اور فوراً اس کے ہاتھ سے نشان لے کر اس پڑے کی کمان کرنے لگے۔ قدرتی طور پر پیارے شہید کا رعب سکھوں کے دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ جہاں انہوں نے صورت دیکھی وہ کانپ گئے اب کیا تھا خوب گھمسان کا میدان ہوا، تلوار، بندوق، چھری، کٹاری ہر ایک چیز چل رہی تھی جس کے پاس جو کچھ ہوا اس نے مقابل کی اسی سے خبر لے لی۔ جدھر یہ شیر گرتا تھا صفوں کی صفوں کو کائی کی طرح سے چیر ڈالتا تھا۔ مولانا شہید جب کئی سکھوں کی کمپنیوں کو صاف کر چکے تو آپ کی طبیعت میں خطرناک دلیری کا ایک دھوندار جوش اٹھا اور وہ جوش یہ تھا کہ انٹورا صاحب جنرل افواج سکھ کا سر کاٹ لاؤں۔ یہ جوش گو آپ کی نڈر طبیعت بے دھڑک دلیری سچی شجاعت اور سخت بے جگری کا شاہد تھا مگر ساتھ ہی اس کے خوش آئند نہ تھا۔ فرانسیسی دو ہزار سکھوں کے بیچ میں محفوظ تھا وہاں تک دو تین سو آدمیوں کا اول تو پہنچنا ہی محال تھا اور اگر پہنچ بھی جائیں تو کامیابی عنقا صفت سمجھنی چاہئے۔

بایں ہمہ پیارا شہید پسپا کرتا ہوا سکھوں کے قلب تک جا پہنچا اور ذرا دم لے کر اپنے پراگندہ آدمیوں کو سمیٹا اور ارادہ کیا کہ بجلی کی طرح انٹورا پہ جا پڑوں وہ مولانا شہید کی غیر معمولی شجاعت کی بانگی دیکھ رہا تھا اور یہ بھی اس کی نظر میں تھا کہ اور جتنے اسلامی پڑے لڑ رہے ہیں کوئی پیش قدمی کر کے اس قدر آگے نہ بڑھ سکا جتنا اسمٰعیل اپنی کمپنی کو لے کر آگے بڑھ آیا یہ خیال انٹورا کو پسپا کرنے کے لئے کافی تھا۔ ایسا ہیبت ناک اثر اس کی طبیعت پر ہوا کہ اس نے باگیں

اٹھاویں اور بمشکل مسلمانوں سے پیچھا چھڑا کے اپنے کیمپ میں آرام کیا۔ بھلا بپھرا ہوا شیر (اسمٰعیل) کب گوارا کر سکتا تھا کہ اُنکے آگے کے گورنر اس طرح سے بھاگ جائیں اس نے تعاقب کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل کیمپ اور اس کا سامان مسلمانوں کے لئے چھوڑ کر آپ سیدھا لاہور کی طرف بھاگا یہ فتح بہت شان و شوکت سے پیارے شہید کو حاصل ہوئی۔

نویں جنگ

ناہنجار خادیخاں نے اس شکست سے بڑی منہ کی کھائی رستہ میں جتنے گھر اور گاؤں محمدیوں کے آئے ایک ایک کو بتا بتا کے انٹرا صاحب سے آگ لگوا دی اور معصوم بچوں کو سکھوں کی خون آلود تلوار سے قتل کرایا جہاں تک اس سے ہو سکتا تھا مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوتاہی نہ کرتا تھا اپنے اضلاع میں نئی نئی گھڑنتیں گھڑ کر پیارے شہید اور سید احمد کو بدنام کرتا اور ہمیشہ ان کے خلاف مسلمانوں کو آمادہ پیکار کرتا رہتا تھا لطف یہ تھا کہ صدق دل سے بیعت بھی کر چکا تھا۔ مولانا شہید نے کہا سکھوں سے تو ہم لڑتے ہی رہیں گے مگر سب سے پہلے اس کانٹے کو راہ سے ہٹا دینا چاہئے مبادا کسی وقت اس سے سخت چشم زخم پہنچے اب اس یورش کے قابل سوائے پیارے شہید کے اور کون تھا سات سو آدمیوں کو ساتھ لے کر آپ ہنڈ کی طرف بڑھے۔ خادیخاں کو بھی مولانا اسمٰعیل کے آنے کی خبر ہوئی وہ اپنے قلعہ کی مضبوطی اور فوج ہونے پر اس قدر نازاں تھا کہ اسے کچھ پرواہ نہ ہوئی اور

اس نے کہہ دیا کہ اسمٰعیل کی نقضالا رہی ہے کسی کے گھر پر چڑھ کر آنا پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ شب کو سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں مگر شب کو رستہ بھول نے کی وجہ سے یہ ارادہ تو پورا نہ ہو سکا۔ ابھی صبح کو پو پھٹی تھی کہ آپ قلعہ ہنڈ کی دیواروں کے نیچے جا پہنچے کل ڈیڑھ سو آدمی ساتھ تھے اور باقی ماندہ پیچھے رہ گئے تھے آپ نے خاموشی سے بارہ بندوقچیوں کو بھیج دیا کہ تم دروازہ کے پاس اس ٹیلہ کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو جاؤ جوں ہی دروازہ کھول کر قلعہ میں سے لوگ نکلیں اور شہر کی طرف جانے لگیں۔ تم فوراً قلعہ میں گھس جانا اور انہیں گولیاں مار دینا بھاگتے ہوؤں کو روکنا نہیں مقابلہ کرنے والوں کو تہ تیغ کرنا ابھی بہت روشنی نہ ہوئی تھی نسیم سحری طفلانہ اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی اور خادی خاں کو خبر دے رہی تھی کہ تیرا یہ خواب نوشیں زہر آلود ہے مگر وہ کچھ اپنے قلعہ کی مضبوطی میں ایسا مخمور تھا کہ اسے نسیم سحری کے جھونکوں کی اطلاع کی بھی ذرا خبر نہ تھی جونہی مولانا شہید نے بندوقوں کی آواز سنی آپ بھی فوراً بندوق چھتیاتے ہوتے معہ ہمراہیوں کے داخل قلعہ ہوئے۔ ہتھیار اٹھانے کی بھی مہلت نہ دی اور سب کو خوف دے کر باہر نکال دیا قلعہ کے دوسرے حصہ میں خادیخان سوتا تھا۔ ٹھائیں ٹھائیں بندوقوں کی آواز آئی اور لوگوں کا غل سنائی دیا تو بے خبر ہمیں ہڑبڑا کر اٹھا اور پریشان باہر نکل آیا دیکھا تو بیاں گل ہی اور کھلا ہوا ہے فوج کے سرداروں کو ڈراونی صدائیں پکارا وہاں کسی کا بھی پتہ نہ چلا پھر وہ اپنے کمرہ کے زینہ سے قلعہ کی چھت پر چڑھ گیا اور وہاں سے شور و غل مچانا شروع کیا

سراسیمہ ادھر ادھر بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ آخر ایک مسلمان کی گولی نے اسے لٹا دیا۔

یہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ سوائے سامان حرب کے مولانا شہید نے قلعہ میں کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اس کی مستورات کو حکم دے دیا کہ تم جہاں چاہو چلی جاؤ اور اپنا کل مال ومتاع لے جاؤ چنانچہ وہ اپنا تمام سامان لے کر چلتی بنیں اب مولانا شہید کا قبضہ بالکلیہ قلعہ پر تھا مگر مخالفت کی آگ دن بدن بھڑکتی جاتی تھی اور افسوس یہ ہے کہ غریب الوطن مسلمانوں میں کوئی بھی مولانا اسمٰعیل جیسا تدبیر جنگ میں ماہر دکامل نہ تھا پھر کون امید کر سکتا ہے کہ زمانہ کے وہ وعدے جو اس نے مولانا شہید سے بچپن میں کئے تھے پورے ہوتے اور تمام وہ آرزوئیں جو اول دن سے آپ کی طبیعت میں اٹھ رہی تھیں بر آئیں اکیلا چنا بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ یہاں مولانا شہید کا قبضہ منڈ کے قلعہ پر ہوا اور وہاں پنجتار اور منڈ کی راہ مخالفوں نے بند کر دی سید صاحب سخت پریشان ہوئے اور متذبذب تھے کہ کیا کرنا چاہئے کاش وہ اپنے کل آدمیوں کو لے کر منڈ میں چلے آتے تو یہ چشم زخم جو بہادر شہید نے اٹھائی کبھی اس شجاع نفس کو نہ اٹھانی پڑتی خبر نہیں سید صاحب کیا سوچتے رہ گئے اور انہوں نے اسمٰعیل کی ذرا بھی خبر نہ لی قلعہ میں صرف سوا سو کے قریب آدمی تھے جن میں سے کم ہوتے ہوتے ساٹھ رہ گئے تھے یوں نہ بیت ذی دو شخص روز سید صاحب کی خدمت میں روانہ کئے جاتے تھے کہ آپ ذرا قلعہ منڈ پر آجائیں خبر نہیں رستہ ہی میں بے چارے مخالفین کی تیغ

براں کے شکار ہو جاتے تھے یا سید صاحب کے کیمپ میں جا کر غائب ہو جاتے تھے۔

حاکم قلعہ کے بھائی امیر خاں نے تنگ ہو کر اور قلعہ کی فتح سے مایوس ہو کر سید صاحب کو جا گانٹھا کہ آپ مجھے قلعہ واپس دلوا دیں میں آئندہ سے شریعت محمدی کے موافق عمل درآمد کرنے کو موجود ہوں وہ بیچارے ایک فقیر طبیعت آدمی تھے انہیں ملکی اور جنگی معاملات سے اتنی دلچسپی نہ تھی گو آپ کی دلیری اور بے جگری میں کلام نہ تھا۔ مگر اکیلی شجاعت جب تک کہ اس کے ساتھ پولیٹکل دماغ نہ ہو۔ محض بے کار ہوتی ہے امیر خاں کے بہکانے میں آ کر آپ نے مولانا اسمٰعیل کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ قلعہ فوراً حامل رقعہ ہذا کے حوالہ کر دو یہ آئندہ شریعت محمدی کی اشاعت دینے کی قسم کھاتا ہے۔

شاہ صاحب نے زیادہ وقعت کی نظر سے اس رقعہ کو نہ دیکھا اور اس کا جواب لکھ بھیجا یہ قلعہ اس آسانی سے نہیں دیا جا سکتا قصہ مختصر کہ آخر حاکم پشاور نے پانچ ہزار فوج سے قلعہ ہنڈ پر حملہ کیا تاکہ اپنے سپاہی کا انتقام لے۔ یہاں پچاس ساٹھ آدمی جن کے پاس سامان رسد بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ کیونکر ایسی عظیم الشان فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ سید صاحب کا راستہ دیکھتے دیکھتے شاہ صاحب کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں۔ مگر وہاں صدائے برنخاست کا مضمون تھا آخر غازی اسمٰعیل محصور ہو گیا حاکم پشاور کے لشکر کی کمان ایک انگریز کیول نامی کے ہاتھ میں تھی۔ آٹھ

دن تک غازی نے ان مٹھی بھر آدمیوں سے پانچ ہزار فوج کو قلعہ پر قبضہ نہ پانے دیا مگر تا بہ کے رسد بند کر دی گئی تھی پانی سوائے چشمان پر یم کے کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتا تھا کیوں کر کام چل سکتا تھا حاکم پشاور کو یہ خبر نہ تھی کہ اسمٰعیل ایسا خستہ حال ہے وہ آٹھ دن کے محاصرہ سے خود تنگ آگیا اس نے کیول کی معرفت صلح کا پیغام دیا چونکہ ایک انگریز کا قدم بیچ میں تھا اس لئے شاہ صاحب کو بھروسہ تھا کہ عہد سے دغا نہ ہوگا معاہدہ میں یہ امر طے پایا کہ اسمٰعیل اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے نکل جائیں کوئی مزاحم نہ ہوگا مگر ہتھیار ایک بھی ساتھ نہ ہو جب عہدنامہ پر کیول کے دستخط ہو گئے تو شاہ اسمٰعیل مع اپنے جانثار ہمراہیوں کے نہتے قلعہ میں سے نکل آئے حاکم پشاور سلطان محمد خاں نے سخت بزدلی اور بے ایمانی کو کام فرما کر مولوی اسمٰعیل کو ان کے کل ساتھیوں کے ساتھ قید کر لیا کیول چونکہ ایک ایمان دار مسیحی تھا اپنے آقا کے اس بزدلانہ پن سے سخت ناراض ہوا اور نہایت سخت و سست کہا نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا کیول نے نوکری چھوڑ دی۔ اور شاہ صاحب بے کسی کی حالت میں قید ہو گئے سلطان محمد نے مولوی اسمٰعیل کو سامنے بلا کر کہا تم جانتے ہو تمہارے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے گا مولانا شہید نے بے باکانہ جواب دیا تیری شقاوت قلبی اور بے ایمانی سے یہ امید ہے کہ تو ہمیں شربت شہادت پلائے بسم اللہ ہم اس کے لئے تیار ہیں اور بہت خوشی سے خدا کی راہ میں گردن کٹانے کو موجود ہیں۔

یہ خبر خوفناک آگ کی طرح پنجاب میں پہنچی سید صاحب اسفازیوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ہر مسلمان غریب الوطن کا دل دھڑکا کرنے لگا ساتھ ہی ایک اس سخت جانکاہ غم نے بزدل نہ بنا دیا بلکہ دم پہلے سے بھی زیادہ طیش میں بھر گئے اور انہوں نے عہد کر لیا کہ جب تک

اسمٰعیل کا انتقام سلطان محمد سے نہ لے لیں گے ہمیں کھانا پینا حرام ہے سید صاحب نے بصلاح چند مسلین پشاور کی طرف باگیں اٹھا دیں سلطان محمد نے جب یہ سنا کہ سید صاحب پشاور کی طرف بڑھے ہیں وہ قلعہ ہنڈ کو چھوڑ کر پشاور میں ہانکتا چالکتا پہنچا۔ قیدی اس کے ساتھ تھے یہاں پہنچ کر قیدیوں کو اس نے ایک سخت گڑھی میں قید کیا جو جو تکلیفیں بیچارے غازیوں کو دی جاتی تھیں وہ قابل بیان نہیں گڑھی کے اردگرد دو سو سواروں کا پہرہ ہر وقت رہتا تھا مگر مولانا اسمٰعیل اپنی رہائی کی تدبیر میں لگے ہوتے تھے اور اس تکلیف اور سخت قید میں بھی مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہے تھے ایک دن آپ موقع پا کر آپ فصیل پر معہ اپنے کل ہمراہیوں کے چڑھ آئے وہاں سے دھڑام دھڑام کود کر سواروں پر گرے۔ سوائے بودی سی لکڑیوں یا پتھروں کے آپ کے پاس کچھ نہ تھا شب کی تاریکی نے سواروں کو سراسیمہ کر دیا کئی سوار گر پڑے اور کتنے سوار ادھر ادھر جان کے خوف کے مارے چھپ گئے شاہ صاحب کے ہاتھ میں گھوڑے اور سامان حرب بندوق تلوار وغیرہ لگ گیا آپ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ غل مچاتے ہوئے بھاگے سلطان محمد خاں سے کہہ دینا اسمٰعیل جاتا ہے اگر ید کا جلے تو روک لے۔

آپ دھڑاکے سے نکلے چلے آئے کسی کو یہ یارا نہ ہوا کہ آپ کا تعاقب کرتا۔ یہاں سے رہائی پا کر آپ پنجتار پہنچے اور سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی سید صاحب اور کل غازیوں کی جان میں

جان آگئی اور سب نے شکر خدا کیا کہ ظالم عہد شکن کے پنجہ سے کس آسانی سے جان بچائی۔

سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اپنا ہیڈ کوارٹر کشمیر کو بنائیں مگر راستہ کے امیروں کی مخالفت سے کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ غریب الوطن صحیح وسالم کشمیر پہنچ سکیں گے ایک بار اسمٰعیل صاحب نے کوشش بھی کی مگر انب اور عشرہ کا حاکم آپ کا سد راہ ہوا اس لئے آپ کو مجبور آنا پڑا اور اب آئندہ حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دسویں جنگ

مولانا شہید کو کشمیر کے راستہ میں جس ریاست نے روکا تھا وہ انب کی دولت مند ریاست تھی اس کی سرسبزی اور خودسری کی دھاک تمام پنجاب پر بیٹھی ہوئی تھی صلاح یہ ٹھہری کہ کشمیر کی جگہ غازیوں کا ہیڈکوارٹر انب ہی کو کرنا چاہئے مگر ریاست انب پر قبضہ کرنا کچھ منہ کا نوالا نہ تھا بلکہ اس مشکل کشائی کے لئے اسمٰعیل جیسا نڈر بہادر اور فنون جنگ کی ماہر ضرورت تھی کئی دن کے مشورہ کے بعد مولانا شہید نے انب کی طرف باگ پھیری پائندہ خاں حاکم انب کو جب معلوم ہوا کہ اسمٰعیل یلغار کرتے ہوئے آ رہے ہیں تو اس نے ایک چال چلی یعنی ایک فدویت نامہ لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور صاف طور پر تحریر کر دیا کہ میں نے اطاعت قبول کی۔ احکام اسلام کی پابندی اپنے اوپر فرض جانی اور اپنی

کل ریاست میں احکام جاری کردوں گا کہ ہر شخص قرآن وحدیث کے مطابق آئندہ سے عمل کرے اس سے بہتر شاہ صاحب کی نظر میں اور کون سی بات آسکتی تھی آپ یہ فدویت نامہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور باری تعالے کا شکریہ ادا کیا کہ تیری ہی برکت سے تیرا اجلال پنجاب کے تاریک ترخطہ میں پھیلتا جاتا ہے۔

پائندیخاں اپنے خیال میں جب مسلمانوں کو چکمہ دے چکا تو اب اس نے دو ہزار مرد میدان منتخب کر کے حملہ کی تیاری کی، اور چاہا کہ غفلت میں سب کو تہ تیغ کر ڈالوں۔ مگر اس کا یہ بزدلانہ خیال خبط تھا شاہ اسمٰعیل بڑا تجربہ کار اور ہوشیار جنگی شخص تھا وہ اپنی خواب گاہ میں بھی ہتھیار باندھ کر سوتا تھا وہ بالکل اس کی جگہ بھی چوکنا رہتا تھا اسے قطعاً ہتھیار کھولنے کی ممانعت تھی اور حکم تھا فتح کے بعد بھی ایسے چوکنے اور ہوشیار رہو گویا تم مغلوب ہو چکے ہو اور تمہیں اپنے مہیب دشمن کا خوف ہے۔

شب کے تین بجے پائندیخاں نے اپنے خیال میں غافل پا کر اسمٰعیل پر حملہ کر دیا یہاں سارا معاملہ لیس تھا ایسی خونریزی سے جنگ ہوئی اور بہادر ایسی جان توڑ کر لڑے کہ بڑے نقصان کے ساتھ پائندیخاں کو بھاگنا پڑا اور پھر اس پیمان شکن کا اب کے کسی ضلع میں بھی ٹکنا دشوار ہو گیا۔ معمولی طور پر اس کا چند آدمیوں نے تعاقب گیا مگر اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ دریائے اباسین کو عبور کر کے خبر نہیں کہاں کا مارا کہاں جا نکلا

انب چوں کہ سرسبز دولت مند اور وسیع ریاست تھی اس لئے فی الحال مولانا شہید نے یہی بہتر سمجھا کہ انب ہی کو ہیڈ کوارٹر بنایا جائے چنانچہ نہایت اطمینان سے کل دفاتر قاضیوں اور مفتیوں کے کھولے گئے اور بالکل ہر بات شرع محمدی کے موافق انجام پانے لگی۔ سید صاحب نے نئے طور سے اپنی مہر کندہ کرائی جس پر اسمہ احمد کھدا ہوا تھا مولانا شہید نے بھی ایک مہر کندہ کرائی اس پر واذکر فی الکتاب اسمٰعیل لکھا ہوا تھا یہ دونوں مہریں کبھی تو مولنا شہید کی امانت میں رہتی تھیں اور کبھی منشی فضل الرحمٰن صاحب کے پاس رہتی تھیں ہر شے کا حساب کتاب ہر منشی کے پاس تھا اور علیحدہ علیحدہ ہر ہر محکمہ کے افسر مقرر ہو گئے تھے تحصیل مال گزاری کا بندوبست بھی لبطرز احسن ہو گیا اور جتنی باتیں کہ تدابیر ملکی کے لئے ضروری ہیں وہ سب مولانا شہید جیسے صاحب رائے کی بدولت انجام پذیر ہو گئی تھیں اور اب کسی قدر شان دین احمدی معلوم ہوتی تھی۔ غریب الوطن مسلمانوں کو بھی چنداں آرام ملا تھا اور ہر شخص خوش وخرم نظر آتا تھا۔

گیارھویں جنگ

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ مسلمانوں لڑاکوں کی دھاک ملک پنجاب پر ایسی زبردست بیٹھی ہوئی تھی کہ ہر لشکری کا دل کانپتا تھا اور بڑے بڑے افسر مانے بیٹھے تھے کہ ہم نے اسمٰعیل جیسا جنرل اور فوج لڑانے والا

نہیں دیکھا۔ لفظ اسمٰعیل پنجاب میں بچہ بچہ کو معلوم تھا اور اس کا ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ درانیوں اور سکھوں کی عورتیں اپنے بچوں کو اسمٰعیل کے نام سے ڈراتی تھیں صرف اس بے نظیر قوی جری اور شجاع نفس کی بدولت پنجاب کا بہت ساحصہ سید صاحب کے زیر حکومت ہو گیا تھا۔ پنجتار قلعہ لنڈہ اور اس کے تمام اضلاع نوبت بنوبت فتح ہوتے گئے تھے دریائے اباسین کا سارا ملک مسلمانوں کے ہی زیر حکومت تھا۔ زیدہ۔ تربیلا۔ چھوڑہ وغیرہ وسیلع اور سرسبز صوبے سب فتح ہو چکے اور فی الحال محمدیت نے سب کو اپنا محاط بنا لیا تھا۔ مولانا شہید ارمان بھری خوش خوش نظروں بیں دین خدا کی سچی نورانی ہدایت کی اشاعت دیکھتے تھے اور دل ہی دل بیں پھولے نہ سماتے تھے آپ کا اصلی مدعا یہ تھا کہ شرک اور بدعت کی خراب اور غلیظ رسم مٹ کر وحدت پرستی کا نور چمکے اس سے زیادہ ایک مصلح اپنی مراد میں اور کیا کامیاب ہو سکتا ہے خود خدائے تعالےٰ اس جانکاہی اور بے مثال کوشش کی داد دیتا تھا اور تمام مخلوق غرض ذرہ ذرہ مرحبا وصد مرحبا کی صدائیں بلند کرتا تھا یہ ایک شاعرانہ استعارہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی بات ہے جب تک مقدس نفس ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کر چکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ بھی نکل آتا ہے اس وقت خود اس کا دل بولتا ہے اور اسے مبارک باد دیتا ہے اور وہ اس آواز کو اپنے کانوں سے سنتا ہے یہ وہ آواز ہے جو حضرت موسےٰ کو طوہ پر آئی تھی اور جس آواز میں خدا بولتا ہے یہ آواز ہی ان

مقدس اور برگزیدہ انفاس کو آتی ہے جن کا دل دنیاوی کدورتوں سے پاک ہوتا ہے اور جن کے نورانی قلب پر ہر دم ربانی جلوے پرتو لگن ہوتے ہیں ان کا یقین معمولی یقین رکھنے والوں سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے ان کا اعتقاد اپنے ہمعصروں سے درجہ ممتازیت رکھتا ہے اپنے دل کی مستقیمی حالت سے جانتے ہیں جو کچھ ہم کرتے ہیں خداوند تعالےٰ اس میں ہمارا رہبر ہے وہ خدا کا جلال باطنی آنکھوں سے بھی دیکھنے لگتے ہیں اور انہیں کچھ تعجب نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اپنی تمام آئندہ و گزشتہ آرزوؤں کو ہو بہو اپنے دل میں آتا ہوا اور موجود دیکھتے ہیں اور باہم مقابلہ کرنے کی قوت ان میں پوری ہو جاتی ہے آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنی ناکامی کو بھی کامیابی تصور کر کے اس سے خوش دل رہتے ہیں غرض ایسے مصلح جن کے دل کے آثار چڑھاؤ کی یہ کیفیت ہوتی ہے انہیں یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ہم دنیا میں محض اصلاح قومی اور خدا کی مخلوق کے لئے بہبودی کے سامان مہیا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی پاک اور برتر خیال میں ہوش سنبھالتے ہیں اسی میں جوان ہوتے ہیں اسی میں پوری عمر میں پہنچ کر جان بحق تسلیم ہو جاتے ہیں

اسی طرح مولانا شہید کا حال تھا جو آرزو آپ نے ہوش آتے ہی کی تھی کہ جس طرح ہو قرآن و حدیث کے احکام کی پابندی مومنین سرگرمی سے کریں اور اپنے کو کسی کے ساتھ بجز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نسبت دینی سخت بے ادبی اور خیرہ چشمی خیال کریں کتنے غضب کا مقام ہے کہ جس مسلمان سے دریافت کرو کہ تمہارا مذہب کیا ہے یا تم کس گروہ میں ہو

تو وہ اس کا جواب یہ دے گا کہ میں حنفی ہوں یا شافعی ہوں یا حنبلی ہوں یا مالکی ہوں یا کیا جانے کہ کیا کیا ہوں مگر کسی خدا کے بندہ کی زبان سے یہ نہ نکلے گا کہ میں الحمد للہ محمدی ہوں۔ اس سے زیادہ بے ادب مسلمان ہو کر اور کیا ہو سکتی ہے کفران نعمت اور محسن کشی اسی کو کہتے ہیں اگر نسبت کا بھی کچھ شرف ملنا تھا تو چار صحابہ کو مگر یہ بات نہ ہوئی نہ کوئی ابوبکری ہوا نہ عمری ہوا نہ عثمانی ہاں حضرات شیعہ خواہ مخواہ اپنے کو شیعان علی کہتے ہیں۔ مگر جب ان سے دریافت کیا جائے گا تو جواب یہی دیں گے کہ ہم شیعہ ہیں۔

پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اس ضلع میں اتنے محمدی آباد ہیں اور اس ضلع میں اتنی تعداد محمدیوں کی ہے۔

یہ مولانا شہید کی تائید غیبی سمجھنی چاہیے کہ دن بدن ان کی سلطنت خود بخود بڑھتی جاتی تھی اور تمام سرداروں کے فدویت نامے برابر چلے آ رہے تھے مسلمانوں کے پاس سامان حرب مکمل ہو گیا تھا اور چند روز کے آرام نے انہیں پھر سے ایسا تازہ دم بنا دیا تھا کہ اب ان کی تلواریں میانوں میں تڑپنے لگی تھیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ جو کئی شکستوں کے بعد بھی اب تک خواب خرگوش میں پڑا سوتا تھا آخر بیدار ہوا اور متوحش نظروں سے اسمٰعیل کی فتوحات کی لین ڈوری آگے بڑھتی ہوئی دیکھی اس کے ہوش و حواس پراگندہ ہو گئے اور اب اسے یقین ہو گیا کہ جب تک میں بذات خود اس کا انتظام نہ کروں گا

ملک بچانا مشکل ہے۔

سکھ اب تک بالکل نیچے ہوئے ایک آدھ شکست کھا کر سیر دیکھ رہے تھے انھوں نے رشوتیں دے دے کر مسلمان رئیسوں کو سید صاحب کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی اور کوئی مسلمان سید صاحب سے مخالفت نہ کرتا بلکہ ساتھ دیتا تو پھر ناممکن تھا کہ پنجاب بھر میں سکھوں کی سلطنت کا نام و نشان بھی رہتا مگر یہ بات ہی اول دن سے ہونی نہ لکھی تھی۔ بھلا کیوں کر ہو کر رہتی۔

وہ خیال سکھوں کا مسلمان رئیس ہی اسمٰعیل کو ہی نیچا دکھا دیں گے بالکل خام ثابت ہوا اور اب انھوں نے وحشت ناکی سے دارالخلافہ کے مطلع پر غبار جنگ نمودار دیکھا رنجیت سنگھ نے مشورہ کے بعد چار ہزار فوج پیدل اور ایک ہزار سوار چار توپ خانے اور بہت سامان حرب دے کر چتر بائی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کئے اور افسر فوج خالصہ کو آپ ہدایتیں کر دیں کہ یوں جنگ کرنا اور یہ کرنا غرض جتنی باتیں اسے سمجھانی تھیں سب بیان کر دی گئیں وہ جنرل شراب کے نشہ میں سرمست چتر بائی پہ حملہ آور ہوا۔

شاہ صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ بہت سے پرچہ نویس ادھر ادھر مقرر کر دیئے تھے جو بھیس بدلے ہوئے پھرتے تھے اور ایک ایک ادنیٰ ادنیٰ خبر لا لا کر دیتے تھے پرچہ نویسوں نے سکھوں کے لشکر کی پوری پوری خبر دے دی یہ سب سے زیادہ الغیب معلوم ہوا کہ مولانا

شہید ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ سکھوں کی فوج کا استقبال کریں دو توپیں اور ایک ہزار آدمی لے کر آپ سکھوں کے استقبال کے لئے بڑھے ہزارہ میں آٹھ سو پیدل اور دو سو سوار تھے چتر بائی سے جانب شرق ایک وسیع میدان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا پہلے دونوں طرف سے توپوں کے فیر ہوتے رہے بعد ازاں شاہ صاحب نے حملہ کا حکم دیا۔ پانسو آدمی تو مورچوں پر قابض رہے اور پانسو نے حملہ کر کے دو مورچے اپنے قبضہ میں کر لئے اور پھر آگے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا ابھی دست بدست بھی جنگ نہ ہوئی تھی کہ سکھوں کی خالصہ خونخوار مہیب فوج ایسی دم دبا کر بھاگی جس کی نظیر کہیں بھی نہیں معلوم ہوتی خبر نہیں ایک ایک مسلمان انہیں سو سو کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ یا خبر نہیں ان کی صورتیں ایسی وحشت ناک دکھائی دیتی تھیں کہ جہاں انہوں نے حملہ کیا اور مخالفین کے پاؤں اکھڑے۔

ان متواتر فتوحات سے اندازہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اگر ذرا بھی مسلمانوں میں قوت انتظامیہ ہوتی تو ان کی حکومت قطعی دوبارہ پنجاب پر قائم ہو چکی تھی رنجیت سنگھ جیسے دس اور ہو جاتے تو کچھ بھی نہ کر سکتے تھے ایک صرف اسمٰعیل کا دم تھا۔ بھلا وہ کیا کر سکتا تھا اور اکیلا تمام جہاں کے فرائض کی انجام دہی اس سے کیوں کر ہو سکتی تھی آخر کو انسان تھا خطا و صواب دونوں کا احتمال بلکہ یقین اس کی رائے پر ہو سکتا تھا۔ ہاں واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا بہت کم اتفاق پڑا ہے جہاں اس کی رائے نے خطا کھائی ہو ورنہ ایسی

صحیح مطیعتی تھی کہ گویا کسی نے اسے القا کر دی ہے اور بے شک خدا اسے القا کرتا تھا اور اس کا دل خصوصیت سے گزر گاہ جلیل اکبر تھا یہ تعجب سے دیکھا جائے گا۔ کہ اب سید صاحب اور مولانا شہید کی وہ دھاک بندھی ہوئی تھی کہ ایک صوبہ یا ایک قلعہ فتح کیا اور آس پاس کے کئی قلعے اور بھی فتح ہوتے چلے گئے چترالی کی فتح کیا پائی بیسیوں فدویت نامے امیران وہ کے آنے شروع ہوئے اور سب نے شریعت محمدی کے روشن رستہ پہ چلنے کا عہد واثق کیا۔

مسلمانوں پہ کبھی مولانا صاحب نے خود حملہ نہیں کیا نہ آپ کو ان سے پرخاش تھی بلکہ انکے مقابلہ میں وہ اپنی شقاوت قلبی سے دنیا کے خالی اور معمولی سے لالچ میں آکر مسلمانوں کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہوتے تھے اور انہیں ذرا بھی شرم نہ آتی تھی آپ نے کبھی کسی ضلع یا ریاست کو اپنے قبضہ میں کر کے کچھ جزیہ نہ چاہا نہ ملک کا کوئی حصہ مانگا بلکہ اس کے مقابلہ میں یہ التجا کی جاتی تھی کہ بدعت و شرک سے تائب ہو جاؤ اور دین محمدی کی سوسائٹی کے سچے ممبر بن جاؤ۔ جو راستہ قرآن و حدیث بتاتا ہے اس پر چلو اور اس کے خلاف کو گمراہی تصور کرو۔ بس یہ ہدایت ہوتی تھی اور یہ جزیہ لیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی معاہدہ کر لیا جاتا تھا۔ چوں کہ تم بھائی مسلمان ہو اگر ہمارا سکھوں سے مقابلہ ہوا تو تم ہماری جان و مال سے مدد کرنا۔

دسواں باب

فتح پشاور میں بعض بے اعتدالیاں

پے در پے کی کامیابیوں نے ایک زبردست اثر اضلاع سمہ اور پشاور کے سرداروں پر ڈالا اور دن بدن اکثر ریاستیں خودبخود مطیع ہوتی گئیں جب یہ قوت مسلمانوں کو حاصل ہوئی تو مولانا شہید کے مشورے سے پشاور کی طرف باگیں پھیریں اور ارادہ کیا کہ پشاور کو زیر فرمان شریعت کر کے لاہور پر ایک زبردست حملہ کی تیاری کر دی جائے مولانا شہید کے رعب کی قوت نے کسی کو یارا نہ دیا کہ وہ پشاور کے راستہ میں مزاحم ہوتا آخر آپ بے روک ٹوک حدود پشاور سے گزر کر اس کی چاردیواری کے نیچے پہنچ گئے اس وقت حاکم پشاور دست بستہ حاضر ہوا اور سید صاحب کے ہاتھ پر بڑے جھگڑے اور قیل وقال کے بعد بیعت کی اور ٹھنڈے پیٹوں ملک پشاور سید صاحب کے سپرد کر دیا اور عرض کیا حضور کو اختیار ہے خواہ مجھے اپنی جگہ پر بحال کریں یا اپنا دوسرا خلیفہ مقرر کر دیں اب یہاں اور مملکت کے ایک بہت بڑے ماہر کی ضرورت تھی جب خدا نے اس آسانی سے ملک دے دیا تھا۔ اس کو اسی آسانی سے کھو دینا ایک پولیٹشن کی نگاہ میں وقعت پیدا نہیں کرتا۔

جب لشکر اسلام پشاور میں داخل ہوا ہے تو چاروں طرف سے

مبارک باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور بظاہر ہر شخص خوش وخرم معلوم ہوتا تھا۔ سلطان محمد خاں نے چند ہی روز میں سید صاحب کو کچھ ایسا شیشہ میں اُتار لیا کہ انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ملک پشاور پھر اسی کو تفویض کیا جائے مولانا شہید نے جب سید صاحب کو ایسا آمادہ پایا تو آپ خاموش ہو رہے اور کچھ زبان پر نہ لائے۔ حالانکہ آپ کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ ایسا کیا جائے۔ مگر اپنے امیر کا ادب مانع تھا۔ کہ ان کی آمادگی کے خلاف رائے زنی کی جائے۔ اور جو تصور بندھ گیا اس کی مدد میں سماجت جاہل سے لے کر عالم تک۔ حتیٰ کہ اسی ملک کے اکثر سردار جو سید صاحب کے دل سے معتقد تھے برابر اپنی ناراضگی ظاہر کر رہے تھے بلکہ دو چار نے تو جرأت کر کے سید صاحب کی خدمت میں عرض کردی کہ سلطان محمد خاں حاکم پشاور اور اس کے بھائیوں نے بارہا عہد شکنی کی ہے اور ہمیشہ بیعت کر کے پھر گئے ہیں اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے آپ کبھی اس پر بھروسہ نہ کریں اور اس ملک کو اس کے سپرد نہ دیں مگر سید صاحب نے اپنی نیک نیتی سے کسی کے مشورہ کو نہ مانا اور آخر اسی کو امیر پشاور کر کے آپ پنجتار میں چلے آئے۔

ہاں، انتظام میں جب کچھ تغیر و تبدل ہو گیا قاضی اور تحصیل کرنے والے مقرر ہو گئے اور عام حکم دے دیا گیا کہ شراب افیون بھانڈ وغیرہ کوئی نہ بیچنے پائے شراب کی بھٹیاں توڑ دی گئی تھیں۔ کسبیوں اور خانگیاں ناپید کر دی گئی تھیں۔ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھتا تھا اس کو تعزیر دی جاتی تھی۔ عموماً پنجاب کے باشندے منشی چیزوں کے استعمال کرنے کے

...ادی تھے انہیں یہ قیود سخت قہرناک معلوم ہوئیں مگر ابھی غازیوں کا ...سکہ جما ہوا تھا کوئی چوں تک نہ کر سکتا تھا چہ جائے کہ علانیہ مخالفت کرتا ...پشاور درحقیقت مولانا شہید اور سید صاحب کا رام ہو چکا تھا اور ہر شخص یہی جانتا تھا کہ سلطان محمد ان ہی کی طرف سے حکم رانی کرتا ہے ...احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کئے جاتے تھے سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ ...وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں مگر ان کی سختیاں حد سے زیادہ ...بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے ...نکاح کر لیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں ...زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھ لیا تاہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجاہدین ...میں سب طرح کے آدمی تھے برے بھی اور بھلے بھی اور مثل مشہور ہے کہ ایک ہی مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا تو ان کا یہ کام کہ رانڈ بیوہ کی عادت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو ان کو بدنام کرنے کے لئے کافی تھا۔ کیوں کہ یہاں بڑے بڑے سرداروں میں نکاح ثانی کی رسم نہ تھی اور وہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے یہ مانا کہ نکاح ثانی قرآنی حکم ہے مگر جس ناگوار طریقہ سے وہ پبلک کے آگے پیش کیا گیا تھا۔ وہ ناقابل برداشت تھا۔

ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب

نذر دے رہے ہیں نہیں ہونا چاہئے آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوا[لے]
مجاہد کرتے تھے اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا

ایک ایک چھوٹے ضلع قصبہ گاؤں میں ایک ایک عامل سید صاح[ب]
کی طرف سے مقرر ہوا تھا وہ بے چارا جہانداری کیا خاک کر سکتا ا[لٹے]
سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بے چارے کسانوں پر
جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کر سکتے تھے کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا شادی کر[نا]
سب ان پر حرام ہو گیا تھا نہ کوئی منتظم نہ کوئی داد رس تھا معمولی باتو[ں]
پر کفر کا فتوے ہو جاتا کچھ بات ہی نہ تھا کاش مولٰنا شہید پشاور کے عامل
ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں اس ک[ے]
سب بال کترا دیئے ٹخنوں سے نیچے تہ بند دیکھی ٹخنہ اڑا دیا تمام ملک
پشاور پر آفت چھا رہی تھی انتظام سلطنت ان مسجد کے ملاؤں کے
ہاتھ میں تھا جن کا جلیس سوائے مسجد کے دلو درس کے کبھی کچھ نہ رہا تھا
اور اب ان کو منتظم امور سلطنت بنا دیا گیا تھا اور پھر غضب یہ تھا کہ
ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلےٰ حکام کے آگے پیش
کرے ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا
جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ اور
ترمیم نہیں ہے کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا اس کی گھڑی بھر بھی تحقیق
نہ کی جاتی تھی نہ اس پر غور کیا جاتا تھا بس ملا جی کے سامنے گیا اور انہوں
نے جھپٹ سے فیصلہ دے دیا کون جھک جھک کرے اور کون تحقیق کی

یف برداشت کرے سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں
ر رہی تھیں مگر وہاں اس لئے پرسش نہ ہوتی تھی آپ کو یقین تھا کہ
ریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور
ب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض
وتے ہیں مولانا شہید غور سے اس بے انتظامی کو دیکھ رہے تھے اور
سکتہ میں تھے۔ کہ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہے۔

غرض ایک عام ناراضگی ان نئے منتظموں کی طرف سے تمام ملک پشاور
یں پھیل گئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔
ہم ابھی بہت کچھ رعب کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور رئیسوں پر سکہ جما
ہوا تھا۔ ابھی وہ ان خونخوار سازشوں میں جو منتظموں کے خلاف کی جاتی تھیں
شریک نہ تھے گو ان کے تیور بھی بدلنے لگے تھے پھر بھی ان میں سنجیدہ
سکوت حکمرانی کر رہا تھا۔

بدقسمتی سے ایک نیا گل کھلا گل کیا کھلا گویا نمازیوں یا مجاہدوں کی
زندگی کے شیرازہ کو اس نے پراگندہ کر دیا یہاں کے کل عمال نے جن کی
تعداد ہزار سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی ایک فتویٰ مرتب کیا تھا اور اسے
پوشیدہ مولوی اسمٰعیل کی خدمت میں بھیج دیا فتوے کا مضمون یہ تھا
کہ بیوہ کا نکاح ثانی ضروری ہے یا نہیں مولانا شہید واقف نہ تھے کہ ملک
میں یہ آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت اس فتوے کی اشاعت سخت
غضب ناک ہوگی آپ نے سادگی سے اس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب

کی بھی اس پر مہر ہو گی اور پھر وہ فتوے قاضی شہر پشاور مظہر علی صاحب کو بھیج دیا گیا۔ انھوں نے اس فتوے کی اشاعت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضرور ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں رانڈ رہ گئی تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی

اس اعلان کا شائع ہونا تھا تمام ملک پشاور مجاہدین کے خلاف شمشیر بدست ہو گیا بہت دھوم دھام سے سازشیں ہونے لگیں اور ایک عام کہرام تمام ملک پشاور میں مچ گیا۔ بڑے بڑے خوانین جو اپنی رانڈ لڑکیوں کا نکاح ثانی کرنا سخت عیب خیال کرتے تھے بڑے برفروختہ ہوئے اور انھوں نے باہم یہ مشورہ کیا کہ تین دن کی مدت میں ان کو یہیں تہ تیغ کر ڈالو۔ مجاہدین نے بھی آخر وقت میں جا کر جب سب سامان ہو چکا تھا ان کے تیور پہچانے اور اب وہ خائفانہ سید صاحب کو لکھنے لگے کہ یہاں یہ کیفیت نظر آتی ہے سید صاحب کچھ ایسے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے کچھ بھی خیال نہ کیا نہ مخبروں کی خبر پر کچھ توجہ کی جو ہمیشہ یہ پرچہ گزار رہے تھے کہ آپ جلد فوج لے کر اس طرف روانہ ہوں ورنہ خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔

سید صاحب ان کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی شہر مولوی سید مظہر علی صاحب جو اس آتش فشاں فتوے کے بانی زبانی اور اشاعت دہندہ تھے اور جنہیں سید صاحب نے بڑے اعتبار اور

بھروسہ سے مقرر کیا تھا سلطان محمد گورنر پشاور کے دربار میں معہ ساتھیوں کے بلائے گئے اور وزراء ان کا سر قلم کیا گیا اور عام حکم دے دیا کہ ایک ایک مجاہد قتل کیا جائے۔ ساری رات میں کل مجاہدوں کی جو بطور منتظم مختلف حصص میں متعین تھے گردنیں اڑا دی گئیں اور نہایت بے کسی کی حالت میں ان میں سے اکثر سڑکوں پر بکروں کی طرح لٹا کر ذبح کیے گئے یہ خونی خبر وحشت ناک آگ کی طرح پنجتار میں سید صاحب کے گوش حقیقت نیوش میں بھی پہنچی آپ نے یہ خبر گوش گزار تنہا کر خون کے آنسو روئے اور ایسا صدمہ ہوا کہ کل ارادے پست ہو گئے اور ایسی مایوسی ہوئی کہ انتقام کی بھی ہمت نہ رہی پیارے شہید کا دل سب سے زیادہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ سخت حیرانی کی بھری ہوئی نظروں سے چاروں طرف تکنے لگے اب کیا تھا کمر ٹوٹ چکی تھی اور پاؤں کے نیچے سے زمین نکل چکی تھی ظاہر تھا کہ کئی برس خون پسینہ ایک کر کے ملک پنجاب کے بڑے حصہ پر سکہ بٹھایا تھا اور وہ آناً فاناً میں یوں خیر باد ہو گیا کہ کثیر تعداد اور مجاہدین کا مارا جانا بھی لہر ناک تھا۔ اور پشاور کا ملک چھن جانا تو سب سے ہی زیادہ خونی اثر پیدا کرنے والا تھا۔ ان تمام ناگفتہ بہ غضب ناک صورتوں نے مولانا شہید کو بٹھا دیا اور اس شیر کو بھی اولوالعزمی نہ رہی کہ وہ اپنے دوستوں کا عوض لیتا۔ اب اس نے اپنی شکستہ دلی اور سخت مایوسی کی حالت میں اپنے کو بالکلیہ اپنے امیر کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ یہ چاہیں کریں ان کے سامنے کوئی بات سوچنا اور مشورہ دینے کا کام نہیں ہے سید صاحب مولانا شہید سے بھی زیادہ

شکستہ خاطر تھے آپ نے یہی بہتر جانا کہ اس ملک پنجاب کو چھوڑ دینا چاہیئے ہر چند لوگوں نے سمجھایا مگر آپ نے نہ مانا اور کہا جہاں میرا خدا لے جائیگا چلا جاؤنگا ۔

جب آپ پنجاب سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کی تیاری کر رہے تھے تو روانہ ہونے سے دو دن پہلے جمعہ کے دن اپنے کل ساتھیوں کو باواز بلند اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا اور یہ بھی اذن دے دیا جو شخص اپنے وطن جانا چاہتا ہے بخوشی جائے میں ناراض نہیں ہوں میرے ساتھ وہی رہ سکتا ہے جسے تین تین وقت کے فاقے برداشت کرنا اور برہنہ پا جنگلوں میں پھرنا گوارا ہو بعض یہ سن کر تو رخصت لے کر چلے آئے اور اکثروں نے یک زبان ہو کر کہا ع

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہو

ملک سمہ والوں نے ناقابل بیان مظالم مجاہدین پر توڑے تھے ۔ اور سخت کمینہ پن سے انہیں فریب دے دے کر ضائع کیا تھا ایک شخص نے جب قافلہ مجاہدین ہجرت کر رہا تھا مولانا شہید سے کہا کہ سمہ والوں سے تو اپنے ساتھیوں کا انتقام لو انہوں نے سب سے زیادہ عہد شکنی کی اور ظلم توڑے ہیں ۔ آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا خدا منتقم حقیقی کافی ہے یہ دعائی جملہ بارگاہ ایزدی میں قبول ہو گیا آپ کو ملک سمہ چھوڑے ہوئے دو تین دن ہی گزرے ہوں گے کہ خالصہ فوج ساکنان سمہ پر آ پڑی اور دیسیوں کی ایسی خونریزی کی جس کی نظیر اس ملک کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی ۔ اہل سمہ کے گھر جلا دیئے اور سکھوں کی جس تلوار نے ماؤں کو قتل کیا ان ہی تلواروں نے بچے بھی قتل کئے ۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اچھال اچھال کر تلواروں

سے چورنگ اڑا دیئے گئے گھر کھیت سب جلا کر سب خاکستر کر دیئے گئے جب اس قدر خونریزی ہوئی تو سمہ کے باشندے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا کے لئے چلیئے اور ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیئے اب ہم آپ سے بغاوت اور عہد شکنی نہ کریں گے مولانا شہید بھی اس وقت موجود تھے آپ نے سید صاحب کی اجازت سے جواب دیا "خدا ہی اپنی حکمت خوب جانتا ہے۔ تمہاری یہی سزا ہے تم نے ہم سے دغا کیا اور بے گناہ مسلمانوں کا خون کیا سکھوں نے اس کی تادیب تمہیں پوری دی اور اسی کے تم لائق تھے۔ اب تم جاؤ اور اپنے کام میں لگو" یہ سن کر وہ چلے گئے اور سید صاحب راج دواری (ملک کاغان) میں جا کر مقیم ہوئے آگے جانے کے راستے برف باری سے بند ہو گئے تھے مجبوراً سید صاحب کو وہیں قیام کرنا پڑا کچھ کچے پکے مکانات بھی تیار ہو گئے اور مہاجر بآرام اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

ناظر جب مولانا شہید کی بے مثال امنگ اور اولوالعزمی کو دیکھے گا اور بعد ازاں اس کا نتیجہ ملاحظہ کرے گا تو اسے پیارے شہید کی زبردست طبیعت کا نقشہ بخوبی معلوم ہو جائے گا اور وہ یہ سمجھ لے گا کہ دنیا میں جتنے حکمران شمشیر زن یا مصلح ہوئے ہیں وہ سب ایسی طبیعت اور بے نظیر لیاقت کے ہوئے ہیں۔ جس کی مایوسی اور ناکامی کامیابی کے مساوی تھی اور جس نے کسی کام میں فیل ہونے پر افسوس نہیں کیا اور ہمیشہ اپنا کامل بھروسہ خداوند حقیقی پر رکھا وہ پیارا شہید تھا جس نے ہندوستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب

نجدی کی طرح شریعت محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا اور ان کی قابل تنفر عادتوں اور رسوم کو ایسا مٹادیا کہ آئندہ پھر کبھی ان کی اولاد اس طرف متوجہ نہ ہوگی ایسا شیر ایسا دلیر ایسا مصلح ایسا اپنی کوششوں میں کامیاب اب اس خطہ سے ہجرت کر رہا ہے جس میں اس نے توحید کا بیج بویا ہے اور جس نے سکھوں کے قابل انتقام مظالم سے نجات دلانے کا بیڑہ اٹھایا تھا اور جس کا بہت سا حصہ سخت خونریزی کے بعد صاف کر دیا تھا اور اب اپنے بوڑھے پیر کی ماتحتی اور اطاعت میں سرنگوں آنکھیں نیچی کئے ہوئے خاموشانہ حالت میں چلا آتا ہے اور کچھ نہیں کہتا مگر اس کی باطنی نظریں پنجاب کے نامکمل خطہ کی طرف پڑ رہی ہیں جسے وہ ادھورا چھوڑ کر جاتا ہے اور جتنی کوشش کی تھی اس کا پھل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے گا۔

ابھی چند روز کا عرصہ ہوا تھا کہ تمام پشاور میں بجز چند حصوں کے دین محمدی کی اشاعت ہوگئی تھی اور سب نے باتفاق عہد کر لیا تھا کہ آئندہ سے قرآن و حدیث پر عمل کیا جائے گا اور ہونے بھی لگا تھا مگر ان بے اعتدالیوں کی کسے خبر تھی۔ جو بعض حکام سے ملکیوں پر ہوئیں حالاں کہ وہ شہری انتظام کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور مولانا شہید کی ساری کوشش یک لخت بیکار جائے گی گو اس کوشش کا روحانی اثر ملکیوں پر تو سب کچھ رہا اور آئندہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا ہوتا رہے گا۔ مگر ملکی اثر کچھ نہ رہا سوا اس کے کہ ایک ویران ملک میں ان کا کچھ بقیہ نظر آتا ہے۔

روحانی اثر جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ابھی تک پشاور کے کسی

نہ کسی ضلع میں دکھائی دیتا ہے جتنے پکے مسلمان ہیں بدعت و شرک گور پرستی تعزیہ پرستی نہیں کرتے اور اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کا شاہد قرآن ہے ورنہ پشاور میں تو کوسوں بھی نظر نہ آتا تھا کہ ایک شخص اللہ کا نام لیتا ہوا سنائی دیتا ہو سوائے غوث اور قطب کے ان کا کوئی خدا ہی نہ تھا

حقیقت میں یہ صحیح ہے کہ ناتجربہ کاروں کی ہمراہی ایک مدبر اعلیٰ کی لائق تدابیر کو بدنما لباس پہنا دیتی ہے جو کچھ بیارے شہید نے کیا اس کے کاموں کا بہت سا حصہ ہر عیب و خطا سے پاک ہے۔

ایک یورپین[1] مورخ اس افسوس ناک واقعہ کی نسبت یہ تحریر کرتا ہے کہ سید احمد صاحب نے یہ ضرورت سمجھی کہ وہ اپنے ہندوستانی پیروان کو اپنے فضل و کرم سے نہال کر دیں جن پر ان کا کامل بھروسہ تھا پہلے آپ نے اپنے کو سرحدی لوگوں سے دہ یکی (عشر) لینے میں محدود کیا اس امر کو انہوں نے خفیف اکراہ سے برداشت کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے وہ یکی (عشر) نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے لی جاتی ہے مگر جب سید صاحب کے پیروان دہ یکی سے گزر کر زیادہ لینے لگے تو سرحدی لوگ سخت برہم ہوئے اور جس کا نتیجہ سید صاحب کے لئے بہتر نہیں ہوا سید صاحب کا مزاج صلح کل حاکمانہ امتزاجی عنصر اپنے میں بہت کم رکھتا تھا بلکہ اس میں سخت تعصب اور فتنہ انگیزی (استغفر اللہ) آمیز ہو رہی تھی جس نے اس حیرت انگیز اثر کو جو سرحدی لوگوں پر ہوا تھا آناً فاناً میں ملیامیٹ کر دیا جب آپ کو معلوم ہوا کہ میری قوت زوال پذیر ہو رہی ہے۔ آپ

---

[1] دی انڈین مسلمان مصنفہ ہنٹر صفحہ ۱۸۰۱۔ یہ انگریز اسلامی دنیا کا متعصب ہے۔

نے اور بھی زیادہ سرحدی لوگوں پر سختی کی اور ان کے ساتھ سخت
ناانسانیت کا برتاؤ کیا جس نے سرحدیوں کی اس بے نظیر محبت کی دوشیزہ
نازک لڑکی کو مجروح کیا۔ جس نے ان پر غضب کا عجیب افسوں پھونکا
تھا۔ آپ نے پہاڑی آدمیوں کی شادی بیاہ کی رسوم میں دست اندازی
کی جو اپنی لڑکیاں بڑے بڑے امیروں کو پیسے کے لالچ میں بیاہ دیتے تھے
یا یہ کہو کہ ان کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تھے اور چوں کہ آپ کے ساتھی
غریب الوطن تھے اور اب انہیں جوروؤں کی بھی خواہش تھی تو آپ نے ایک فرمان
جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹیننٹ کی خدمت
میں مجاہدین کے لئے حاضر کی جائیں گی اگر ان کی شادی ۱۲ دن میں نہ کر
دی گئی۔ قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی اور اس نے ہندوستانی
آدمیوں کو قتل کر ڈالا سید صاحب بڑی وقت سے اپنی جان بچا کر بھاگے

یہ بیان ایک یورپین مورخ کا ہے میں ان الفاظ کی تائید نہیں کرتا
جو اس کے سید صاحب کی نسبت لکھے ہیں نہ مجھے اس کا پتہ لگا ہے آیا یہ
اعلان سید صاحب نے جاری کیا تھا اس کی بابت جو کچھ میں اپنے
گزشتہ صفحوں میں لکھ آیا ہوں درحقیقت وہی بات ٹھیک ہے اور
اس میں ذرا بھی تفاوت نہیں ہے گو بعض ہمارے ہمعصر سوانح نویسوں
نے اس کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا ہے اور سوئے ادبی کے خیال نے انہیں
دیانت داری سے باز رکھا مگر ہم نے اپنی ایمانداری سے جو واقعات ہمیں
پہنچے انہیں بے کم و کاست یہاں درج کر دیا۔

بار بار زیادہ افسوس اس بات کا آتا ہے کہ وہی مثل یہاں صادق آتی ہے کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا مولانا شہید نے تو اس محنت اور جانکاہی سے ملک پنجاب کے اتنے بڑے حصہ کو مسلمانوں کے لئے صاف کر دیا تھا اور ناتجربہ کاروں کی چند بے اعتدالیوں سے اپنی جانیں بھی کھوئیں اور مفتوحہ ملک بھی چھنوا دیا ایسا کہ تسمہ تک لگا ہوا نہ چھوڑا دہ عظیم الشان بہادر جس نے رنجیت سنگھ جیسے شیر پنجاب کے خونخوار پنجوں سے اتنا بڑا ملک آزاد کرا لیا تھا بے سمجھ لاڑوں نے اس آسانی سے اپنی جانوں کے ساتھ اسے بھی کھو دیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم بہار آخر شد

گیارھواں باب

شہادت

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

دنیا کی ناپائیداری کا الم ناک اور دل بجھا دینے والا خیال عجیب و غریب قوت سے تمام جہان میں پھیل رہا ہے اور ہر شخص خواہ فاضل ہو یا جاہل خود بخود اس عظیم الشان تغیر و تبدل سے جو روزمرہ اس کی آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے دنیا کی بے ثباتی کا استنباط کرکے ادراک کرتا ہے کہ جو کچھ میں نے کیا یا آئندہ جو کچھ کرونگا چند روز میں اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اور پھر صفحہ ہستی پر شمہ برابر بھی نہیں رہنے کا وہ خیال کرتا ہے۔ ہزاروں شہنشاہ ہو گئے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کہاں تھے اور کہاں چلے گئے " دبے ہیں زیر زمیں ہول ہاں کچھ بھی نہیں " یہ فانی خیالات اس کے دل کو بجھا دیتے ہیں اور پھر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کسی گوشہ میں عزلت گزینی اختیار کرتا ہے اور اس متبذل حالت میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ اس کی بڑی بھاری غلطی ہے دنیا ناپائیدار ہے مگر انسان ایک دائمی چیز کا نام ہے یہ مانا کہ ذات باری کے آگے اس کو مداومت کا درجہ حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ اس تمام کائنات سے زیادہ دیر تک قائم رہنے والا ہے مگر یہ ان پاک برتر نفوس کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی عمل سی جانیں اصلاح بنی نوع اور بہبودی خلائق کے لئے قربان کر دیں

اور اپنا تن من دھن قوم پر قربان کر دیا گو وہ ایک مقرر مدت کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ مگر در حقیقت وہ مٹتے نہیں ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے ان کی سچی زندگی زیادہ بڑھتی جاتی ہے یہ کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ آفتاب اور سیارے تو لاکھوں برس سے قائم ہیں اور ابھی ان کی زندگی کی کوئی حد نہیں مگر انسان جو ان سے اشرف اور اعلیٰ ہے چند روز میں فنا ہو جائے اور پھر اس کا نام و نشان تک مٹ جائے یہ خیال یا عقیدہ جس قدر رکیک اور خام ہے اسی قدر انسان کے لئے ایسا خیال کرنا خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے۔

مولنا شاہ اسمٰعیل صاحب گو ہماری ظاہری آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے مگر وہ اب بھی ہم میں موجود ہیں ہم بعض وقت اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں مگر ان کا تصور نہیں جاتا اور ہر دم اپنے سچے محسن کی یادگار رہتی ہے جو نمایاں کام مولنا شہید نے کئے وہ معمولی نظروں سے دیکھنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ گہری اور عمیق تر نگاہیں جب تک ان معاملات میں نہ پہنچائی جائیں گی کبھی ان کا اصلی رتبہ اور سچا ارتفاع نہیں کھلے گا۔

جب پشاور میں لالوں کی بعض بے اعتدالیوں نے غضب ڈھایا ہے اور سید صاحب کو ان لوگوں سے نفرت ہو گئی اس وقت پیارے شہید کے دل کی جو کیفیت تھی وہ وہی شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس پر ایک ہزارواں حصہ بھی ایسی مایوسانہ حالت کا گزر چکا ہے کس شدت سے جس حصہ پنجاب کو سکھوں کے ہاتھ سے لیا تھا وہ چند نااہلوں کی وجہ سے آنا

آنکھاناہیں ہاتھ سے نکل گیا وہ امیدیں جو پشاور فتح ہونے کے بعد طبیعت ہیں ندرت مآب دنوں کا جامہ پہن کر اٹھ رہی تھیں ایک خونریز دور سے سب کا خاتمہ ہو گیا ایسی قاتل اور فنا کر دینے والی حالت میں کسی معمولی انسان کا زہرہ ہے کہ وہ ایک سیکنڈ بھی زندہ رہ سکے اور اس کا پتہ پانی ہو کر نہ بہ جائے۔

مگر یہ اسمٰعیل ہی کا دم تھا کہ اس نے بمقتضائے فطرت بشری حسرت بھری نگاہوں سے تو اس واقعہ جانکاہ کو دیکھا اور ایک سرد آہ کھینچی مگر وہ صبر سے خاموش ہو رہا اور اپنے امیر کی متابعت میں اسی طرح سرگرم پرجوش بن گیا گو فطرت کے ہنروں کا کامل نمونہ تھا مگر زمانہ نے اسے لمحہ کی لمحہ اپنی آنکھوں پر بٹھانے سے انکار کیا اور آخراب وہ زمانہ آیا کہ وہی زمانہ جس نے انکار کیا تھا۔ اب آنکھوں پر بٹھاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کے نام سے میں ہمیشہ کے لئے مستفیض کیا جاؤں۔

پشاور کا ہاتھ سے نکلنا تھا اور سید صاحب کے گروہ کا خاتمہ ہو جانا تھا جب آپ بالاکوٹ تشریف لے جا رہے تھے رنجیت سنگھ والئی لاہور نے یہ موقع غنیمت جان کر شیر سنگھ کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج سکھوں کی روانہ کی کہ پہاڑوں ہی میں ان کا فیصلہ کر دے اور ایک خونریز میدان کے بعد مجاہدین کی قسمتوں اور کوششوں کو انجام پر پہنچا دے۔

آپ بالاکوٹ پہنچے تھے کہ پیچھے سے سکھوں کا لشکر بھی آدھمکا جو راستہ کہ سید صاحب نے اختیار کیا تھا وہ حد سے زیادہ تنگ تھا ایک

توپ بھی نہیں جا سکتی تھی دو آدمی برابر نہیں نکل سکتے تھے جب سکھوں کے
حملہ کی خبر ہوئی تو مولانا شہید نے پہاڑوں پر چڑھ کر دو تین مورچے بنائے
اور ہر مورچہ پر قلیل تعداد آدمیوں کی مقرر کر دی آپ نے ایک مسجد کے
غرب رویہ مکان میں اپنا مورچہ بنا لیا تھا کل تعداد مسلمانوں کی نو سو سے زیادہ
نہ تھی اور پھر لطف یہ کہ سوائے توڑے دار بندوقوں کے توپ ایک
بھی نہ تھی جو توپیں کہ آپ پنجتار سے لائے تھے وہ راستہ کی تنگی کی وجہ
سے امرائے وہ کو دیتے آئے تھے یا ان کے پاس امانتاً رکھ دی تھیں اب
صرف تلواریں اور بندوقیں رہ گئی تھیں پھر یہ ممکن کیوں کر ہو سکتا ہے کہ بیس
ہزار فوج سے یہ آٹھ نو سو آدمی مقابلہ کر سکتے اور مخالفین کی آتش فشاں
توپوں کا جواب دیتے۔

مولانا شہید سمجھ گئے تھے کہ بس یہ آخری میدان ہے جہاں تک
ہو سکے جان توڑ کر لڑیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیں
پہاڑی غدار قومیں روپیہ کے لالچ سے مسلمان ہو کر سکھوں سے گٹھ گئیں
اور انہوں نے رستہ ہی دینے پر قناعت نہ کی بلکہ سید صاحب کے ضعف
کی کیفیت بھی ساری بیان کر دی اب وہ وقت آ لگا کہ جانباز بہادر اپنی
اصلی شجاعت کا جوہر دکھا کر سکھوں کے مقابلہ میں جوانمردی سے شہید
ہوئے تھوڑی مدد کے ناصدر پر سکھوں نے اپنی مورچہ بندی کی اور اب
گولہ اندازی شروع ہوئی گولوں کا جواب گولیاں کسی حالت میں ممکن نہیں
ہو سکتا کئی گھنٹے تک مولانا شہید نے یہ غیر نتیجہ کوشش کی مگر جب آپ

نے بندوقوں کے بیز کرنے فضول دیکھے تو مورچہ پر دو تین آدمی چھوڑ نشیب میں ہو کر سکھوں کے مورچہ کی پشت پر جا پہنچے اور جوں ہی للکار کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا سکھ پریشان ہو کر اور مورچہ چھوڑ کر بھاگے چار توپیں مولنا شہید کے ہاتھ میں آئیں آدمی سو سے زیادہ نہ تھے پھر بھی توپوں نے ہمت بندھا دی اور اب آپ شیر ببر کی طرح سکھوں کے لشکر کی طرف جھپٹے بدقسمتی سے جب آپ حملہ کر رہے تھے ایک مسلمان نے پکار کر کہا اسمٰعیل دوڑو سید صاحب کی نازک حالت ہے سکھوں نے گھیر لیا ہے یہ سننا تھا کہ آپ بے تاب ہو گئے اور سید صاحب کا رخ کیا یہاں حقیقت میں اگر مولانا شہید بہت جلد اپنے کو نہ پہنچا دیتے تو سید صاحب کی جان خطرہ میں پڑ چکی تھی۔

خدا خدا کر کے سید صاحب کی جان بچی ہاں وہ مورچے جو مولانا شہید نے قائم کئے تھے ان پر سکھوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ بپھرا ہوا شیر کبھی ادھر جاتا تھا اور کبھی ادھر جاتا تھا جس طرف رخ کیا غل مچ جاتا تھا بھاگو اسمٰعیل آیا ہے رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے۔ اسمٰعیل کو زندہ پکڑ کر لانا شیر سنگھ نے ہر چند کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ شیر ببر اور وہ بھی بپھرا ہوا شیر زندہ گرفتار ہو سکتا استغفر اللہ اس کے نام میں وہ اثر تھا کہ سپاہیوں کے ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑتے تھے پھر اس کو زندہ کیوں کر پکڑ سکتے تھے مختصر یہ کہ سخت خونریزی ہوئی اور بہادر اسمٰعیل جس طرح جان توڑ توڑ کر لڑا ہے وہ حالات

زیادہ داد دینے کے قابل ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس خونریز معرکہ کا بیان نظم میں بہت مختصر طور پر کیا جائے جس سے ناظر سوانح کو کافی طور پر دلچسپی ہو۔

دم صبح چو بانگ بزد خروس — بنالید شہناو غرید کوس
دو لشکر رواں گشت زانسو بمیغ — بسر خود آہن بکف تیز تیغ
شہید جوانمرد روز نبرد — بگر بست آہنگ پیکار کرد
چو بیزر بانجم کشد تیغ روز — در آمد جواں بارخ دل فروز
در آمد بمیدان جواناں دلیر — بہ نخجیر صد گور خر رفت شیر
خرامید مورے پے جنگ فیل — رواں گشت موجے بدریائے نیل
بجنگ اندر آمد اسد سر فروش — بہ کتفش سپر تیغ ہندی بدوش
بہ بر خود در بر زرہ ، بر زرہ — بدستش کمندے گرہ بر گرہ
سمندش چو طاؤس باغ ارم — کمندش چو زلف پری خم بخم
ز سر تا بپا بود پولاد پوش — زرہ در بر و تیغ ہندی بدوش
بجنگاہ آمد چو فیل دماں — بچالش در آمد چو شیر ژیاں
بمیداں صف آراستہ شیر ننگ — بہ پشت بیوے دخو نخوار جنگ
سواراں سکھاں جواناں فوج — در آمد بسوئے جواں موج موج
دو لشکر دو سو صف بر آراستند — پے عزم کین ہر دو برخاستند
سواراں جنگی تہمتن تواں — بہ پشت سمنداں چابک عناں
بیک حملہ مرد نبرد آزما — دو صف صاف کردہ ز تیغ قضا

تلاطم درآمد بفوج سکھاں! — کہ چوں دید آں تیغ شیر ژیاں
چناں راند شمشیر خارا شگاف — کہ لعلے برآوردہ از کوہ قاف
رمیدہ ز باران توپ و تفنگ — ز صحرا پلنگ و ز دریا نہنگ
شہید جواں مرد با صد سوار — ہمیں بود در سایہ کردگار
ہمہ کارداں و ہمہ پیر شناس — چو ایمان خود جملہ محکم اساس
ہمہ نوجواناں ماہوت پوش — بخاکسترے جامہ آتش فروش
بدشمن کشی جملہ صاحب شکوہ — پر از کژدم و مار مانند کوہ
براہ شکاراں ہمہ درع پوش — چو صیاد پیوستہ دامے بدوش
بطرز فسوں پیشگاں وقت کار — بیکدست مہرہ بیکدست مار
گہے مہرہ از کید بیروں نہند — گہے مار را بر ہوا سر دہند
شہید دلاوراں رستخیز — دماغ از شہادت دل از پرستیز
بہر پایہ مومناں را گذاشت — بہر مورچہ افسرے را گذاشت
بہر افسرے اژدہا پیکرے — بہر اژدہا پیکرے لشکرے
بہر سوئے آں کندہ توپے بزرگ — چو بالائے چاہ اژدہا سترگ
چناں توپ ہا چنیں تاب و تب — بگردوں گروندہ راس و ذنب
ازابہ چو پیلے و آں پائے پیل — بخرطوم پیلے ببالائے پیل
تو گوئی کہ در لیٹے دوزخ تمام — شدہ باز بر عاصیاں صبح و شام
سکھاں ہم از اں سوئے با افضل — برآراستہ لشکرے از یلاں
بے افسراں دگر بے شمار — ز صد تا دو صد تا ہزاراں ہزار

جہان بان دشکر جہاں در جہاں — عناں در عناں و سناں در سناں

ہمہ نیزہ بازاں گردن فراز — بہ بہرام خونخوار سرگرم راز

بنوک سناں در فلک رخنہ گر — بہ تیر و کماں بر ہوا جاں شکر

بہ تیر و سناں جملہ شیر اوژناں — چو شیراں پر حملہ در نیستاں

برآوردہ از توپہا پیش روئے — یکے آہنیں بارہ از چار سوئے

دہن کردہ وا توپ ہا ہمچو غاز — کہ اژدرے بر آیند افعی و مار

تو گوئی نہنگاں دریائے شور — گرفتند بر و ند آعجب بزور

کہ گوید کہ توپ افعی خفتہ است — کہ ایں فتنہ را اژدہا گفتہ است

زنند آتش ایں اژدہا پیکراں — بسوزند چوں کاہ کوہ گراں

دلہا چو مار و چو سوراخ مار — درو مہرہ چوں کژدم نیش دار

اشارت چنیں شد بہ سکھی سپاہ — کہ حملہ کنند بر اسمٰعیل شاہ

قدم بر قدم بر بہ یک بکف — کمر در کمر کش بکش صف بصف

بہر ترکتازے شلنگے زوند — بہر جست و خیزے تفنگے زوند

نماندہ کسے یک قدم پیش و پس — ہمہ ہمرہ و ہمتنگ و ہم نفس

چناں گشتہ از ہر طرف گرم فیر — کہ دست از عناں رفتہ یا از غیر

نکردند در حملہ یک دم درنگ — اسمٰعیل زد بانگ و اسپ تفنگ

گہے خفتہ بر خاک مانند مار — گہے رہ گہر انند چوں مو شمار

گہے راست گہ خم چہ برنا چہ پیر — گہے چوں کماں گاہ مانند تیر

گہے حلقہ مانند مارے شدہ — گہے گرد ہمچو حصارے شدہ

کفل بر کفل گاہ باہم چو گور پے ہمرواں گاہ مانند مور

دو صد تیز کردند بر یک نفیر بر آوردہ بم را با آہنگ زیر

ازیں سوئے مسلمان طاعت گزار بکار خداوند سرگرم کار

وضو کردہ ہر یک بخوناب خویش بشوق سجودے سر افگندہ پیش

نمازے بخون جا بجا ساختہ دل از مہر و آزرم پرداختہ

گہے در رکوع و گہے در سجود گہے در قیام و گہے در قعود

یکے گرم سعی و یکے در طواف یکے فدیہ گردیدہ خود در مصاف

شمردند محراب شمشیر را رساندند بر عرش تکبیر را

بہ پیکار کارے کہ تکبیر کرد نہ شمشیر مے کرد نے تیز کرد

روا رو در افتاد در این و آں یکے در سفر شد یکے در جناں

پس توپ مے رفت ہر یک دلیر کہ روبہ چو باشد بدنبال شیر

عناں بر عناں و کفل بر کفل سناں بر سناں درفل بر رفل

رفل کردہ خالے و پر دم بدم چو اہل کرم کیسہ پر درم

بدیں سیم در راہ پیش مے تاختند بہر داد صد بہرہ مے باختند

قضا اگر کسے را ز پا مے نشاند قدر دیگرے را بجالش رساند

فلک بانگ بر زد کہ ہاں بیشتر سپہ بیشتر مے شد و بیشتر

تماشا شد کماں و تندر گشتہ تیز زمیں گفت بالا فلک گفت زیر

گہے بر صف راست و میسر گریز گہے جانب چپ دویدے کہ سیر

گہے بر پیاں بانگ بر زد کہ بس گہے بر صف پیش راندے کہ پس

گر آمد بہ سید دلاسا نمود — عیار ہنر آشکارا نمود

گہے بر صف ژندہ پیلاں دلیر — شدے حملہ آور چو بر گلہ شیر

چناں بد سمٰعیل با تیغ و ترگ — بد اندیش را کردہ دعوت بمرگ

سوارے ز سکھے سپہ شد پدید — چو مغلوب نزدیک غالب رسید

یکے نیزہ وے داشت غالب بثبت — سنانش سپر و بہ آمد ز پشت

چناں بر ہوا ایشں ربود از سمند — کہ فغاں ز سکھی سپاہ شد بلند

دو لشکر در آمیخت چوں نار و نور — دو دریا یکے شد چہ شیریں چہ شور

بہر لطمہ طوفانے انگیختند — بہر لمحہ برقے ہمیں ریختند

شدہ برہم از بسکہ میدان کیں — یمیں گشت الیسر شد الیسر یمیں

زبس تیر و ناچخ و مادم زدند — چو مژگاں چہ صفہا کہ برہم زدند

نہ از توپ بیمے دمے نے ز تفنگ — نہ از اژدہا ترس دے نے از پلنگ

نہ ہر مور چالے گزشتہ چناں — کہ از ہفت خواں رستم داستاں

چو بر قلب سکھاں در آمد شکست — بہ بیکار ساقہ کشادند دست

یکے ساعقہ سر ز ساقہ کشید — بسباق سماعیل شاہ در رسید

درآمد سپہبد ز بالائے زیں — تو گوئی فتاد آسماں بر زمیں

دریغ آں نکو روئے تاباں چو ماہ — کہ بازش ندیداں خردمند شاہ

دریغ آں ہبردہ گراں مایہ گرد — کہ نادیدہ بازاں پدر را ببرد

دریغ آں شہ[1] پہ در دیدہ نیاز — شدہ روی ارباب نادیدہ باز

سرانجام کارش بکشتند زار — بداں گرم خاکش فگندند[2] خوار

---

۱ مراد شاہ عبد العزیز صاحب ۲ مراد مولوی ہندی جو پشاور میں قاضی اور عمال مقرر کیے۔

دریغ آں نبردہ سوار دلیر | کنارش ندید آں خردمند پیر
دریغ آں سوار گراں مایہ شیر | کہ افگندہ شد رائگاں خیرہ خیر
کہ ہمچو پدر بود ہمت ہائے او | دریغ آں نکو روی بالائی او
چو کشتہ شد آں خوب چہرہ سوار | ز گردان بگردش ہزاراں ہزار
بہر گوشہ بر ہم آویختند | ز روی زمیں گرد انگیختند
زمینہا پر از خستہ و کشتہ شد | سراپردہ ہا نیز بربستہ شد
در و دشت ہا شد ہمہ لالہ گوں | بدشت و بیاباں ہمی رفت خوں

افسوس ہے ایسا دلیر اور بہادر ایسا لاثانی شجاع ایسا عظیم الشان مصلح ایسی مایوسی اور بے بسی کی حالت میں شہید ہوا مگر یہ وہ شہادت تھی جس کے خونی نقوش زمانہ کی پیشانی پر اب تک چمک دے رہے ہیں اور جب تک زمانہ قائم ہے یہ سرخ رنگ نقوش کبھی مٹ نہیں سکتے بے اختیار زبان سے یہ ماتمی اشعار نکلتے ہیں۔

اے دل بگیر ز غم حوادث فگار شو | اے از تراوش دل اشکبار شو
اے خون بدیدہ در دگر از جگر گذشت | اے دم بسینہ دود چراغ مزار شو
اے لب بنوحہ نالہ جانکاہ ساز دہ | اے سر بعتبہ خاک سر رہگذار شو
اے خاک چرخ گر نتواں نہ زجا درشو | اے چرخ خاک گر نتواں شد غبار شو
اے نوبہار چوں تن بسمل بخوں بغلط | اے روزگار چوں شب ماہ تار شو
اے ماہتاب روی بسیلی کبود کن | اے آفتاب داغ دل روزگار شو
اے فتنہ باد صبح وزید ایں قدر مخسپ | اے رستخیز وقت رسید آشکار شو

آہ ایں چہ سیل بود کہ مارا ز سر گزشت   تنہا ز سر گو کہ ز دیوار و در گزشت

سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ سید صاحب بھی اسی میدان کارزار میں شہید ہوئے گو آپ کے بعض متعلقین پر خدا کی شان سے آنچ تک نہیں آئی پھر بھی وہ فضلا اس میدان میں کام آئے کہ ہندوستان کی اپنے علم وفضل کے لحاظ سے جان تھے ہرچند مولانا شہید نے چاہا کہ سید صاحب کو بچالوں اور اپنی جان ان پر قربان کردوں مگر ممکن نہ ہوا باہمی جدائی کی گھڑی آن لگی تھی اور لسے کوئی ٹالنے والا نہ تھا۔ یہ جانکاہ واقعہ بماہ مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا (خاص بالاکوٹ میں)

جو لوگ بچے تھے دریائے انڈس سے عبور کر کے ستھانہ میں جا گزیں ہوئے رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں اپنی ایک بستی بسائی اور پہاڑوں کو بھی اپنا مرید بنالیا جو اب تک سوات وغیرہ میں دیکھے جاتے ہیں۔

بارھواں باب

محمد بن عبدالوہاب عیینی (نجدی) اور مولانا شہید دہلوی کے متعلق بعض یورپین کی رائے

محمد بن عبدالوہاب جس نے دوبارہ مکہ اور مدینہ کو اسلامی شریعت کی پابندی کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا سا بنانا چاہا اور آخر میں اپنی خونریز کوششوں میں کامیاب ہو کر اسلامی احکام کا پابند ہونے کے لیئے ہر شخص کو اور دل مجبور کیا گیا تھا ملکی معاملات میں خواہ وہ کیسا ہی ضعیف العقل ہو اور اس نے کیسی ہی خطائیں کی ہوں مگر دین کے معاملے میں اس کی زندگی سچے مسلمان کی سی زندگی کے ہم پلہ تھی خلاف شریعت امور سے اسے سخت چڑ تھی اور وہ چاہتا تھا کہ نبی اکرم نے جن شرعی امور کی پابندی کی مسلمانوں کو ہدایت کی تھی ان کا پابند مسلمانوں کو بنا دوں اب یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنے زمانہ کی ملکی آب و ہوا اور طبائع کے میلان کو نہیں دیکھا اور یکایک ان سے چاہا کہ ناگوار طریقہ میں شریعت کے احکام کی پابندی کریں اگر وہ نبی اکرم کی مصلحت یا ربانی حکمت کو غور کرتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ قرآن کا پارہ پارہ ہو کر ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ رفتہ رفتہ انہیں احکام ربانی قبول کرنے اور ان سے دلچسپی لینے کا عادی بنا دیا گیا اور جوں جوں طبیعت میں شوق پیدا ہوتا گیا اسی کے مطابق آیتیں بھی نازل ہوتی گئیں۔

جو کچھ محمد بن عبد الوہاب نے مذہب اسلام کو چمکانا چاہا اور لوگوں کو موحد بنانا چاہا اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوا وہ نجد بلکہ تمام عرب کی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ ہے۔

اکثر نافہم مسلمان ہو کر ان پاک نفوس کو جنہوں نے قرآن و حدیث کو نصب العین ٹھہرایا ہے اور ان ہی دو مقدس چیزوں پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی اپنے بھائیوں کو بھی دعوت دیتے ہیں وہابی کہتے ہیں اس کہنے سے وہ وہابی نہیں بن سکتے مگر اس کہنے سے اس تلخ تر دشمنی اور حسد کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اکثر نافہم پاک مسلمانوں سے رکھتے ہیں وہ اپنی نسبت اپنے پاک نبی سے کرتے ہیں اور اسی میں انہیں فخر ہے اور یہی ان کا مایہ انبساط ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ اسمٰعیل صاحب اور ابن الوہاب کے مرتبہ اور اصلاح مومنین کی بے نظیر کوششوں میں کیا امتیاز قائم ہو سکتا ہے اور باہم دونوں میں کیا مناسبت ہے چوں کہ یہ ایک دلچسپ اور نہایت لطیف مضمون ہے اس لئے میں ابن عبدالوہاب اور اس کے جانشینوں کی مختصر تاریخ بیان کرتا ہوں جن کی مناسبت مولانا شہید کے حالات زندگی سے بہت کچھ ہے۔

ابن عبدالوہاب ۱۶۹۱ء میں بمقام عینہ (نجد میں) پیدا ہوئے امام احمد بن حنبل کے مذہبی طریقہ پر نہایت عمدگی سے اس کے باپ نے اسے تعلیم دلوائی جب نجد میں فارغ التحصیل ہو گیا تو مکہ مدینہ اور بصرہ میں جا کر اپنے علوم دینی کی تکمیل کرنی چاہی جب اس نے اپنی آرزو کے موافق ان شہروں میں بھی تحصیل علوم کر لی تو بغداد کے عظیم الشان کتب خانہ کی مقناطیسی

کشش نے ابن عبدالوہاب کو اپنی طرف کھینچا جب ابن عبدالوہاب نے بغداد میں کل حدیثوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسلام کی بابت بہت سی قلمی کتابیں ملاحظہ کیں تو اور بھی اس کی سرگرم روح میں ایک تازہ جوش کی روح پھونکی۔

اس کے بعد اس فاضل نے اپنے باپ کے ساتھ حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر شیخ عبداللہ بن ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی یہ ایک متبحر عالم تھا اس نے شریعت اسلامی کی اور بھی ابن عبدالوہاب کو تعلیم دی کچھ دنوں تک اپنے باپ کے ساتھ حریملہ میں رہا جب اس کے باپ کی وفات ہو گئی وہ اپنے وطن عینیہ میں چلا آیا جہاں مذہبی پیشوا بنایا گیا اپنے مختلف سفروں میں ابن عبدالوہاب نے گو بڑے بڑے فضلاء دیکھے اور اسلامی سوسائٹیوں اور درس گاہوں کی بھی خوب دھوم دھام دیکھی مگر شریعت محمدی کا پابند یا عامل بالحدیث بہت ہی کم نظر پڑا اس نے مغزوں کو مزین دیکھا اس نے ریشم اور چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال عام دیکھا نشی چیزوں کا رواج بھی ہر مسلمانی حکومت میں ملاحظہ کیا فضول شگونوں اور وہموں کا معتقد اور تابع لوگوں کو پایا۔ گور پرستی کی لے بڑھتی ہوئی دیکھی اور عیاشی کو نئی صورتوں میں جلوہ افزا دیکھا اس نے قرآن شریف اور احادیث نبویہ کو نہایت توجہ سے سمجھ سمجھ کر پڑھا تھا ربانی مقاصد اس کے بخوبی دل نشیں ہو گئے تھے اور وہ اسلام اور اس کے واجب الاحترام ہادی کا مفہوم سمجھ گیا تھا قرآنی مقصد اعلےٰ پر عبور اور رہبر اسلامی دنیا میں

یہ خلافِ شریعت باتیں دیکھنے سے ایک نیا رنگ اصلاح کا اس کی طبیعت میں پیدا ہوا اس کی عین خواہش تھی کہ ان مکروہ اور ناپاک باتوں کو اور اس ناقابل بیان رسوم کو عجمیوں سے پیوند ہونے کے بعد مسلمانوں میں پڑھ گئیں تھیں سب کو علیحدہ کر دوں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا کر کے انہیں پاک صاف اور نتھرا ہوا مسلمان بنا دوں یہ خیال غیر معمولی جوش کی صورت میں ابن عبد الوہاب کے دل میں پیدا ہوا اور نیز اس کی تکمیل کی امنگ اٹھی

ابن عبد الوہاب نے سوائے قرآن و حدیث یا صحابہ کے قیمتی اقوال کے دوسرے آئمہ کی باتوں پر کبھی عمل کیا نہ اپنے معتقدوں کو عمل کرنے کی ہدایت کی وہ کہا کرتا تھا جن پاک اور مبارک انفاس نے اپنی آنکھوں سے جمالِ احمدی دیکھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے مشرف ہو چکے ہیں ان کی باتوں کو قبول کرنا اور ماننا چاہیے نہ کہ ان لوگوں کی باتوں اور استنباطی مسائل کو تسلیم کریں جو عقل کے تنگے لڑا گئے اور جنہیں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی نہ حضور مبارک کی زبان مبارک سے انہوں نے کچھ سنا اسلام کی بنا صرف قرآن و حدیث پر ہے اور یہی کافی ہے جب قرآن میں موجود ہے کہ تمہارا دین کامل ہو چکا ہے پھر دوسرے کسی نقش کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دین اسلام میں کوئی مین میخ پیدا کرے اور پھر لوگ اس کے استنباطی مسائل میں اس کے گرد دھکے کھائیں

ابن عبد الوہاب کی اس بےنظیر سچی اور سیدھی تعلیم نے عظیم الشان اثر مسلمانوں پر کیا اور وہ غول کے غول اس کے آس پاس آنے لگے مگر اس

کی یہ کامیابی نامساعد ثابت ہوئی رئیس شہر سخت برہم ہوا اور آخر ابن عبدالوہاب کو شہر چھوڑنا ہی پڑا وہاں سے بھاگ کر اس نے درعیہ میں ایک رئیس اعظم محمد بن سعد کے پاس پناہ لی اس سردار نے جس کا قوی نزاثر ہزاروں آدمیوں پر پھیلا ہوا تھا۔ ابن عبدالوہاب کے اسلامی اور نتھرے ہوئے خیالات کو چمکایا اور اپنی تلوار سے بھی مدد کرنے کو مستعد ہوا۔ اس نے محمد بن عبدالوہاب کی لڑکی سے شادی کر لی۔ خدا کی شان سے اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا یہ لڑکا فطرت عجیب دل ودماغ کا پیدا کیا تھا وہ اپنے باپ دادا اور نانا سے بھی خالص محمدی دین پھیلانے میں پرجوش نکلا اپنے باپ کے گزر جانے کے بعد ۱۷۶۵ء میں اس نے اپنی فتوحات کی لین ڈوری جزیرہ نمائے عرب کے بہت دور کے حصہ تک بڑھا دی۔

عبدالعزیز صرف ایک لڑاکا اور جانباز بہادر مرد میدان جری ہی نہ تھا بلکہ ایک سچا مسلمان تھا اور اس کو حقیقی عامل بالحدیث کہہ سکتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے احکام ہیں سب پر استواری اور زندہ دلی سے اس کا اور اس کے دوستوں کا عمل تھا اور وہ خوش تھا کہ میری وجہ سے پھر کئی صدیوں کے بعد دوبارہ سچا اسلام عرب میں پھیلتا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ ایک خراسانی کی چھری نے عین سجدہ کی حالت میں قبل ازوقت اس کا فیصلہ کر دیا یہ جانکاہ اور ماتمناک واقعہ ۱۸۰۳ء میں وقوع پذیر ہوا۔ عبدالعزیز کے بعد اس کا بیٹا سعد اپنے باپ سے

بھی زیادہ پرجوش اور مرد میدان نکلا اس نے اور بھی اپنی فتوحات ملکی اور مذہبی کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا یہ ایک نہایت ہی پاکیزہ صورت اور جمیل شکل کا نوجوان تھا جیسا حسن ظاہری سے آراستہ تھا حسن باطنی سے قدرت نے اسے ویسا ہی مزین کیا تھا۔ علم و فضل میں جیسا اپنے وقت کا شیخ الکل تھا اسی طرح فنون جنگ میں بھی بے مثال مہارت رکھتا تھا۔ بارہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے مذہبی جھنڈے کے نیچے خونخوار عربوں سے ایک بڑا میدان لے چکا تھا اور اب تو اس کی عنفوان جوانی کا زمانہ تھا اس حالت میں اس نے وہ کار نمایاں کئے جو اب تک نجد کی تاریخ میں تعجب سے سنے جاتے ہیں۔

قرآن کا قرأت کیساتھ خوش لحن پڑھنا بھی اسی پر ختم تھا۔ حدیث کی چھ کتابیں تقریباً اسے حفظ تھیں ادھر اس کی جنگی شوکت بڑھی اور ادھر اس کے علم و فضل کی دھاک نے ہزاروں عربوں کو اس کا گرویدہ بنادیا وہ غول کے غول آنے لگے اور اسکے اسلامی مذہبی جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے لگے۔ سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اس کے مذہبی پیروان یا فوج کے آگے ترکوں کی ملکی سپرٹ کی دال نہ گلی آخر ان فتوحات کے بعد اس نے سیدھا کربلائے اقدس کا رخ کیا اور خفیف سے مقابلہ کے بعد شہر کربلا پر سعد کا قبضہ ہو گیا۔ مندہا بلند بلند مقبرے جن پر سنہری کام ہو رہا تھا شریعت محمدی کے مطابق ڈھا دیئے گئے اور شہدائے کربلا کے مزاروں کے آرائشی سامان فوراً آگ میں جلا دیئے گئے سعد کی طرف سے ڈھنڈورا پٹ گیا کہ آئندہ سے اگر کسی نے خلاف شریعت کوئی بات کی اس کی سزا قرآن حدیث کے موافق دی جائیگی اسی سال

کیبعد اسکے پرجوش مذہبی لشکر نے مکہ پر بھی قبضہ کر لیا اور ۲۷ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعد اپنے ہمراہیوں کیساتھ
طواف کیلئے کعبہ میں داخل ہوا اتمام کی بزرگی نے سعد کی کسی قدر وحشیانہ خونخوار روح کو رام کر دیا اور اس
نے صرف اس ادب سے کہ یہاں ہمارا آخر الزمان نبی پیدا ہوا تھا۔ مطلق یہاں کے لوگوں کو کسی قسم کی
بھی تکلیف نہیں دی ہاں خلاف شریعت امور کی اصلاح کیلئے سخت ہدایت ضرور کر دی گئی مثلاً چاندی سونے
کے حقے ایرانی شال۔ گنگا جمنی کے ظروف۔ ریشمی ایرانی پوشاکیں جنہیں شریعت اسلام نے کبھی جائز
نہیں ٹھہرایا تھا۔ ایک جگہ جمع کئے گئے اور ان سب میں آگ لگا دی گئی ہر شخص مجبور کیا گیا
تھا کہ احکام دین کی پابندی کرے اور تمام وہ باتیں جو نبی اکرم کے زمانہ مسعود میں رائج تھیں بہت
دھوم دھام سے ان کی اشاعت دیگئی حقہ پینے کی ممانعت بہت سخت تھی ایک دن اتفاق سے محتسب
نے ایک خاتون کو جو حقہ پینے کی حد سے عادی تھی حقہ پیتے دیکھ لیا اور ہر چند چاہتی تھی کہ بچ کر نکل
جائے پر ممکن نہ ہوا آخر وہ پکڑی گئی الٹے گدھے پر اسے سوار کیا گیا اور اس کی گردن پر اس کا حقہ
لٹکایا گیا اور نلی دم کی اسے پھرایا گیا تاکہ عورتوں کو سخت عبرت ہو اور پھر وہ شہر بدر کر دی گئی ان
لوگوں کو شریعت کے قوانین کے موافق سزا دی جاتی تھی جو احکام اسلام سے انحراف کرتے
تھے خواہ مرد ہوں یا عورت۔ پنجوقتہ نماز میں ہر مسلمان مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ہر نماز میں شریک
جماعت ہو۔ اگر بلانے پر بھی کوئی متوجہ نہ ہوا تو اسے درہ ہوشیار کرتا تھا شہر کی مسجدیں اب
پانچوں وقت لبالب بھری ہوئی معلوم ہونے لگیں خلفائے راشدین کے عہد مبارک کے بعد پھر
یہ موقع تھا کہ معائنہ کرنے والے کی آنکھ شریعت کے احکام پر لوگوں کو خواہ دلچسپی سے خواہ طوعاً کرہاً
عمل پیرا ضرور ہی کرتا ملاحظہ کر لیگی بازار میں کسی دوکان پر ایک تصویر یا کوئی چلم نظر نہ آتی تھی اور نہ ادنیٰ خلاف
شریعت کوئی سامان کہیں دکانوں پر بھی ڈھونڈے ملتا تھا نہ مقدور تھا کہ کوئی اپنے گھر میں پوشیدہ رکھ سکے بازار
تو بازار رہا جب سعد نے اپنا پورا اقتدار فتح مکہ کا حاصل کر لیا تو اس نے سلطان ترکی کی خدمت میں
مفصلہ ذیل الفاظ میں ایک خط لکھا جس میں اپنی کامیابی و فتح یابی کی خبر

دی گئی ہے وہ خط یہ ہے۔

سعد کی طرف سے سلیم کو معلوم ہو ہیں مکہ معظمہ میں ۴ محرم ۱۲۱۸ھ کو داخل ہوا میں نے شہر میں بالکل امن رکھا اور کسی متنفس کو نہیں ستایا۔ ہاں ان چیزوں کو برباد کر دیا جن کی پرستش ہوتی تھی میں نے ہر قسم کے خراج کو سوائے ٹیکسوں کے جن کی اجازت قرآن دیتا ہے موقوف کر دیا ہے میں نے قاضیوں کو مقرر کر دیا ہے جو بالکل شریعت محمدی کے موافق مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ بھی یہ سن کر خوش ہوں گے میں چاہتا ہوں آپ دمشق اور مصر القاہرہ کے حکمرانوں کے پاس حکم نامہ بلکہ کر بھیجدیں کہ وہ اس پاک معبد میں خلاف شرع عمل کے لیے نہ آئیں۔ اور نہ قرنا بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوں، مذہب ایسی ویسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا میں دعا کرتا ہوں خدا کی برکتیں اور رحمتیں تم پر نازل ہوں۔

۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا مدینہ لے کر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک اُبال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گذر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی

نو برس تک سعد نے بہت زور شور سے مذہبی حکومت کی دن بدن عرب میں ان کا اثر بڑھتا گیا اور فوج سال بسال زیادہ ہوتی گئی۔ جب ان کی قوت بڑھنے لگی تو سلطان ترکی کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اور اب انہیں اپنی سلطنت کا اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں اس پر سعد حملہ نہ کرے۔

محمد علی پاشا ترکوں کی فوج لے کر سلطان کے حکم سے مکہ کی طرف بڑھا۔ دو تین خونریز میدانوں کے بعد مکہ اور مدینہ فتح کر لیا گیا۔ سعد کی وفات کے بعد (۱۸۱۴ء) اس کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اور اس نے پریشان فوج کو جمع کر کے ابراہیم پاشا افسر ترکی سے مقابلہ کیا۔ لڑتے لڑتے عین میدان جنگ میں گرفتار ہو گیا ابراہیم پاشا نے اسے قسطنطنیہ روانہ کر دیا۔ مسجد مونیہ میں ۱۹ دسمبر ۱۸۱۸ء کو اس کی گردن اڑا دی گئی

عبداللہ کے بعد اس کا بیٹا ادھر ادھر ترکوں کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرا آخر ریاض میں وہ بھی گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ کا پوتا فیصل اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر ۱۸۳۰ء میں جلوہ فراز ہوا۔ اس نے وسطی عرب میں اپنے مذہبی اثر کو بہت سرگرمی سے پھیلایا اور ریاض کو جہاں اس کا باپ قتل ہوا تھا اپنا دارالخلافہ بنایا۔ وہ پہلا خلیفہ تھا جس نے ۱۸۶۴ء میں یورپین مسافر پیلکر سے ملاقات کی۔ اور سر لوئیس پیلی لیفٹننٹ کرنیل کا بطور وکیل ملکہ معظمہ استقبال کیا۔ سر لوئیس کی ملاقات کے بعد ۱۸۶۶ء میں فیصل کا انتقال ہو گیا۔ اور اب اس کی جگہ اس کا بیٹا عبداللہ تخت نشین ہے۔

یہ دیکھ کر ناظر اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر محمد بن عبدالوہاب کے بعد پے در پے اس کے بیٹے پوتے ایک سے ایک زیادہ نہ پیدا ہوتے رہتے تو کبھی کا ان کا نام و نشان نک مٹ جاتا برخلاف مولانا شہید کے نہ ان کے ساتھیوں میں ان کی زندگی میں نہ بعد از ان کوئی ایسا سردھرا تھا کہ سکھوں سے اپنے راہنما کا انتقام لیتا۔ یا ان کے اصول مذہبی کو خوب پھیلانے کی کوشش کرتا مگر الحمد للہ کہ جو بیج مذہبی

اصلاح کا مولانا اسمٰعیل صاحب ہو گئے تھے۔ وہ پھلا پھولا بڑا ہُوا اور اس نے اپنی جڑیں لوگوں کے دلوں میں مضبوط پکڑ لی ہیں۔ جو کبھی نہیں جا سکتیں اور جن کی نسبت ہمارا بزرگ قوم اپنی بیش بہا کتاب[1] میں یہ لکھتا ہے۔

"سنی چرچ کے جگر میں سو برس گذشتہ سے ایمان اور عمل کی مطابقت نے بہت بڑا اثر کرنا شروع کیا۔ مذہب وہابیہ جس نے اپنی صورت صدی کے آغاز میں ظاہر کی اپنی روح رواں صحرا سے استنباط کرتا ہے غیر مقلدی مذاہب کا چشمہ انسانی قلوب کے باطنی گوشوں سے ابلتا ہے اور متحکم چرچ کی سخت اور درشت مخالفت سے اپنی حفاظت کی جگہ تلاش کرتا ہے یہ سخت ناانصافی اور جہالت ہے کہ ہم ایک غیر مقلد کو وہابیوں کے حدود میں محدود کر دیں وہ اس وہابیہ دائرہ میں آنے سے آزاد ہے وہ بہ نسبت اپنے مخالفین کے آپ بہت بڑے فلسفیانہ اور عقلی اصول رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سنی چرچ کے جگر میں غیر مقلدی کی جو یہ تحریک ہوئی ہے۔ اپنے ساتھ آئندہ خوش کن نتائج اور نیز وعدے وعید کا مادہ مضمر رکھتی ہے"۔

مسٹر امیر علی جج کی آزادانہ رائے کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جسے آزادی اور انصاف سے کچھ حصہ ملا ہے اگر ہم ذرا بھی توجہ کریں گے تو ہمیں کھل جائے گا جس شخص نے کئی کروڑ مسلمانوں کے جگر میں نئی تحریک پیدا کر دی اور اس کی وفات کے بعد کوئی اس کے مذہبی خیالات کی تائید کرنے والا نہ ہو۔ اس کے عمالی رتبہ اور عالی شان درجہ کا اندازہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کی نسبت ہمارا یہ کہنا بالکل

---

[1] اسپرٹ آف اسلام مصنفہ سید امیر علی جج ہائی کورٹ کلکتہ صفحہ ۵۵۱ - ۵۵۲

درست ہے کہ سات آٹھ سو برس کی ہندوستانی اسلامی سلطنت کا اگر ہمیں یا خود اسلام کو کوئی نتیجہ حاصل ہوا تو صرف دہلی میں ابتدائی صدی میں شاہ اسمٰعیل کے پیدا ہونے سے اور سنی چرچ ہی نہیں بلکہ شیعہ چرچ کے جگر میں اصلاح کی غیر معمولی تحریک قائم کرنے سے ہی بہرہ پایا۔

اب میں مفصلہ ذیل یوروپینس کی کتابوں سے مولانا شہید اور سید صاحب کے محمدی مذہب جسے غلطی سے وہابیہ مذہب سے پکارا گیا ہے۔ اس کی نسبت کچھ طول طویل آرائے کا خلاصہ کرتا ہوں۔ جو یقیناً بہت ہی دلچسپ ہوگا؛

(۱) برک ہرڈس بدوئنس اینڈ وہابیز (برک ہرڈس صاحب کا بیان بابت بدو اور وہابیوں کے)

(۲) براینجیز بریف ہسٹری آف وہابیز (وہابیوں کی مختصر تاریخ مصنفہ برائج)

(۳) سرلیوس پلیس پولٹیکل مشن ٹو نجد (سرلیوس پلیس کی پولٹیکل سفارت نجد میں)

(۴) ہنٹرس مسلمان آف انڈیا (مسلمانان ہند مصنفہ ہنٹر صاحب)

(۵) پلگریوس سنٹرل اینڈ ایسٹرن عربیا (پلگریو کی کتاب وسطی اور مشرقی عرب کے بیان میں)

(۶) لیڈی انس بلنٹس پلگریج ٹو نجد (بیگم انس بلنٹس کا سفر نجد)

(۷) ڈی آر بیڈجرس امام اینڈ سید آف اومان (ڈی آر بیڈجر کی کتاب اومان کے سیدوں اور اماموں کے بیان میں)

(۸) بلنٹس فیوچر آف اسلام (بلنٹس صاحب کی کتاب اسلام کی آیندہ)

حالت میں)

مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو بہت جوش وخروش سے انگریزی میں آپ شناپ تصنیف کی گئی ہیں۔ اور جن میں زیادہ تر مصنفوں نے اپنے خیالات کو روک دیا ہے اور خواہ مخواہ بے چارے محمدیوں کو خوفناک صورت میں دکھایا ہے یہاں کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان واقف ہوں کہ ان کے دوست مسیحیوں کا خیال ان کی نسبت کیا ہے (دیوبندا)

"اگرچہ وہابیوں کی جنگی اور ملکی قوت چکنا چور ہوگئی اور سعد کے خاندان کی حکمرانی کی حدود نجد میں محدود ہو کر رہ گئیں مگر پھر بھی جو اصول مذہبی محمد بن عبدالوہاب نے بتلائے تھے اب تک مساجد میں نہایت مذہبی جوش میں بیان کئے جاتے ہیں اور ان پر خوب دھوم دھام سے وعظ ہوتے ہیں۔ ان جوشیلے وعظوں کی گونجیں حدود نجد ہی میں مقید نہ رہیں۔ بلکہ انہوں نے ہندوستان کے ایک بزرگ کی سے آرام روح میں مذہبی ولولے کی نئی روح پھونک دی۔ جب یہ بزرگ مکہ شریف کے حج کو آیا تو اس نے وہابیوں کے بڑے فاضل سے وہابی مذہب کی تعلیم حاصل کی اور محمد بن عبدالوہاب کے اسلامی اصول کو خوب مانجھا سید احمد رائے بریلی کے قزاق اور رہزن نے ۱۸۲۲ء میں حج بیت اللہ کرکے چاہا کہ شمالی ہند کو یکلخت اپنے اسلامی اصول منوا دوں پیغمبر اسلام کے براہ راست سلسلہ اولاد میں ہونے سے برخلاف وہابیان نجد کے اس نے اپنے میں امیر المومنین بننے کی ضروری صفات ملاحظہ کیں۔ مسلمانان ہند نے اسے سچا خلیفہ یا مہدی تسلیم کر لیا۔ انگریزی حکام کی لاعلمی میں وہ ہمارے صوبوں میں گشت لگاتا پھرا۔ اور بے شمار لوگوں کو اپنا معتقد

بنایا اس نے اپنے کارندے پٹنہ میں مقرر کئے۔ اور پھر دہلی کی طرف رخ کیا۔ یہاں خوش قسمتی سے ایک فاضل اجل محمد اسمٰعیل نامی اس کا مرید ہو گیا۔ اور آخر میں اپنے پیر کا الیساد الہ دشید ا ہوا کہ اس نے نئے خلیفہ کے اصول مذہبی کی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "صراط مستقیم" ہے۔"

"۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو اس نے سکھوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا بلند کیا اور وسط ایشیا کو اپنے ساتھ ہم زبان کرنے کی کوشش کی حدود پشاور اور پشاور میں اس نے قیامت برپا کر دی اور رنجیت سنگھ پر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر دیا۔ جہادی جنگیں چار برس تک ہوتی رہیں جن میں سید احمد ہی کو متواتر کامیابی ہوتی رہی اب وہابیہ لشکر کی قوت اور بھی خوفناک ہو گئی تھی اور وہ ابھی اور بھی بڑھتی مگر اپنے سردار کے ایک عظیم الشان جنگ میں جو شیر سنگھ سے بالاکوٹ ہزارہ میں ہوئی تھی، ماہ مئی ۱۸۳۱ء میں قتل ہونے سے رک گئی۔ ہزیمت یافتہ لشکر کا بقیہ حصہ حدود سے عبور کر کے ستیانا میں جا کر آباد ہو گیا ۱۸۶۳ء کی جنگ میں برٹش گورنمنٹ نے ان کا بالکل فیصلہ کر دیا۔ پھر بھی کوئی تین سو کے قریب انڈس کے کناروں پر پلوسی میں آباد ہیں جن کا سردار مشہور ۱۸۵۶ء کا باغی شعبہ ہے جو ایک بہت ضعیف شخص ہے جس نے حال میں اپنی لڑکی کی شادی سابق امام پشاوری سے کر دی ہے اس شادی کی وجہ یہ ہے کہ پلوسی کی وہابیہ اثر حدود پشاور پر بھی محیط ہو جائے۔ ہنوز دیکھنے میں آتا ہے کہ وہابی مذہب کے لیڈروں کی غیر موجودگی سے گو جنگی قوت کا ڈھانچہ بالکل توڑ مروڑ ڈالا گیا ہے۔ تاہم اس مذہب کا اثر ہندوستان اور نجد میں باقی ہے جو دن بدن بڑھتا جاتا ہے بہت دھوم

دصام سے ہندوستان میں وہابی مذہب کی کتابیں طبع ہوتی ہیں اور انہیں اشاعت کیا جاتا ہے مثلاً تقویۃ الایمان اور صراط المستقیم کتابیں جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں پر اپنا زیر دست اثر ڈال رکھا ہے"۔

"وہابی مذہب بالکل ہمارے مذہب پروٹسٹنٹ سے مشابہت رکھتا ہے اس کے عقلی اور قابل تسلیم اصول پروٹسٹنٹ کے ہم پلہ ہیں۔ یہ لوگ اپنا ایمان قرآن و حدیث پر رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں احادیث نبویہ کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اپنے کو اہل حدیث کے لقب سے ملقب کرتے اور جہاں تک ان سے ہوتا ہے۔ حدیث کی درس و تدریس میں اپنے ذہن اور قوت سے مدد کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی سرگرمی رکھتے ہیں۔ وہابی اپنے کو موحد اور دوسرے مسلمانوں کو مشرک بتاتے ہیں اور ان کے اصول مفصلہ ذیل ہیں

(۱) وہ چار مذہبوں کے اماموں کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے ان کا قول ہے کہ کوئی شخص جو قرآن و حدیث کو پڑھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے۔ اصول مذہب کے معاملات میں اپنا فیصلہ آپ کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) سوائے خدا کے آدمی کے دل کا بھید کوئی بھی نہیں جانتا نماز سوائے خدا کے نہ کسی پیغمبر نہ ولی نہ پیر شہید کی جائز ہے اور نہ کسی پیر شہید کے ذریعہ سے خدا کی جناب میں کسی ضرورت کو پیش کرنا روا ہے۔

(۳) قیامت کے دن محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) خداوند تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کرنے کی اجازت یا اذن چاہیں گے مقلدوں کا مذہب ہے کہ اذن

رسول خدا کو دیا جا چکا ہے۔

(۴) وہابی خلاف شریعت سمجھتے ہیں کہ کسی پیر شہید کے مزار پہ روشنی کی جائے اس کے آگے جھکا جائے یا اس کا طواف کیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ یہ باتیں خود نبی عربی کے مزار کے لیے بھی جائز نہیں قرار دیتے۔

(۵) عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی کی قبر پہ جائیں اور وہاں روئیں پیٹیں اپنے بال نوچیں اور اپنے کو نیم بسمل کریں۔

(۶) صرف چار تہوار قابل تسلیم ہیں۔ عید الفطر۔ عید الضحیٰ۔ عاشورہ۔ لیلۃ المبارک۔

(۷) مولود شریف کی تقریب کو فعل عبث جانتے ہیں، جو اور مسلمانوں میں ہوا کرتا ہے۔

(۸) وہ کسی مزار پہ کوئی نیاز نذر نہیں چڑھاتے۔ نہ مراد حاصل ہونے کے لیے کلاوا باندھتے ہیں۔

(۹) وہ خدا کے ننانوے نام اپنی انگلیوں پہ پڑھتے ہیں۔ تسبیح کا استعمال نہیں کرتے۔

(۱۰) وہ خدا کا عرش پہ قیام کرنا اور خدا کا ہاتھ ہونا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے مجازی نہیں سمجھتے بلکہ حقیقی جانتے ہیں مگر ساتھ ہی اس کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں حکم لگا سکتے کہ اس کا بیٹھنا ہمارے بیٹھنے کے مساوی ہے یا اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے یہ بھید اپنے وہ خود ہی خوب جانتا ہے۔ فقط"

یورہ وینس کی اس تحریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ کس قدر اپنے خیال میں دے

مذہب کی چھان بین کرتے ہیں مگر پھر بھی بہت سی باتیں بالکل غلط بے تحقیق ہوتی ہیں مولوی اسمٰعیل جو ہندوستان میں فرقہ موا حد کا مبلغ ہے۔ کبھی کسی نجدی شیخ سے نہیں ملے نہ انہوں نے ان کی کوئی کتاب دیکھی، انہوں نے وہی تعلیم دی جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتی ہے۔ محمد بن عبد الوہاب کی پیدائش سے پہلے محدیت کی بنا ان کے خاندان میں پڑ چکی تھی۔ اور جو کچھ اس نے اور اس کے خاندان نے حاصل کیا وہ اپنے ہی باپ دادوں سے اسلامی دنیا میں ایک ہی خاندان ہے۔ جسے غیر کے شاگرد بننے کا افتخار حاصل نہیں ہوا۔ لیورنپس کا یہ لکھنا کہ محمد بن عبد الوہاب نے ہندوستان تک اپنے مذہبی اصول کے خیالات پھیلائے۔ محض لغو اور بے سروپا بات ہے۔

جس برے پیرایہ میں محمدیوں کو جنہیں سخت غلطی سے وہابی کہا ہے انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے۔ سخت خفارت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کے قانون کو فرقہ اہل حدیث نے کس قدر تسلیم کیا ہے اور اس کے کیسے فرماں بردار مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں[1] ان پر کیا ہندوستان کے کل مسلمان اپنی گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور کبھی ان کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے جو گورنمنٹ کے خلاف سمجھی جاتی ہیں ہنٹر صاحب نے خصوصاً جو کچھ لکھا ہے اس کا بہت سا حصہ غلط اور خیالی ہے۔

---

[1] مصنف کا یہ خیال اس زمانے کا ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کا پورا تسلط تھا اور جب ہر شخص ان کے ظلم سے بچنے کے لیے ان کا ثنا خوان تھا۔ (مصحح)

تیرھواں باب

شریعت

لفظ شریعت جس کے سیدھے معنے راستہ کے ہیں ان ہی معنوں میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسلامی علم الٰہی کی کتابوں کو بھی شریعت کہتے ہیں اور کتاب کے معنوں میں لفظ شریعت کا استعمال کلام اللہ میں بھی ہوا ہے جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "ہر ایک کو ہم نے شریعت دی ہے"۔

احادیث اور علم الٰہی کی کتابوں میں لفظ الشرع عام طور پر قانون محمدی کے اظہار کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ہم معنی توراۃ کا عبرانی لفظ آیا ہے جس کے معنی قانون موسوی کے ہیں۔ یا جو قانون حضرت موسیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علمائے اسلام کے نزدیک الشرع یا قانون کے پانچ حصے ہیں (۱) اعتقاد (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔

(۱) اعتقادات میں وہ چھ باتیں شامل ہیں جن پر دین اسلام قائم ہے یعنی (ا) خدا پر یقین (ب) اس کے فرشتوں پر یقین (ت) اس کی کتابوں پر (ث) اس کے انبیا علیہم السلام پر (ج) قیامت کے دن پر (ح) تقدیر خدا پر۔ اسلامی قانون میں اسے علم العقاید سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں تمام تفسیری علم الٰہی کی شاخیں شامل ہیں۔ خاص اس مضمون پر موجودہ زمانہ میں جو کتابیں زیادہ مشہور اور مروج ہیں یہ ہیں شرح المواقف مصنفہ سید شریف الدین جرجانی۔ شرح العقائد۔ مصنفہ مسعود سعدالدین

تفتازانی۔ وغیرہ۔

(۲) آداب میں تمام وہ تمدنی اور اخلاقی عمدگیاں شامل ہیں جن کا شاہد خود قرآن مجید اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ اخلاص۔ توکل تواضع۔ تفویض۔ قصر الاعمال۔ زہد فی الدنیا۔ نصیحت قناعت۔ حب۔ صبر دیکھو مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۴۲۲۔

(۳) عبادات۔ اس میں تمام وہ عبادتیں اور دعائیں شامل ہیں جو باری تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور جس کے پانچ ارکان ہیں (ا) تلقین مذہب (ب) نماز (ت) زکوٰۃ (ث) صوم (ج) حج۔

(۴) معاملات میں وہ فرائض شامل ہیں جو باہمی ایک آدمی پر دوسرے آدمی کے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ مخاصمات۔ امانات ان ہی حصوں میں کل معاملات دنیوی بھگتائے جاتے ہیں۔ مثلاً تبادلہ خرید و فروخت الجنسی اشتراک سرقہ۔ شادی۔ طلاق۔ مہر۔ دعوے وغیرہ۔

(۵) عقوبات میں وہ سزائیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث کے موافق مجرموں کو دی جاتی ہیں۔ مثلاً قصاص۔ حد السرقہ۔ حد الزنا۔ حد القذف۔ حد الشرب۔ ان دو موخر الذکر حدوں میں اسی دروں کی سزا دی جاتی ہے۔ اسلامی شریعت کے دو عام حصے یہ ہیں۔ علم الکلام اور علم الفقہ۔

اسلامی شریعت اور بھی دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر المشروع جسے فارسی میں روا اور ناروا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔
مشروع کی بھی پھر پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض جو احکام قرآن و حدیث میں

ہیں انہیں بلا انکار اور بلا اشتباہ قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کا نام فرض ہے اگر ان میں خفیف سا شبہ بھی ہو تو انسان دائرہ کفر میں آجاتا ہے (۲) واجب جو ضروری باتیں ہیں مگر یہ مشتبہ امر ہے آیا قرآن و حدیث میں ان کی تاکید کی گئی ہے یا نہیں (۳) سنت وہ اعمال ہیں جن کی مزاولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی (۴) مستحب وہ اعمال ہیں جو بنی ہاشمی اور آپ کے صحابہ نے کبھی کیے اور کبھی نہیں کیے (۵) مباح جن پر عمل کرنا سزاوار ہے اگر عمل نہ کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے وہ باتیں جو غیر المشروع ہیں ان کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) مفسد جو اعمال نہایت زبون زہریلے اور قاتل ہیں (۲) حرام وہ اعمال جنہیں شد ومد سے روکا گیا ہے (۳) مکروہ وہ اعمال ہیں جو عام طور پر ناپاک سمجھے گئے ہیں۔

مشروع اور غیر المشروع کے فرق مع ان کے تمام حصوں کے اسلامی شریعت کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں چاہے ان میں انسانی معمولی زندگی کے فرائض کا ذکر ہو۔ چاہے خدا کی عبادت کا بیان ہو۔

اخلاقی اور تمدنی قوانین میں یہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نقولوں اور اعمال کی تین قسمیں ہیں جو زیادہ توجہ مبذول کرنے کے قابل ہیں۔

(۱) سنت الفعلی وہ کام جو نبی اکرمؐ نے خود کیے۔

(۲) سنت القولی۔ وہ باتیں جن کی تاکید نبی اکرمؐ نے اپنی امت سے کی۔ کہ ان پر عمل کرنا۔

(۳) سنت التقریری۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کیا گیا۔ اور

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان کی پروا نگی آپ نے دے دی میرے خیال میں ان تمام باتوں اور ہدایتوں کا تعلق ترقی و تمدن اور اخلاق کے لیے ہے۔ کیوں کہ قرآن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ہم نے آج تیرے (محمد کے) دین کی تکمیل کر دی اور تجھ پر اپنی نعمتوں کو تمام کر چکے اصل دین جس سے غرض ہے وہ صرف قرآن حدیث سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں بسبب عام فہم اور ہر متنفس کے سمجھنے کے لائق ہیں۔ ہاں صرف یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ کیسا ہی فاضل اجل قرآن پڑھے گا۔ اس سے نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی جائیں گی اور وہ وہ ربانی نکات حل کرے گا کہ جو دوسرے کے کبھی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ غرض قرآن مجید پڑھ کر جو لذت ایک جاہل کو ہو سکتی ہے وہی ایک بہت بڑے فاضل کو مل سکتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ جس نے احادیث نبویہ کو زیادہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھا۔ اس نے گویا نبی اکرم کی جناب میں بے ادبی کی۔ خدا اور نبی کے اقوال کے آگے تمام جہان کے فضلا کے اقوال اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے۔ جتنی کوہ ہمالیہ کے آگے اپنی جسامت کے لحاظ سے ایک چیونٹی رکھتی ہے۔ اس لیے فرض اور سنت کا ترک کرنے والا گنہگاری سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع بھی شریک کیا جاتا ہے۔ اس میں مسلمان باہم مختلف ہیں۔ مقلدین کا تو یہ مذہب ہے کہ چار مجتہدوں (مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک۔ شافعی۔ حنبل) سے اجماع شروع ہوا اور انہیں پر ختم ہو چکا۔ اس کے مقابل میں اہل حدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کبھی نہیں ہو سکتا۔

میرا یہ خیال ہے کہ باہمی غلط فہمی صرف تاریخ سے لاعلمی کی وجہ ہے۔ یہ سخت خیرہ چشمی اور اسلام کے ساتھ نارروا سوء ادبی ہے کہ ہم اس کالاعلی جلال جس نے یورپ کی سترہ صدی تک آنکھیں منور کیں صرف چار نفوس میں محدود کریں۔

این خیال ست ومحال ست وجنون

اگر ہم اسلامی دنیا کی تاریخ علماء دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آئمہ موصوفین سے کہیں زیادہ فاضل اور عالم ہر صدی میں ہوئے اور کسی نہ کسی اسلامی دارالعلوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ان کی کیفیت ہماری کتاب المجدد کی دوسری جلد میں مل سکتی ہے۔ اہل حدیث کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر تنویر سے اپنی آنکھیں منور نہیں کیں وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ اجماع کی مسند پر جلوہ افزا ہو۔

اجماع کی تین بنیادیں ہیں (۱) اتفاق قولی (۲) اتفاق فعلی (۳) اتفاق سکوتی میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جن کا تعلق کچھ بھی مذہب سے ہے صحابہ راشدین ہی کا اجماع قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ اور تمام استنباطی دینی یا مدنی مسائل میں ہر پڑھا لکھا شخص مجتہد وقت ہے۔ چنانچہ میں مولوی اسمٰعیل کو مجتہد وقت لکھتا ہوں جس کا ثبوت کسی آئندہ باب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

یہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے کہ مجتہدوں میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور وہ اختلافات کچھ تو نیا سانت کی وجہ سے ہے اور کچھ حدیثوں کا اختلاف سے پہنچنا اس کا سبب ہوا ہے۔ وہ چار دس پانچ میں نہیں بلکہ صدہا مجتہدوں میں باہم

اختلاف ہے۔ ایسی حالت میں ہر شخص یہ حکم لگا سکتا ہے۔ ایک صحیح اور دوسرا خطا پر ہوگا۔ پھر میں حیران ہوں کہ ان بدیہی اور روشن باتوں اور شہادتوں پر بھی ایک ہی مجتہد پر قناعت کرنی یا چار مجتہدوں کے علاوہ اور مجتہدوں کا قول قابل تسلیم نہ سمجھنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔

وہ خاص خاص قیمتی کتابیں جن پر مقلدین کا دارومدار ہے مفصلہ ذیل ہیں۔ "جامع المذاہب"، "مجمع الخلافیات"، "نیابۃ الاحکام"، "عیون"۔ زبدۃ الاحکام کنز الدقائق جو ایک بڑی مشہور و معروف کتاب ہے خصوصیت سے اس کے بہت سے مسائل واقعات سے استنباط کئے ہیں۔ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ ابویوسف امام محمد۔ شافعی۔ مالک وغیرہ کے اصول مذہب کے مطابق سوالات اور فیصلے کئے گئے ہیں۔ بہت سی شرحیں مؤخرالذکر کتاب پر لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں بحرالرائق مصنفہ زین العابدین المصری (المتوفی ۹۵۰ھ) دوسری ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد جس کی وفات ۹۵۶ھ میں ہوئی یہ اسلامی قانون کا عالمگیر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر چاروں بڑے مجتہدوں کے اختلافی مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جھگڑے ان تمدنی معاملات میں ہیں جن پر پڑھا لکھا آدمی بحث کر سکتا ہے اور ردوقدح کرنے کا مجاز ہے بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے سلطنت ترکی میں یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے احکام زیادہ تر وہاں کی آب و ہوا کے موافق ہوں گے فقہ کی بے شمار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کا نام ہندوستان کے علماء کے کانوں تک نہ پہنچا ہوگا۔ وہ کتابیں جو چار مجتہدوں کے مذہبی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

بے شمار ہیں۔ اگرچہ ان میں سے چند کتابیں جن میں مالکی، شافعی، حنبلی اصول کی توضیح اور بیان ہے۔ ہندوستان میں رائج ہیں۔ وہ کتابیں جو امام مالک نے لکھی ہیں ہندوستان میں ڈھونڈنے سے بھی ان کا پتہ نہیں لگتا۔

امام مالک کی فقہ کی دو کتابیں بہت دن ہوئے فرانس میں مل گئیں۔ ایک کتاب بڑھمی غرق ریزی سے ایم ونسنٹ نے ۱۸۴۲ء میں حاصل کی تھی۔ اور دوسری کتاب ایم پیرن کے ۱۸۴۲ء میں ہاتھ لگی تھی۔

مذہب شافعی کی پہلی کتاب اصول نامی جس میں اسلامی عقائد اور ملکی آئین کے متعلق قوانین ہیں ایک مستند کتاب سمجھی جا سکتی ہے اور "منصور مختصر رسائل المعتبرہ کتاب الوثائق" یہ کل کتابیں شافعی فقہ میں ہیں ان کا فاضل مصنف ابو ابراہیم بن یحییٰ باشندہ مصر تھا متوفی ۲۶۴ھ اور ابن حنبل اور آپ کے مقلدوں کی مصنفہ کتابیں بہت کم تعداد کی ہیں اور نادر الوجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ صاحب کے مقلد جن کی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منضبط قوانین کو دو حصوں یا دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی فقہ اور فرائض میں۔

وہ کتابیں جو فقہ حنفی پر تحریر ہوئی ہیں۔ اور حنفی مذہب میں زیادہ مستند مانی جاتی ہیں۔ مفصلہ ذیل ہیں۔

پہلی کتاب امام ابوحنیفہ کی خود تصنیف سے بیان کی جاتی ہے جس کا نام الفقہ الاکبر ہے اس کتاب پر متعدد شرحیں لکھی گئیں اور مختلف مصنفوں نے اس پر اپنا

لے محقق یہ ہے کہ امام ممدوح کی نہیں (سیرۃ النعمان)

نہ ور قلم دکھایا ہے جن میں سے اکثر مصنفوں کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے اس عظیم الشان تقنن قوانین کے اصول اس کے مشہور و معروف شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے ذریعہ سے بہت کچھ معلوم ہوئے ہیں۔ "آداب القاضی" نامی کتاب جس میں مجسٹریٹ کے فرائض سے بحث کی گئی ہے۔ مشہور ہے کہ ابو یوسف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ سوائے اس کتاب کے ابو یوسف کی اور کسی کتاب کا پتہ نہیں لگتا غالباً انہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ ہاں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ امام محمد نے چھ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں پانچ عام طور پر اشاعت پذیر ہیں اور جنہیں "ظاہر الروایات" کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جامع الکبیر (۲) جامع الصغیر (۳) مبسوط (۴) زیادات فی فروض الحنفیہ (۵) سیل الکبیر والصغیر (۶) نوادر۔ امام محمد کی چھٹی کتاب اگرچہ اس وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی جیسے اور پانچ مذکور الصدر کتابیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اسے بڑے بڑے علماء نے مستند تسلیم کیا ہے اور نفس کتاب کی عمدگی میں بھی کوئی شک نہیں۔

جب مذہب حنفی کی بنیاد پڑ چکی تو حضرت امام اعظم کے دو واجب الاحترام شاگردوں کے بعد اور بھی دو فضلا کا ظہور ہوا جنہیں اپنے وقت کا مجتہد کہنا چاہیے اول امام فرجو بصرہ کے قاضی القضاۃ تھے اور جن کی وفات ۱۵۸ھ میں اسی شہر میں ہوگئی اور دوم حسن بن زیاد تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونو فضلا امام اعظم صاحب کے ہم عصر تھے ان کی قیمتی تصانیف کی ان مسائل میں جن میں صاحبین بھی خاموش ہیں سند دی جاتی ہے اور ان کے مضامین بطور اعتبار کے کوٹ کئے

جاتے ہیں۔

ان مشہور کتابوں میں سے "جو آداب القاضی" کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ اور سب سے معتبر اور مشہور ابوبکر احمد بن عمر متوفی ۲۶۱ھ کی کتاب "آداب القاضی" ہے۔ حنیفہ اصول کا اختصار جس کتاب میں نہایت عمدہ طور سے ہوا ہے اس کا نام "مختصر الطحاوی" ہے ۳۳۱ھ میں اس کتاب کو ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی نے لکھا تھا اور اسی فاضل امام نے امام محمد کی کتاب "جامع الصغیر" پر بھی ایک نفیس شرح لکھی ہے۔

جس نے ان تصانیف کو دیکھا ہے وہ بیان کر سکتا ہے کہ گو ان مذکورالصدر مصنفوں نے امام اعظم صاحب کے اصول کو نباہا ہے اور شدومد سے ان کی تائید کی مگر جہاں اجتہاد میں خطا دیکھی ہے کھلم کھلا اپنی رائے دینے میں دلیری کی ہے اور کہیں یہ تقشہ نہیں دیکھا کہ تقلید کی ہیبت تاک رسی اپنے گلے میں ڈالکر خاموش ہو رہے ہوں۔ اور ایسے مسائل پر جن میں صریح طور پر خطا کا احتمال ہو سکتا ہے یا غلطی پائی جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ وہاں سکوت اختیار کر کے حق سے چشم پوشی کی ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہمارے معزز احناف کا قاعدہ ہے کہ وہ ضروری حق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہی پالیسی ان کی مایۂ افتخار ہے۔ "مختصر القدوری" مصنفہ ابوالحسن احمد بن القدوری متوفی ۴۲۸ھ ایک اور بھی حنفیہ فقہ کی لاجواب اور قیمتی کتاب ہے جس کی اب اعلیٰ درجہ کی عزت کی جاتی ہے۔ اس کتاب پر ایک بہت قیمتی شرح بھی لکھی ہے جسے الجواہر المنیرہ کہتے ہیں ایک اور مشہور کتاب "مبسوط" ہے جسے شمس الائمہ ابوبکر محمد نے قید خانہ میں تالیف کی ہے حنفیہ مذہب میں یہ کتاب

بھی مستند مانی جاتی ہے۔ مصنف موصوف اور بھی ایک مشہور کتاب کا مصنف تھا جو المحیط کے نام سے مشہور ہے۔ اس قیمتی کتاب میں بہت سے مضامین مبسوط زیادات اور امام محمد کی نوادر سے لئے گئے ہیں۔ اسی نام کی ایک کتاب برہان الدین بن احمد نے لکھی ہے مگر وہ معقدم الذکر محیط سے زیادہ وقعت اور تعظیم کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی القدوری مختصر کا خلاصہ جس کا نام تحفۃ الفقہیہ ہے ایک عجیب کتاب ہے جس کا مصنف شیخ علاؤالدین محمد سمرقندی ہے اور پھر بعد از ان اسی کتاب کی علاؤالدین کے شاگرد ابوبکر بن مسعود نے شرح لکھی۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو حکمانہ اور علم الٰہی کے مضامین پر تحریر ہوئی ہے جس کا نام ہدایہ فی الفروع یا امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد ابویوسف اور امام محمد کے اصول فقہی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس کتاب کا مصنف شیخ برہان الدین علی ہے متوفی ۵۹۳ھ جس کی شہرت اور علمی ناموری نے اس کے ہمعصروں سے اسے ممتاز بنا دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہ مشہور تھا ہدایہ، دراصل ہدایۃ المبتدی کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی جان ہے ہدایہ کی نسبت حاجی خلیفہ یہ لکھتا ہے۔

"ہدایہ نے اپنی سابق کی فقہی کتابوں کو اس طرح منسوخ کر دیا جس طرح قرآن نے نازل ہو کر گذشتہ انبیاء کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کے فقہی قواعد کو یاد کرے کیونکہ زندگی میں یہی قواعد اسکی راہنمائی کرینگے۔"

ہدایہ کی کفایہ کے علاوہ اور بہت سی شرحیں ہیں۔ جو ایسی نامور کتاب کے شایاں تھیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ عنایۃ۔ نہایۃ۔ فتح الکبیر۔

عنایہ بنایہ ۔ ہدایہ کی دو شرحوں کا نام رکھا گیا ہے ایک پہلی شرح کا مصنف
شیخ کمال الدین محمد بن محمود ہوا ہے جس کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی یہ شرح نہایت
فائدہ مند اور قابل مدح ہے اس شرح میں ان کتابوں اور ان اشاروں کی تشریح
کی ہے جو ہدایہ میں آئے ہیں اور ان اسرار کو کھولا ہے جنہیں ہدایہ والا مضمر رکھ
گیا ہے ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی سے توضیح ہے کہ شارح کی خود بخود تعریف کرنے
کو جی چاہتا ہے۔ اصل میں عنایہ بجائے خود ایک کتاب ہے جس میں اکثر ہدایہ کے
مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

شرح نہایہ حسام الدین حسین بن علی کی تصنیف سے ہے جس کی نسبت بیان کیا
جاتا ہے کہ یہ برہان الدین کا شاگرد تھا۔ یہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی ہے
اس میں قانون وراثت بھی شامل ہے۔ جو صرف فقہ سکھاتی ہے۔ شرح کفایہ
امام الدین امیر کاتب بن امیر عمر کی تصنیف سے ہے جو اس شرح سے پہلے ایک
اور کتاب غایۃ البیان لکھ چکا تھا ان دو کتابوں سے مصنف کی شان معلوم
ہوتی ہے ۷۴۹ھ میں کفایہ کی تکمیل ہوئی شرح الکبیر للعاجز الفقیر مصنفہ کمال الدین
محمد جسے عام طور پر ابن ہمام کہتے ہیں۔ اور جس کی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ایک
بے نظیر شرح ہدایہ کی ہے اور جسے کل شرحوں میں دلپسند کہنا زیبا ہے اس میں
ایک مجموعہ فیصلہات کا بھی شامل ہے جس نے اور بھی اسے سب سے زیادہ
فائدہ مند ثابت کیا ہے۔

ہدایہ کی بہت چھوٹی شرح فوائد نامی حمید الدین علی بخاری کی تصنیف سے
ہے جس کی وفات ۶۶۷ھ میں ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ

پر لکھی گئی ہے

شرح وافی مصنفہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد جسے عام طور پر حافظ الدین نسفی کہتے ہیں ایک مستند کتاب ہے اور کافی جو وافی کی شرح ہے وہ بھی ایک قابل دید کتاب ہے نسفی کا سنہ میں انتقال ہوا تھا۔

الوقایہ جو ساتویں صدی کی تصنیف ہے ایک اصولی کتاب ہے جو طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ ہدایہ کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرے اس کا فاضل مصنف برہان الشریعت محمود ہے جس کی لاثانی قابلیت اور غور ناظر کی نگاہ میں اس کی اعلیٰ درجہ کی وقعت قائم کرتی ہے۔ وقایہ کی بہت کثرت سے اسکی شرح شرح الوقایہ کے ساتھ تعلیم ہوتی ہے اور عام طور پر پڑھا جاتا ہے شرح الوقایہ کا مصنف عبیداللہ بن مسعود تھا۔ جس کا سنہ میں انتقال ہوا شرح وقایہ میں وقایہ کا متن ایک بڑی بھی توضیح اور تفصیلی بیان کے ساتھ شامل ہے اس درجہ پر اس کی عمدگی مانی گئی ہے کہ فقہی مدارس میں شرح وقایہ کے وہ باب جن میں نکاح مہر طلاق کا بیان ہے خود ہدایہ سے بھی افضل شمار کر کے پڑھائے جاتے ہیں وقایہ کی اور بھی بہت سی شرحیں ہیں مگر وہ ایسی مفید نہیں ہیں جیسے مذکور الصدر شرح۔ "شرح الوقایہ" پر بھی ایک شرح لکھی ہوئی ہے جسے چلپی کے نام سے پکارتے ہیں یہ ایک عمدہ اور فائدہ مند شرح ہے اس کا مصنف ابی یوسف بن جنید ہوا ہے۔ جو قسطنطنیہ کے آٹھ پروفیسروں میں سے تھا یہ کتاب ۸۹۱ھ میں طبع ہوئی تھی اسکے بعد پھر اسکے خلاصے مختلف مطابع میں شائع ہو گئے۔

شرح الوقایہ کے مصنف کی دوسری کتاب نقایہ ہے یہ بھی ایک اصولی

کتاب ہے بعض وقت اسے مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں اصل میں یہ نام اس کتاب کیلئے موزوں بھی ہے کیونکہ اس میں شرح وقایہ کا خلاصہ درج کیا ہے۔ نقایہ پر تین شرحیں بہت نایاب اور اعلیٰ درجہ کی لکھی گئی ہیں گو اور بہت سی ہیں مگر یہی تین زیادہ مشہور ہیں جن کے فاضل مصنف مفصلہ ذیل ہیں:۔ ابوالمکارم بن عبداللہ متوفی ۹۰۷ھ دوسرے ابوعلی بن محمد البرجندی (۹۳۵ھ) تیسرے شمس الدین محمد الخراسانی الکوہستانی ۹۶۲ھ۔

آخری شرح کا نام "جامع الرموز" ہے جو بالکل کامل اور صاف ہے اور جسے ہم فقہ کی فائدہ مند کتاب کہہ سکتے ہیں۔ الاشباہ والنظائر ایک مشہور و معروف اصولی کتاب ہے اس کی تدوین زین الدین مصنف بحر الرائق نے جس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کی تھی۔ حاجی خلیفہ اس کتاب کی بہت تعریف کرتا ہے اور کتنے ہی ضمیمے گنواتا ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اس میں شامل ہوتے گئے وہ شرحیں جو اس کتاب پر لکھی گئی ہیں ذیل میں درج ہیں "نور الانوار فی الشرح المنار" مصنفہ شیخ جیون ابن ابوسعید کی ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی اور عام طور پر مستند مانی جاتی ہے یہ سری شرح اصول الشاشی ہے جسے ایک تفصیلی یا توضیحی شرح کہنا چاہیئے ۱۸۴۷ء دہلی میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی "تنویر الابصار" مصنفہ شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ الغازی ۱۰۰۴ھ ایک مشہور اور مفید کتاب فقہ حنفی کی ہے اس نایاب کتاب کی بھی بیشمار شرحیں ہیں۔ جن میں سے ایک شرح کا نام منح الغفار ہے جو خود مصنف کتاب کی لکھی ہوئی ہے یہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کتاب ہے۔

در المختار جو دوسری شرح تنویر الابصار کی ہے نہایت ہی مشہور کتاب ہے۔

محمد علاؤ الدین بن شیخ علی نے ۱۰۷۱ھ میں اس کتاب کو لکھا تھا۔ گو یوں یہ ایک شرح ہے لیکن بجائے خود یہ ایک مستقل کتاب ہے۔ اور جس پر خود کئی شرحیں تحریر ہو چکی ہیں در المختار میں نہ صرف فقہ ہی کا بیان ہے بلکہ اس میں فرائض سے بھی بحث کی ہے۔ جہاں ابو حنیفہ صاحب کے مقلدین آباد ہیں اس کتاب کی اشاعت ہو رہی ہے اور عرب میں تو کچھ کہنا ہی نہیں جہاں اس کی حد سے زیادہ عزت کی جاتی ہے اور بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے اکثر مواقع پر اسی کے حوالے دیئے جاتے ہیں جتنی کتابیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان کا رواج زیادہ تر ہندوستان میں ہے گو اور ممالک مثل عراق عرب اور عراق عجم میں بھی درس تدریس میں پائی جاتی ہے سلطنت ترکی میں ان کے علاوہ فقہ حنفی کی جو کتابیں رائج ہیں اور جن سے کم بیش ہمارے ہندوستانی علماء اور ہمارے واجب الاحترام احناف خصوصاً ناواقف ہوں گے۔ ان کو بھی مفصل بیان کرتا ہوں تاکہ فقہ حنفی پر آزادانہ اور منصفانہ ریمارک کرنے کا مجھے موقع ملے۔ اور ہمارے بھائی مسلمان بھی (صرف ان سے مطلب ہے جو نہیں جانتے) ان سے پوری واقفیت حاصل کرلیں سب سے زیادہ مشہور کتابیں فقہ حنفی کی جو سلطنت ترکی میں بطور ایک سند کے مانی جاتی ہیں یہ ہیں۔

ملتقی الابحار (مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی دوم درالحکام مصنفہ ملا خسرو سوم قانون نامہ جزایہ تین کتابیں جن کا عملدرآمد ترکی سلطنت میں ہوتا ہے ناظر کو تعجب ہوگا کہ امام اعظم کا ایک ہی مذہب ہے قریب قریب اصول فقہی بھی ایک پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اور کتاب رائج ہو اور ترکی ایشیا میں دوسری کتاب اور ترکی یورپ میں تیسری قسم کی کتاب مگر جب وہ بغور دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ فقہ

دراصل دیوانی فوجداری اور زیادہ تر تمدنی اصول کے قواعد منضبطہ کو کہتے ہیں جو بمقتضائے آب و ہوا اور طبائع کے تدوین کئے جاتے ہیں۔ اور جب انکا زمانہ ختم ہو جاتا ہے پھر ان کی جگہ دوسرے قواعد منضبط کرنے یا نئے فقہ کے تدوین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں فقہ حنفی کی مختلف کتابیں رائج ہیں اور ان میں اور کتابوں سے جو ہندوستان میں پڑھی جاتی ہیں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔

وہ کتابیں جو وراثت کے معاملہ میں اصول حنفی کے موافق لکھی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ہندوستان سب سے زیادہ رائج سراجیہ ہے جسے "فرائض سجاوندی" بھی کہتے ہیں اس کا فاضل مصنف سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی ہوا ہے۔ مختلف مصنفوں نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے چالیس نام تو کشف الظنون والے نے بھی گنوائے ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ کارآمد شرحوں میں شرح شریفیہ ہے جسے سید شریف علی بن محمد جرجانی نے تصنیف کیا تھا جس کی وفات سنہ ۸۱۴ھ میں ہوئی۔

دوسری نوعیت کی بھی کتابیں ہیں جن میں علم الفتاویٰ سے بحث کی گئی ہے۔ اس علم کی کتابیں بھی بے شمار ہیں اور ان کا بہت سا حصہ فتاویٰ ہی کے نام سے مشہور ہے گو فتاویٰ کے نام کے ساتھ انہیں خصوصیت ہے پھر بھی فقہی قواعد فیصلہ جات کے ساتھ انہیں خوب شرح و بسط سے منضبط کئے گئے ہیں ان میں سے بعض صرف فقہ ہی کی تعلیم کرتے ہیں اور بعض فرائض وراثت کے قواعد سکھاتے ہیں۔ بعض میں خاص خاص مفتیوں کے خاص خاص فتوے مندرج پائے جاتے ہیں بعض میں

مختلف مذہب کے اصول پر خوب شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے اور بعض میں خاص خاص فقیہوں کی رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جتنی فتاویٰ جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

"خلاصۃ الفتاویٰ" مصنف امام افتخار الدین طاہر بن احمد البخاری جس کی وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی یہ مستند فتاووں کا خلاصہ ہے۔

"ذخیرۃ الفتاویٰ" اسی کو بعض اوقات ذخیرۃ البرہانیہ کہتے ہیں مصنفہ برہان الدین بخاری مصنف "محیط البرہانی" یہ بھی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اگرچہ اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر بھی اس میں اعلیٰ درجہ کے فتووں کا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور اس کا بہت سا حصہ محیط سے لیا گیا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان مصنفہ امام فخر الدین حسن بن منصور فرغانی جسے عام طور پر قاضی خاں کہتے ہیں جس کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی یہ کتاب نہایت مستند اور بڑے پایہ کی گنی جاتی ہے۔ یہ عام واقعات کے مقدمات سے لبریز ہے اور اس لئے یہ بڑی عملی سود مندی کی صفت رکھتی ہے۔ جو بات اس میں خاص ہے وہ یہ ہے کہ جس بنا پر فتوے دلے گئے ہیں انہیں بدلائل ثابت کیا ہے اور خوب زور وشور سے ان پر بحث کی ہے۔

"جامع الفصولین" اس میں دو کتابیں شامل ہیں اس کا مصنف بدر الدین محمد ہے جس کی شہرت ابن القاضی کے نام سے ہے (۸۲۳ھ) یہ کتاب کچھ بہت شہرت کی نہیں ہے گو عام طور پر لوگ دیکھتے ہوں۔

"فتاویٰ الظاہریہ" جس کا بہت سا حصہ خزانۃ الواقعیہ سے اخذ کیا گیا

ہے ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد بخاری کی تصنیف سے ہے د ۶۱۹ھ)
"کنیۃ المنیۃ" مصنف مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الملقب بہ نجم الدین جس کی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی یہ کتاب جس قدر مشہور ہے اسی قدر زیادہ مسلم ہے
نوردی مصنف بیاگرافیکل ڈکشنری دلغات سوانح عمری، یا تہذیب الاسماء نے جس کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب اسی مضمون فتاویٰ میں تصنیف کی ہے جس کا نام "عیون المسائل المہمہ" ہے سوال جواب کے طور پر اس کی ترتیب دی ہے۔
"خزانۃ المفتیان" مصنف امام حسین بن محمد جس نے ۷۴۰ھ میں اپنی اس بیش بہا کتاب کی تکمیل کی اس میں فتاووں کا بڑا مجموعہ شامل ہے ہندوستان میں یہ کتاب بہت مستند نہیں تسلیم کی جاتی۔
"خزانۃ الفتاویٰ" مصنف احمد بن محمد ابو بکر حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر تیار ہوئی۔ اس میں نادر الوجود فتاویٰ ہیں" تاتارخانیہ مصنف امام عالم یہ کتاب کئی جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔ اور اس میں فتووں کا ایک عظیم الشان مجموعہ پایا جاتا ہے۔ اس نایاب کتاب کا بہت سا حصہ محیط البرہانی اور ذخیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔
فتاویٰ ابی سمرقندی اس کتاب میں علمائے سمرقند کے فتاوے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ وہ عالم ہیں جن کا ذکر فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع الفصولین میں ہر جگہ مع ان کے فتووں کے آیا ہے۔
"فتاویٰ زینیہ" مصنف زین الدین ابراہیم بن نجیم المصری مصنف بحر الرائق د ۹۷۰ھ

النفائر" ۱۰۹۷ھ میں اس کے بیٹے احمد نے ان کتابوں کی ترتیب دی۔

"فتاوی النکوری" مصنفہ شیخ الاسلام محمد بن حسین جس کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی یہ کتاب مشہور اور مستند ہے۔ "فتاوی حمیدیہ" گو یہ کتاب موجودہ زمانہ کی تصنیف ہے پھر بھی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔

"فتاوی المحمدیہ" یہ ان فتوؤں کا مجموعہ ہے جو سلطان ٹیپو کے حکم سے میسور کے علماء نے فارسی میں جمع کئے تھے۔ اس کتاب میں تین سو تیرہ باب ہیں۔

مسٹر ہرگٹن اپنے تجزیہ جلد اہیں اور بھی چند فتاوے کا ذکر کرتے ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) فتاوی البزازیہ (۲) فتاوی نقشبندیہ (۳) مختار الفتاوی (۴) فتاوی کرخانی آخر الذکر کی فارسی زبان میں تدوین ہوئی۔ جس کا مصنف صدر الدین بن یعقوب ہے اس کی وفات کے چند سال کے بعد کراخاں نے اس کی ترتیب سلطان علاؤ الدین کی سلطنت میں دی تھی۔

اب ان فتاوے کا ذکر کیا جاتا ہے جو حنفی اصول زمانہ حال کے مطابق قسطنطنیہ میں رائج ہیں اور خصوصیت سے ان ہی پر عمل درآمد ہوتا ہے وھلم جرا۔

"کتاب فی الفقہ القدوسی" مصنفہ حافظ محمد احمد قدوسی ۱۲۲۶ھ میں طبع ہوئی۔

"فتاوی عبدالرحیم افندی" یہ ایک نایاب مجموعہ ججمینٹ کا جو مختلف اوقات میں سلطنت ٹرکی میں اشاعت ہو چکا ہے اس کی ترتیب مفتی عبدالرحیم نے

دی تھی ۱۸۲۷ء میں طبع ہوا تھا۔

"جامع الاجارات" ایک مجموعہ فتاویٰ کا ہے جس میں صرف زراعت کے قواعد سے بحث ہوئی ہے اور اس میں معاوضہ وغیرہ کا بیان ہے جو اسامی زمیندار کو دیتا ہے محمد عارف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور ۱۸۳۶ء میں یہ طبع ہوئی۔

ایک مجموعہ فتاویٰ کاشتکاری کے متعلق ۱۸۳۹ء میں قسطنطنیہ میں ایم ڈی ایڈلبرگ نے شائع کیا تھا اس میں کتاب "ملتقی" کے مطابق فقہ کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔

وہ فتاوے جن میں فقہ اور فرائض دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں صرف دو ہی زیادہ ہندوستان میں مشہور ہیں۔ یہ فتاویٰ سراجیہ اور فتاویٰ عالم گیری ہیں۔

فتاویٰ سراجیہ میں صرف ایک بات ہی ہے کہ اس میں جو خاص فتووں کا مجموعہ ہے وہ اور دوسری کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔ فتاویٰ عالم گیری میں بیشمار قانونی مقدمات کا بیان ہے یہ کتاب اپنی کثیر المعنی اور قلیل اللفظ فطرۃ میں قریب قریب ہر مقدمہ کے ساتھ جس کی بنا حنفی اصول پر رکھی گئی ہے چسپاں ہوتی ہے اگرچہ مورخین فقہ کی آرار کی قیمت متقدمین فقیہوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی پھر بھی اپنی لاثانی نوعیت سے اس نے ہندوستان میں اپنے کو محترم بنا دیا ہے۔ جس کے نام سے یہ پکاری جاتی ہے وہ بادشاہ اورنگ زیب ہے جس کا علم و فضل میں ثانی مغلیہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔

اس نوعیت کی جتنی کتابیں ہندوستان میں رائج ہیں سب میں یہی کتاب عام طور پر زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہندوستان کے طولانی سلطنت اسلامیہ میں صرف زیب النساء نے فتاوےٰ عالمگیری کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا یہ وہ زیب النساء ہے جو اپنے باپ اورنگ زیب کی بہت پیاری تھی اور علم ادب بھی جو اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ جب حکومت مغلیہ کا دور ختم ہوا اور انگریزوں کا تسلط ہندوستان پر جم گیا۔ تو کلکتہ میں فورٹ ولیم کی کونسل کے حکم سے فتاوائے عالمگیری سے دو کتابوں جنایہ اور حدود کا ترجمہ فارسی میں قاضی القضاۃ محمد نجم الدین خان نے کیا اور ۱۸۱۳ء میں شائع ہوا۔

اسی سال مسٹر ہرنگٹن چیف جج صدر دیوانی عدالت کے حکم سے مولوی محمد خلیل الدین نے "رد المحتار" میں سے تعزیرات کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے چھپوا کر شائع کیا پھر ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں چار بڑے بڑے علماء نے کیا مگر بدقسمتی سے اس ترجمہ سے ہدایہ کی اصلی قیمت میں فرق آگیا بجائے اس کے کہ وہ اکثر مسائل کی توضیح جو ترجمہ کی حالت میں کی تھی بطور حاشیہ تحت میں جدا قائم کرتے۔ فاضل مترجموں نے یہ غضب ڈھایا ہے۔ کہ متن ہدایہ میں اپنی ارار کو بھی خلط ملط کر دیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ کہ ہدایہ والا کیا کہتا ہے اور مترجموں نے اس کے قول کی کیا توضیح کی ہے کئی مقامات سے ترجمہ اصلی عبارت سے ملتی نہیں ملتا یہ ہم کہ سکتے ہیں اور اس میں اصلاً شک نہیں کہ فارسی کا ہدایہ اصل ہدایہ کے بالکل ہم صورت نہیں ہو سکتا۔ میکناٹن محمڈن لا کے پروفیسر نے دہلی میں ہدایہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا

دربیت سال گذرے کہ دہلی میں طبع ہوا تھا۔ دوسرا ترجمہ ہدایہ کا کلکتہ
میں اردو زبان میں کیا گیا۔ اور چند سال ہوئے وہ طبع بھی کر دیا گیا۔

پھر سر ولیم جانس نے سراجیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور جب اسے
ختم کر چکے تو اسی کی شرح شریفیہ کا ترجمہ بھی اختصار کے طور پر پورا کیا۔ اور ساتھ
ہی اکثر مسائل پر اپنی طرف سے کچھ حاشی بھی دئیے ہیں جس سے فاضل مترجم کی لیاقت
معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد فتاوئ عالمگیری کے انتخابی حصہ کا ترجمہ انگریزی
میں مسٹر نیل بیلی نے کیا یہ حصہ بیع کے معاملہ میں تھا۔

ہدایہ فارسی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے وارن ہیسٹنگ کے حکم سے مسٹر
جیمس اینڈرسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ابھی ترجمہ پورا نہ ہوا تھا کہ آپ وول
خارجہ میں کسی ملکی کام پر بھیج دئیے گئے اور اس کی جگہ چارلس ہملٹن نے باقی ماندہ
ترجمہ کر کے نظر ثانی کی یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اصل ہدایہ عربی کو ترجمہ کرتے
وقت کھول کے بھی نہ دیکھا گیا۔ بلکہ اس فارسی کے ہدایہ سے ترجمہ کر لیا گیا جس کی
بابت ہم ابھی لکھ آئے ہیں ہمارے خیال میں یہ کتابیں جو فقہ حنفی کی تائید میں لکھی گئی
ہیں۔ ایک بے نظیر مجموعہ ان قوانین کا ہے جو ملکی اور کسی قدر جنگی اور زیادہ تر حسن
معاشرت یا پولیٹیکل اکانمی سے تعلق رکھتے ہیں گو انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے
مگر بعض حالتوں میں وہ جامہ ناموزوں ثابت ہوا ہے۔

اس وقت ہمارے آگے مذکورہ بالا کتابیں رکھی ہوئی ہیں جنہیں ہم بار بار دیکھ چکے
ہیں اور ان کے اختلافات پر بارہا غور کیا ہے۔ ایک عمیق نظر جب ان اختلافی تمدنی
معاملات پر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلاف ایک لازمی امر تھا۔ جو بمقتضائے

آب و ہوا مسائل میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ کی
آب و ہوا اور طبائع خلائق جن فقہی قوانین کی متحمل ہو سکتی تھیں ان ہی قوانین کی
سمر قند کے آدمی اور وہاں کا موسم برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ علم تو سیاست مدن کے
بارے میں ہوا۔ میں کہتا ہوں مذہبی حصہ فقہ میں بھی یہی بات ہے۔ مثلاً ہندوستان میں
ہندوستانی آفتاب کی رفتار کے بموجب نمازوں کے اوقات متعین کئے گئے ہیں
اور تمام مجتہدوں کی فقہ میں ہندی آفتاب کی تقلید کی گئی ہے۔ اب ہندوستان
سے ہمیں واشنگٹن کے اس حصہ میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں تین گھنٹے
سے زیادہ آفتاب غروب نہیں ہوتا اس ملک میں ناچار مذہبی حصہ فقہ میں ترمیم
کرنی پڑے گی نہ صرف نماز میں بلکہ وضو وغیرہ کے قواعد میں بھی تو پھر یہ بات بدرجہ ہوئے
ثابت ہو گئی کہ فقہی مسائل جیسے ملکی آب و ہوا کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسی
طرح ہر زمانہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ایسے شخص کیلئے جو کچھ بھی سمجھ سکتا ہے یہ
افسوس کی بات ہے کہ وہ کسی امام کے اقوال کو ہمیشہ کے لئے صدیوں تک ناطق ہی
خیال کئے جائیں اور کبھی ان میں ترمیم تنسیخ کرنے کا خیال بھی نہ لائے۔ امام اعظم صاحب
کی تصنیف سے جو کتابیں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ ایسی مختصر ہیں کہ انکے مسائل جب تک
انہیں وسعت نہ دی جائے کبھی سود مند نہیں ہو سکتیں جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں
ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام اعظم کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ
ایک ایسے مجتہد کی کتاب ہے جسکا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے
کہ آج تک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر
مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے

کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا - اس سے ثابت ہوگیا کہ ہر شخص آزاد ہے چاہے وہ کسی امام کی ان مسائل میں جو ملک کی آب وہوا اور طبائع کیلئے موزوں ہیں پیروی کرے مگر اس کی پیروی اس حالت میں سود مند ہوسکتی ہے جب حکومت کی طرف سے بھی ان ہی قوانین کا عمل ودرآمد ہو۔ نہیں تو محض فضول ہے -

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں امام اعظم اور ائمہ کا اختلاف رائے دکھایا ہے - اور پھر ثابت کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب کی رائے کتنی ٹھیک بیٹھی ہے ہم ذیل میں ان مسائل کو بلفظہ نقل کردیتے ہیں اور پھر ایک سرسری نظر ان پر ڈالیں گے۔ (از سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۷-۱۵۱)

امام ابوحنیفہ کے مسائل		اور ائمہ کے مسائل
(۱) نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے		ایک اشرفی کا ربع (۱)
(۲) اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا		امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ (۲) کاٹا جائے گا۔
(۳) نادان بچہ پر قطع ید نہیں۔		امام مالک کے نزدیک ہے۔ (۳)
(۴) کفن چور پر قطع ید نہیں۔		امام مالک کے نزدیک ہے۔ (۴)
(۵) زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں		امام مالک کے نزدیک ہے۔ (۵)
(۶) بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔		امام مالک کے نزدیک ہے۔ (۶)
(۷) قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ		اور ائمہ کے نزدیک ہے (۷)

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے ۸
۸۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں	
۹۔ ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔ ۹
۱۰۔ غیر مذاہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عمل داری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۰
۱۱۔ قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۱
۱۲۔ لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ ان کے سرقہ سے قطع ید لاحق نہیں آتا۔	اور آئمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔ ۱۲
۱۳۔ پھر ص ۲۲ میں شبلی صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔	
۱۴۔ جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔ ۱۴
۱۵۔ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے	امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ ۱۵

ںدوں کے اختلاف آرائے کا جس سے ایک سمجھ دار آدمی وزن کر کے دیکھ سکتا ہے
س کی رائے ٹھیک ہے اور کس کی رائے نادرست ہے۔ جب وہ اس پر دل سے
جہ کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ بعض مسائل امام ابو حنیفہ کے درست ہیں تو بعض
سائل ہیں اور آئمہ کی رائے صائب ہے۔ مجھے تعجب یہ ہے کہ شبلی صاحب صرف
ی دو چار دس بیس مسائل سے امام ابو حنیفہ کی فضیلت کیوں کر اور آئمہ پر ثابت
سکتے ہیں۔ اجی حضرت آپ کس خیال میں گئے ہزاروں کتابیں انھیں مسائل کے
تلاف سے بھری پڑی ہیں جب تک ان مسائل کی فہرست نہ بنے اور کوئی بیچ فیصلہ کرنے والا
ہو نا ممکن ہے کہ ایک امام کی رائے کو دوسرے امام پر ترجیح دینے کی گنجائش پا سکے اور
ت ہے کہ اپنے مطلب کی دو تین اُلٹی سیدھی مسائل لے کر امام اعظم کی فضیلت کا راگ
نے لگے۔ ایسی باتیں کچھ زیادہ وزن کی نہیں ہوتیں۔ اور ان میں ہمیشہ کچھ چھوڑا پن
یا جاتا ہے۔ یہاں ہم ان ہی چند مسائل پر بحث کرتے ہیں۔ اور ہم ان شبلی صاحب کو دکھانا
ہتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس میں کس قدر ناکام ہوئے۔

پہلا دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے
تو امام حنیفہ کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ یہ ایک زبردست اجتہادی خطا
ہے شریعت اسلام نے مطلق چوری کی سزا قطع ید رکھی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کا جس
پر چور کا اطلاق ہو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اگر امام اعظم کا خیال
صحیح ہو تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ میں کہتا ہوں بڑی قباحت لازم آئے گی۔ کبھی کوئی
تنہا چوری کرنے کا نہیں جب ان کے دل سے قطع ید کا خوف جاتا رہا تو وہ مل کے
حضرات کے سے دن دہاڑے چوری کریں گے۔ اور امام ابو حنیفہ کی بدولت ہیج

عالم دیں تمام دنیا کے فوجداری قوانین میں یہ بات ہرگز نہ ہوگی ایک فعل برا ہے اگر ایک گروہ اس کو کریگا تو اس پر بھی وہی جرم عائد کیا جائیگا۔ جو ایک تنہا فاعل پر کیا جاتا پہلے قوانین انگریزی میں بھی یہ بات تھی کہ اگر کئی شخص ایک آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ تو انہیں پھانسی کی سزا نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ وہ کالے پانی روانہ کیے جاتے تھے حقیقت میں یہ بڑا ظلم تھا مقتول کے ساتھ ہرگز عدل نہیں ہے کہ اس کے قاتلوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی شخص ایک شخص کو مارے گا۔ تو اس خیال سے کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ ہو جائے یا اپنی کم طاقتی کے خیال سے یا کسی اور وجہ سے قتل کرنے میں مقتول کو تکلیف بہت کم دیگا۔ کیوں کہ وہ یہ چاہے گا جس طرح ہو جلد اس کا کام تمام کردوں مگر جب کئی مارنے والے ہوں گے تو ان کی مجموعی قوت مقتول کی طرف سے بے پروا بنادیگی۔ اور پھر جس طرح ان کا جی چاہے گا۔ باطمینان اسے قتل کریں گے۔ اکثر خون کے مقدموں میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں کئی قاتل گرفتار ہوئے ہیں مقتول کی نعش سے ملاحظہ کے وقت یہ معلوم ہوا ہے کہ قتل کرتے وقت قاتلوں نے اس پر بہت ظلم کیا ان حالتوں میں بھی قاتل سزائے موت سے بری کیے جاتے ہیں مگر جوں جوں عدل اور عقل کو ترقی ہوئی وہ تاریک ترد ائے ہمارے حکام کی جاتی رہی اور اب تو یہاں تک ہو گیا ہے کہ اگر ایک شخص کو سو آدمی قتل کرتے پکڑے جائیں گے تو سو کو پھانسی ملیگی پھر ایسی حالت میں ہم ابوحنیفہ کی رائے کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں جو نہ صرف عقل و نقل کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسے قوانین سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔

دوسرا ایک اور بھی مذاق کا مسئلہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفن چور کا کفن کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنا چاہئے۔ مگر اور ائمہ کہتے ہیں کہ کاٹنا چاہیے میں کہتا ہوں کہ

نا چاہیئے۔ کیونکہ یہ شرعی چوری ہے اور مال وغیرہ کی چوری دنیاوی چوری ہوتی ہے
قطع ید سے بھی زیادہ سزا ائمہ اس کی تجویز کرتے تو شایاں تھا وہ باتیں جو مخرب اخلاق
ر زمانہ میں اسلام نے انہیں بہت روکا ہے۔ یہ مانا کہ مردہ کا کفن اتارنا کسی شخص کے
نقصان کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مگر جس کی یہ فطرت ہو کہ انسان کی ایسی حالت پر جب
وہ نہ بول سکتا ہے نہ چل سکتا ہے۔ نہ حملہ کی مدافعت کر سکتا ہے رحم نہ کرے اور اس
انتہا درجہ کی مظلومیت پر بھی اسے ترس نہ آوے تو ایسا سنگدل اگر زندہ انسان کی
کسی موقع پر کھال اتار لے تو کچھ بعید نہیں۔ ان مذہبی روایات کو جن میں موت کے
بعد انسان سے پیش آنے اور کسی طرح اس کی پردہ دری نہ کرنے کا حکم ہے اگر ہم اخلاق
اور تہذیب کے معاملہ میں نظر کریں گے۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ سنگدلی کا
پیشہ دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ بنی ہوئی قبر کو اندھیری رات میں کھودنا اور ایک عصمت
پناہ خاتون یا ایک پاکباز مرد کے جسم کو کفن اتارتے وقت بڑی تذلیل کے ساتھ قبر میں بٹھا
دینا کیسا سخت اور غیر قابل معافی جرم ہے۔ اکثر عصمت پناہ خواتین جان کندنی میں یہ
وصیت کر جاتی ہیں کہ ہمارا جنازہ غروب آفتاب پر اٹھے اور اس وصیت سے یہ غرض
ہوتی ہے۔ مبادا کسی نامحرم کی آنکھ پڑ جائے۔ جن کی حالت زندگی میں یہ فطرت ہو پھر
کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان ہی کے بے جان جسم کو جس میں نہ قوت خود رہی نہ اپنی حالت
پر برقرار رہنے کی طاقت برقرار رہی اور جن کی عصمت پناہی سے خود عصمت کو بھی فخر
تھا اس طرح برہنہ کیا جائے اور ذرا بھی رحم نہ آوے میرے خیال میں کفن چوری کا
جرم قتل سے دوم نمبر کا خیال کرنا چاہیئے۔ جتنا اس جرم کی گہری فطرت پر خیال
کرتے جاؤ گے۔ اس کی مہیب صورتیں نکلتی آئیں گی اور بعد ازاں از خود یہ یقین ہو جائیگا

مولانا شاہ اسمعیل صاحب شہید پر محض تعصب سے الزامات قائم ہوئے ہیں
بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا اصلی مذہب یہی تھا۔ ان پر نہ مقلد کا لفظ عاید ہو سکتا
ہے نہ غیر مقلد کا وہ بجائے خود ایک مجتہد تھے۔ پھر انہیں ان استنباطی مسائل کی
تقلید اور غیر تقلید کرنے سے غرض کیا تھی۔ صحاح ستہ جو ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں
مدون ہوئی تھیں۔ ہمارے مجتہد وقت کے سامنے کھلی رکھی ہیں جو کتابیں فقہ کی ہم نے
اوپر بیان کیں ان میں مجتہدین کے اختلافی مسائل اور مختلف آراء کا ایک پیچیدہ مجموعہ
پایا جائے گا۔ اور صحاح ستہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارک ملیں گے
گو اختلاف کے ساتھ ہی سہی۔ پھر بھی ہر قوم پر قول نبی کا خیال ہوگا۔ اور اس کے
بعد درجہ تحقیق پر ناظر پہنچ جائے گا۔ بعد یا مسائل جو فقہ کی کتابوں میں لکھے گئے
ہیں۔ صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ صحاح ستہ پر جن
میں آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع ہوں۔ مجتہدوں کی تصنیف
کی ہوئی کتابوں کو فضیلت دیں یہ سخت ناانصافی اور سوء ادبی ہوگی۔ یہ خیال
حد سے زیادہ زیبا ہے کہ امام اعظم کو ہم تمام احادیث کا حافظ بتا دیں۔
یہ محض ناممکنات سے ہے۔ وہ تو پہلی صدی کے اختتام پر پیدا ہوئے تھے۔
جنہوں نے مشکل سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے شاید کسی
کو دیکھا ہوگا۔ مگر وہ صحابہ جو مدتوں تک اپنے مخزن موجودات و رحمت عالم کے
ہمرکاب رہ چکے تھے۔ انہیں خود بعد احادیثیں یاد نہ تھیں۔ چنانچہ جب
حضرت صدیق اکبر سے دادی کے حصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو
آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو

کون سا حصہ دلوایا ہے۔ میں نے کبھی اس کی بابت نبی اکرم کی زبان مبارک سے کچھ نہیں سنا۔ پھر آپ نے ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو دادی کے حصہ کی بابت معلوم ہو تو بیان کرے یہ سن کر مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تیرے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے۔ محمد بن سلمہ نے اس کی صداقت پر شہادت دی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اطمینان ہوا۔ تو آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ جب یار غار کا یہ حال ہو کہ اسے بہت سی حدیثیں یاد نہ ہوں۔ تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ چار مجتہدوں میں سے فلاں مجتہد کو تمام حدیثیں یاد تھیں ؎

این خیال است و محال است و جنوں

مولانا شہید جنہیں خود مجتہد ہونے کا فخر حاصل تھا۔ کبھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑے نہ انہیں تقلید و غیر تقلید سے غرض تھی اور نہ وہ قوم میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا منشا صرف یہ تھا۔ کہ ہر مسلمان موحد بن جائے اور شرک و بدعت مسلمانوں میں سے نکل جائے۔ اس عجیب جوش اور نتھرے ہوئے اصلاح کے خیال نے اپنا اثر کیا۔ اور جس قدر تھوڑی مدت میں اصلاح ہوئی۔ وہ اپنا نظیر دہلی کی تاریخ میں نہیں رکھتی۔

ناحق آپ کی ذات والا پر الزام قائم ہوتے ہیں۔ کہ انہوں نے یہ کیا اور انہوں نے وہ کیا وہ مقلد تھے یا غیر مقلد تھے یا وہ وہابی تھے نا فہم الزام دینے والے اگر ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ تینوں الفاظ اس

والا ذات پر عاید نہیں ہو سکتے۔ جس نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ دین کی مدد کی اور خونخوار سکھوں سے اپنے بھائیوں کے خون کا عوض لیا یہ باتیں کوئی معمولی اور سرسری نظر سے دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ ان پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ کی والا شان ذات ان بیہودہ الزامات سے بہت دور ہے۔ جو شخص آپ کی سوانح عمری بغور پڑھے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس پایہ کا شخص تھا۔ اگر کسی سلطان کے ہاں پیدا ہوتا تو دنیا میں اشاعت اسلام کہاں تک کرتا۔ اور اب بھی ہم تو یہی کہتے ہیں کہ توحید پرستی کی زبردست بنیاد وہ ہندوستان میں جما گیا۔ اگر خدا نخواستہ وہ پیدا نہ ہوتا تو خیر نہیں مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی اور وہ دین خدا میں کہاں تک رخنہ ڈالتے۔

مولنا شہید کی تصنیفات میں شاید ایسی ایک آدھ کتاب کوئی ہوگی۔ جس میں تقلید غیر تقلید کا اشارتاً بھی کہیں ذکر ہو۔ ورنہ کل کتابیں اصلاح مسلمین میں لکھی گئی ہیں۔ اور بت پرستی سے مسلمانوں کو بچایا گیا ہے۔

تقلید و غیر تقلید کا ایک ایسا بھنگم مسئلہ ہے کہ اس پر کوئی سمجھ دار آدمی تو گفتگو نہیں کرنے کا سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ نتیجہ ہی نہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اجتہاد امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل پر تمام ہو گیا۔ اور ان میں ہر مجتہد بجائے خود وہی کی بازگشت بنا ہوا ہے یعنی ہر امام کا گروہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے امام صاحب خطا سے بالکل پاک ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور خدا سے دعا مانگنی چاہیئے کہ ان پر رحمت نازل ہو۔ اور اس جنون سے ان کی خلاصی ہو ایسی عقل کے لوگ بحث

کچھ بھی نہیں کھلتی۔

زمانہ کی آب و ہوا ابھی درست پابندی کے موافق نہیں ہے۔ گو ابھی نہیں اس کا مضر نتیجہ نہیں دیتا۔ مگر آئندہ موجودہ عملی حالت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور پھر اس پابند کا کاٹھ کا الو بن جائے گا۔ اس پابندی کے ہماری گذشتہ اور موجودہ نسل پر جو کچھ بار نما بلکہ زہریلا اثر کیا ہے وہ سخت ہیبت ناک ہے اور اس کا نتیجہ قوم کے غارت ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا ایسا روز بد نہ دکھائے ؎

چودھواں باب

دین اسلام میں سہولت

دنیا کی مذہبی تواریخ میں یہ نظارہ بھی عجیب و غریب فیکٹس[1] سے پُر ہے۔ کہ مذہب اسلام میں جس قدر سہولت ہے کسی مذہب میں بھی نہیں ہے جہاں صاف صاف یہ حکم ہے "اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہاں تک اس کی وسعت ہو" پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان پر فرائض دینی ادا کرنے کا اسی قدر بوجھ نہیں رکھا گیا جتنی کہ اس کی طاقت ہے۔ اسلام کی پابندی عین آزادی ہے اور مذہبوں کی آزادی عین پابندی ہے نہ اسلام نے دولت مندوں کو جہنمی ٹھہرایا ہے نہ راہبانہ حیات کی تعریف کی ہے۔ نہ دنیا سے کنارہ کشی کرنا افضل بتایا ہے نہ اپنے کسی عضو کو خدا کی نذر کر دینا سکھایا ہے۔ نہ کسی کنویں میں الٹا لٹک کر عبادت کرنی سکھائی ہے۔ وہ ان تمام فضول باتوں سے انسان کو بچاتا ہے اور ہمیشہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہمارے علمائے دین اسلام کو ایسی مہیب صورت میں پیش کر رہے ہیں جسے دیکھ دیکھ کر خود مسلمانوں کے دل کانپے جاتے ہیں بھلا غیر مذہب والے تو کیوں خوف کے مارے قریب آنے لگے۔

وہ پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل مسائل جو بیچارے مسلمانوں کے آگے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ تم اس کے پابند ہو قرآن ہو[2]

[1] Facts.

اسلام کی نفس تعلیم سے انہیں کچھ علاقہ نہیں اسلام ان فضول باتوں سے بہت دور ہے اسلام کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ چڑے چڑیا کی کہانیوں میں پابند رہے اور معمولی طرز معاشرت میں زبردستی بیٹھا چلا جائے ایک شخص وضو کرنے بیٹھا اس نے کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے لیا اس پر فتویٰ دے دیا گیا کہ تیری نماز اگر اس وضو سے پڑھیگا تو ناکارہ جائیگی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے وہ خدا کی درگاہ میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے۔ یا جس نے تین دفعہ منہ پر چھینٹے مارنے کی بجائے چار دفعہ مار لیے وہ شخص بھی خدا کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے یا جب تک پائجامہ شرعی نہ ہو۔ نماز درست ہی نہیں ہو سکتی یا اگر لبیں نہ کتری ہوئی ہوں تو وہ شخص مسلمان نہیں یا اگر اس نے کسی مجتہد کے استنباطی مسئلہ پر نکتہ چینی کی یا اپنا شبہ ظاہر کیا وہ کافر بنا دیا گیا۔ پہلے زمانہ میں تو یہ کیفیت تھی کہ غیر مسلم کو مسلمان بنانے کے لیے لاکھوں روپیہ اور جانیں ضائع ہوتی تھیں۔ بااب وہ زمانہ ہے۔ کہ ہمارے علماء پرانے مسلمانوں کو دھکے دے دے کر نکال رہے ہیں اور کافر بنائے جاتے ہیں غضب خدا کا مولانا شہید جیسا پاک نفس اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے صرف اتنی سی بات پر کہ اس نے یہ کہا تھا خدا کے جلال کے آگے کسی کی بھی کچھ اصل نہیں خواہ نبی ہو یا غیر نبی وہ آخر الزمان نبی جیسے ہزاروں نبی پیدا کر سکتا ہے۔ مگر یہ اس کی عادت نہیں جو وعدہ کر چکا ہے پورا کرتا ہے۔ صرف اس قدر لکھنے پر ایک دندمچ گیا اور ہر طرف کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے۔ اگر یہی شعار ملت اسلامیان پر یہ شعر موزوں ہوتا ہے[1]

صورتوں پر کلام کرنا تھا نہ قابلِ تعریف کی تعریف بیان کرنے کی انہیں فرصت تھی نہ قابل حصر کا حصر کرنا جانتے تھے۔ یہ ساری باتیں ان کے منشاءِ عالی میں خلل انداز تھیں نبی اکرم وضو فرماتے تھے صحابہ دیکھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ وہاں یہ بیان نہیں کیا جاتا تھا کہ وضو میں یہ فرض ہے یہ مستحب ہے یہ فرضی باتیں اسلام سے بہت دور ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں اور امام شافعی ان چار میں دو اور بھی اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب۔ امام مالک بجائے ان کے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے یہ کج بحثیاں نفسِ اسلام میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے اور خود بھی اسی طرح پڑھنے لگتے تھے۔ کیا مجال تھی ایسی کوئی بات دریافت کرتے جس سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا۔ اور وقت میں لیجئے جتنا نبی کرم نے حج کیا صحابہ نے بھی اسی طرح ارکان حج ادا کیے نبی اکرم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وضو کے چھ فرض ہیں یا چار نہ آپ نے یہ فرمایا کہ انسان بلا موالات وضو کرے یہاں تک کہ اس پر فساد یا صحت کا حکم کیا جائے۔ صحابہ اس قسم کی غیر نتیجہ خیز بات دریافت ہی نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی تو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر ہو۔ انہوں نے تمام زمانہ نبوت میں رسول اللہ سے صرف تیرہ مسئلے دریافت کیے۔ اور وہ سب مسئلے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ مسئلہ ہے تجھ سے شہر حرام میں قتال کرنے سے سوال کرتے ہیں

عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے۔ اصحاب کبھی بنی اکرم سے ایسا سوال نہ کرتے تھے۔ کہ جو انہیں منفعت نہ بخشے۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ ہم نے کبھی ایسا سوال نہیں کیا۔ جس کا نفع دائمی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص پر نفرین کی ہے۔ جو ایسی چیز کا سوال کرے جو ناپید ہو۔ قاسم نے کہا تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو کہ ہم نہیں دریافت کرتے تھے۔ اور تم ایسی چیزوں سے کاوش رکھتے ہو جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے تھے۔ اور اگر ہم انہیں جانتے تو ہم پر ان کا چھپانا جائز نہیں تھا۔

عمر بن اسحاق نے کہا۔ جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں ملا ہوں وہ ان اصحاب رسول اللہ سے اکثر ہیں جو پہلے گذر چکے تھے میں نے خوب خوب غور کے بعد بھی کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ ان سے سہولت میں زیادہ اور شدت میں کم ہو۔ عباس بن کندی سے ایک مری ہوئی عورت کے باب میں سوال کیا گیا۔ کہ اس کا کوئی ولی نہ تھا۔ اس نے آزردہ ہو کر جواب دیا میں ایسی قوموں سے ملا ہوں کہ وہ تمہاری طرح شدت نہیں کرتے تھے۔ نہ ایسے مسائل دریافت کرتے جیسے تم دریافت کرتے ہو۔

بنی اکرم جب مسلمانوں کو نیکی کرتے دیکھتے تھے تو اس کی تعریف کرتے تھے اور اس خوش منظر سے پھولے نہ سماتے تھے اور جب آپ بدی کرتے دیکھتے تھے تو عام جلسہ میں عام طور پر سب کو مخاطب بنا کر بیان فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں یہ غضب ہے اگر کسی بھائی مسلمان سے کوئی خطا ہو گئی۔ اس پر فوراً کفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔ چاہے وہ ہزار بخت توبہ ہی کرے یک دفعہ تو اسے کافر بنا دیا جائے گا

ہر بانیٔ اسلام نے اپنی پیاری بیٹی بی بی رقیہ کے قاتل کو جب وہ مکہ فتح ہونے کے بعد گرفتار ہو کر آیا۔ رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ اور ایک بھی حقارت انگیز کلمہ نہیں کہا۔

مسلمانوں کو ایسے جلیل القدر نبی کی تقلید کرنا چاہیے۔ یا موجودہ زمانہ کے فیصلے اور بات بات پہ منہ میں کف بھر لانے والے ملّاؤں کی۔

مولانا شہید نے ان مشکلات کو جو دین کے بارہ میں پڑ گئی تھیں دور کر دیا تھا اور مسلمانوں کو خدا کے احکام کا سچّا پابند بنا دیا تھا۔ گور پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ پیر پرستی کی شرمناک اور روحانی مضرت دہ تکلیفوں سے نکال کر اس ایک خدا کی پرستش سکھا دی تھی۔ جس کا مصدق قرآن مجید ہے۔ آپ نے اس بے ہودہ تعظیم وتکریم کو اڑا دیا تھا۔ جو ہندوستان خصوصاً دہلی میں زیادہ رائج تھی۔ اور سلام علیکم کہنے والوں کے منہ پہ تھپڑ لگا کرتا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی آداب تسلیمات کورنش کے سوا کچھ اور کہتا۔ امیروں کے آگے دست بستہ کھڑے رہنا اور بات بات پہ جھکنا ایک عبث اور ناجائز امر تھا۔ جسے شریعت غرا نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مولانا شہید اس سے منع کرتے اور دن بدن بیہودہ تعظیم کی تقلید سے لوگوں کو آزاد کراتے جاتے تھے۔ کل مومن آپس میں بھائی ہیں۔ جہاں یہ حکم ہو۔ وہاں پھر کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص کے آگے دوسرا شخص دست بستہ اس طرح کھڑا ہو۔ جیسے وہ خدا کے آگے کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً

فلیتبوء مقعدہ من النار۔

یعنی رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کو یہ خوش آوے کہ لوگ اس کے آگے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں قرار دے"۔ یہ اسلامی ہدائتیں اور روشن باتیں ہیں جو مولانا شہید نے لوگوں کو تعلیم کی تھیں۔ وہ والا شان آخر الزمان نبی جس کی جلال ذات نے تمام جہان کو اِس کونے سے اُس کونے تک منور کر دیا۔ جس کی عظمت کے آگے دنیوی شہنشاہ چماروں کے برابر ہیں۔ ایسے جلیل القدر نبی نے یہ حکم کر دیا تھا کہ جب میں آیا کروں کوئی کھڑا نہ ہو۔ جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلعم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھتیہ لذ بلک "کہ اصحاب کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ پھر بھی جب حضرت کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس میں حضرت کی ناخوشی تھی۔ یہ صریح باتیں جب مولانا شہید بیان فرماتے تھے تو نافہم یہ الزام لگاتے تھے۔ کہ یہ رسول اللہ کا ذرا ادب نہیں کرتے۔ اس نافہمی اور کوڑمغزی نے یہاں تک ترقی کی کہ مولانا شہید پر کفر کا فتوی لگا دیا گیا۔ اور بہت دھوم دھام سے اسے شایع کیا گیا۔ اور اب تک اسی دماغ کے لوگ ان پر بغلیں بجاتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں سے کچھ بھی تعجب نہ کرنا چاہیے وہ اگر اس سے بھی زیادہ کفر بکیں تو تھوڑا ہے۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جیسی آفتاب کی روشن کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوتیں اسی طرح مولانا شہید کی ذات والا کی تابانی میں ایسے بے معنی الزامات سے کچھ دھندلا پن

نہیں آتا۔ ہاں الزام قائم کرنے والوں کی ناتراشیدہ طبیعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسلام کو اگر سب ادیان پہ فخر ہے۔ تو اس بارہ میں کہ اس میں سہولت بہت ہے۔ اور جب تک صحابہ اور خلفا کی حکومت کا دور دورہ رہا سہولت جوں کی توں بنی رہی۔ اور جب سے کوڑ مغز مولویوں کے ہاتھوں میں دین کی باگ آئی ہے۔ انہوں نے کوشش کر کر کے اور جان لڑا لڑا کر اس کو مشکل سے بھی زیادہ مشکل بنا دیا۔ بلکہ اس سے بھی کئی درجہ آگے بڑھا دیا جس پر یہ شعر صادق آسکتا ہے۔

ملنا ترا نہیں اگر آسان تو سہل ہے ✽ دشوار تو یہ ہے کہ وہ دشوار بھی نہیں

یعنی ہر شخص آج اسلام کو مخاطب بنا کر یہ کہتا ہے۔ اے اسلام اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا تو یہ بات سہل تھی اور ہم اسے حاصل کر لیتے یعنے جب آسان نہ ہوگا تو مشکل ہوگا۔ اور مشکل بات کوشش اور محنت ہی سے حاصل ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ آپڑی کہ وہ دشواری کے درجہ سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے پھر بھلا اس تک کون پہنچ سکتا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور پشتینی مسلمان ہیں۔ ملانوں کی نوک جھوک سے ان کا دم ناک میں آگیا ہے۔ صورت دیکھی اور کانپ گئے۔ انہوں نے اول دن سے یہ سبق پڑھایا ہے کہ اگر وضو میں چار فرض تسلیم نہ کروگے تو کافر ہو جاؤگے۔ اور اگر حیلہ شرعی نہ کروگے تو فاسق ہونے میں تو شک ہی نہیں ہے۔ یا اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی تو قطعی جہنمی ہو گئے یا پکار کر آمین کہی تو اشد کفر کے دائرہ میں آگئے۔ یا رفع یدین کر لیا تو جہنم کا ساتواں درجہ رہنے کے لیے ملے گا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قیود ہیں۔

جن کی پابندی انسانی فطرت سے تو بہت بعید ہے پھر کون خیال کر سکتا ہے۔ کہ اسلام
ترقی کر سکتا ہے۔ اور پھر اسے ابتدائی صدیوں کا سا زمانہ حاصل ہو جائے گا۔ مولانا
شہید نے اول ہی اول جب مسلمانوں کو ان بیہودہ قیود سے آزاد کرانا
چاہا تو پہلا غضب ناک اور کریہہ الزام جو ان پر لگایا گیا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ نبی
عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ اس لیے یہ شخص کافر ہے
کیا نبی اکرم کا یہی ادب ہے کہ نبوت اور بعثت کی اصلی حقیقت کو مٹا کر ہم کیا
کیا ناپاک جملوں سے آپ کو یاد کریں۔ اور ایک وہمی دلبر کی طرح ناک
بھوں زلف گردن رخساروں وغیرہ کی تعریف کریں۔ یا ایسے جملے استعمال کریں
جو خدا ہی کی ذات کے لیے خصوصیت رکھتے ہیں۔ ایسی ایسی ناپاک اور دائرہ
کفر میں لانے والی باتوں سے مولانا شہید نے روکا تھا۔ ہم کہتے ہیں اگر اسی
کو کفر کہتے ہیں۔ تو ہمیں ایسے کفر پر ناز ہے۔ خدا کرے ہمارا دنیا سے اسی قسم
کے کفر پر خاتمہ ہووے۔ آمین،

جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدومد سے خود منع فرمایا ہے
کہ مجھے دیکھ کر میری تعظیم کو نہ اٹھو۔ وہاں یہ غضب کیا جاتا ہے کہ مولود کی مجلس
میں یہ خیال کر لیا جاتا ہے۔ نبی اکرم قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔ اور معاً لوگ اٹھ
کھڑے ہوتے ہیں حقیقت میں اگر غور کیا جائے گا تو نبی عربی سے یہ زبردست
ضد ہو گی کہ آپ تو سخت تاکید فرما رہے ہیں کہ میری تعظیم کو نہ اٹھو اور ہندوستان
میں ہر جگہ زبردستی آپ کو ہر محلہ اور ہر ناپاک مکان میں ایک مولودی کے ذریعہ
بلایا جائے۔ اور پھر سر تا پا کھڑا ہوا جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ اگر ایسے

کیا بس اسی وقت سے کا فر مطلق ہو جاتا ہے۔ تمام ہندوستان میں ایک ہی آن میں بیسیوں جگہ مولود ہوتا ہوگا۔ یہ بڑے تماشا کی بات ہے کہ آن واحد میں رسول اللہ کو سب جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہ سخت گستاخی اور بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ہم ذرا بھی اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اپنی جانوں پہ کیا غضب ڈھا رہے ہیں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ہم ایک معمولی رئیس کو ہر بار بے تکلیف اپنے گھر پہ نہیں بلا سکتے۔ کیونکہ ہمیں دو باتوں کا لحاظ ہے۔ اول تو ادب اور دوسرے اس کی ناراضگی جب ایک ادنی دنیا کے کتے کا ہم اتنا ادب کرتے ہیں سخت غضب اور ماتم کا مقام ہے کہ شہنشاہ دین و دنیا کا ذرا بھی ادب نہ کریں۔ ہماری عقلوں پر افسوس! بھلا ان افعال شنیعہ پہ ہماری نجات کیوں کر ہو سکے گی۔ کیا اسی منہ سے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں حیف ہے کہ ہم مفخر موجودات رحمت عالم کا ذرا بھی ادب نہیں کرتے جب جی چاہا اپنے دو تین ناسخ اور سخت ناپاک دوستوں دعوت کی جن دوستوں میں کسبیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور ایک کمبخت نابکار مولود کہنے والے کو ایک چونی اور کھانا کھلانے کی خوشخبری دے کر بلوا لیا اور پھر اس نے گدھے کی طرح ادھر ادھر منہ پھاڑ کر کریہ آواز نکالنی شروع کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والا شان ذات میں ایسی ایسی باتوں کو آمیز کر کے دکھایا اور وہ وہ سخت تہمتیں اٹھائیں کہ سچے مومن کا زہرہ شق ہو جاتا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے نبی اکرم جب معراج میں تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے استقبال کے لیے خدا خود عرش سے اٹھ کر آ گیا۔ کبھی عرش کی دوری گزدن

اور پھر میلوں سے ناپی جاتی ہے۔ کبھی خدا کو معطل بنا کر تمام کاروبار کی کنجیاں رسول اللہ کے ہاتھوں میں دی جاتی ہیں۔ کبھی شاہ عبدالقادر جیلانی کو رسول اللہ کا رکن بنایا جاتا ہے۔ ہمارا زہرہ نہیں ہے کہ ہم ان الفاظ کو خود بھی رسول اللہ کی شان میں استعمال کریں جو مولودیئے اکثر کہا کرتے ہیں۔ وہ کھانا جو مولود میں رسول اللہ کے نام پر پکایا جاتا ہے۔ خدا کے نام پر اس کھانے میں سے ایک دانہ بھی نہیں دیا جاتا۔ بلکہ جو شخص روپیے خرچ کر کے مولود کرواتا ہے۔ وہ اپنے خاص دوستوں کو ہی شوق سے کھلاتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اتفاقیہ ایسی ایک مجلس میں میرا ایک دوست جا پہنچا تھا۔ اس نے خون آلود نظارہ کا جو مجھ سے بیان کیا روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی اور زہرہ شق ہونے لگا وہ بیان کرتے تھے کہ:۔

"ایک شخص شریف صورت سفید لباس پہنے ہوئے دسترخوان پر آ بیٹھا کہیں صاحب خانہ نے اسے دیکھ لیا اپنے دوستوں سے کہا اسے اٹھا دو وہ سخت ہو گئے پہنے سے اسے اٹھانے لگے اس نے آبدیدہ ہو کر کہا میں سید ہوں آج مجھ پر تیسرا وقت گذر چکا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مرتے وقت سور کا گوشت بھی حلال ہو جاتا ہے۔ چلو اسی مجلس میں چل کر اپنا پیٹ بھر لو۔ گو اپنی تمام عمر میں ناخواندہ کسی کے ہاں نہیں گیا مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کی اس دردناک زاری پر بھی کسی نے توجہ نہ کی۔ اور اس بے چارے کو بری طرح دھکے دے کر نکال دیا۔ اور آخر میں یہ کہا گیا ایسے بے ادب بنتے ہو جہاں بی صاحبہ اور شہر کے رئیس وغیرہ بیٹھے ہیں وہاں دسترخوان پر آ بیٹھے ہو۔ خیر گھر جا۔

ان کے آگے سے جو کچھ بچے گا نوکروں کے ساتھ تجھے دے دیا جائیگا یہ سن کر وہ تاب
ہوا وہ چلا گیا۔ میرا دوست بیتاب ہو کر اٹھا۔ صاحب خانہ چونکہ بڑے دوست
تھے روکنے لگے کہ ہائیں حضرت آپ کہاں اور دستر خوان پر سے اٹھنا این چہ
انہوں نے صاف کہہ دیا آج سے میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا تم مسلمان
نہیں ہو دیکھئے تم پر خدا کا کیا غضب نازل ہوتا ہے۔ کہ تم نے ایک سید کو ذلیل
کیا اپنے گھر سے بھوکا نکالا اور نبی اکرم کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ کیا۔ یہ سن کر اور
بھی دو تین آدمیوں نے ہمارے دوست کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اب اس سید کی
تلاش ہونے لگی دور دور دیکھ آئے پتہ بھی نہ لگا۔ ہاں تیسرے دن سنا کہ ایک
بے وارثی نعش جنگل میں پڑی ہوئی ملی پولیس نے تلاش کے بعد ایک چٹھی متوفی
کی جیب سے نکالی اس میں یہ لکھا تھا جو پولیس کے افسر سے لے کر ہم لعینہ!

درج ذیل کرتے ہیں۔

"خودکشی کہ فی اسلام میں حرام ہے۔ مگر میں خودکشی نہیں کرتا بلکہ درحقیقت
اپنے کو ایک سنگین جرم پر سزا دیتا ہوں اور سنگین جرم یہ ہے کہ میں ایک مولود کی
مجلس میں چلا گیا تھا جب کہ بھوک کا غلبہ بہت تھا۔ اس لیے میں ناخواندہ
دستر خوان پر بیٹھ گیا۔ صاحب خانہ نے سختی کر کے درشتی اور ناز اشیار گی
سے مجھے اٹھایا میرے منہ سے نکل گیا کہ میں سید ہوں پھر بھی اس ظالم نے
نہ مانا اور میرا ہاتھ گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا مجھے تو اور کچھ رنج نہیں ہے صرف
یہ ہے کہ مجھ سے ایک سنگین جرم سرزد ہوا کہ ایسی حالت میں اپنے کو سید کیوں کہا
گویا خاندان سادات کو سخت ذلیل کر دیا۔ اس جرم کو میں ناقابل معافی جانتا ہوں ولہ

اس لیے اس کی سزا سزائے موت تجویز کی جاتی ہے۔ پولیس اس تفتیش میں تکلیف برداشت نہ کرے کہ اس کو کس نے مار ڈالا یا کس بیماری سے مرگیا۔ فقط"

یہ چیٹھی دیکھ کر خود افسر پولیس جو لندن نژاد تھا آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس پر جس نے ایسے باحمیت شخص کو دسترخوان پر سے اٹھایا تھا سخت نفرین کرتا رہا۔ اس حکایت سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی اکرم کی ان مسلمانوں کے دلوں میں جو اپنے آگے دوسرے مسلمان بھائیوں کو کافر مطلق خیال کرتے ہیں کتنی محبت ہے اور وہ کہاں تک اس میں خدا کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ یہی لوگ نبی عربی سے سچا فدائیانہ عشق رکھتے ہیں۔ اور اسی منہ سے یہ رسول اللہ کے سچے عاشق بنتے ہیں۔ پہلے تو یہ فرض تھا کہ خدا کو واحد جاننا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ آخر الزمان نبی تسلیم کرنا۔ نبیوں اور ان کی کتابوں پر اعتقاد رکھنا۔ روز جزا کا یقین فرشتوں کو ماننا بس جہاں کسی نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا وہ مسلمان ہو گیا پھر چاہے وہ جو کچھ کرے گا اس کے ایمان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ گو وہ گنہ گار ضرور ٹھہرے گا۔ اور اس گناہ کی سزا اسے ضرور ملے گی۔ مگر اس زمانہ میں اور بھی بہت سی باتیں بڑھانی پڑیں گی تاکہ کامل مسلمان ہو سکے۔ کسی پیر کا مرید ہونا کسی قبر سے حسن اعتقاد رکھنا قبروں کا طواف کرنا بیسویں دن کسی بڑے عرس میں شریک ہو کر پھولوں کی چادر یا دو ایک کھانے کی دیگیں چڑھانا۔ ایک نہ ایک قوالی کی مجلس کرنا۔ قوالوں کی۔ اے وائے اے وائے پر شکنا گرو مے کپڑے پھینا۔ لمبی لمبی زلفیں بڑھانا۔ مولانا روم کی مثنوی کا قرآن کی طرح حفظ یاد ہونا۔ شہیدی کا سرا یا رسول مقبول برزبان یاد ہونا۔ ہر قبہ کو دیکھ کر اس کے آگے سجدہ کرنا۔

جمعرات کو مردوں کی فاتحہ دلوا کر کسی مُلّا نے کی نذر کرنا۔ بارہویں دن ضرور اپنے گھر میں مولود کہلوانا۔ اہل توحید پر ہر نماز کے بعد دو تین تبرے بھیج دینا۔ رسول اللہ کی ذات اقدس پر نئے نئے بہتان قائم کر کے ان کا درجہ خدا تک پہنچا دینا۔ جھوٹی اور مردود حدیثوں کو جنہیں بالاتفاق سب مردود ٹھہرا چکے ہیں۔ رسول اللہ کی طرف عاید کرنا اور بار بار زور دے کر یہ بیان کرنا۔ رسول اللہ یہ فرماتے ہیں ہر پیر شہید و ولی کو حاضر ناظر اور عالم غیب سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آں حضرت کی طرح یہ بھی معجزہ دکھا سکتے ہیں۔ پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام مذہبی باتوں سے آزاد ہو جانا شاہ عبدالقادر جیلانی کی نماز پڑھنا ہر پیر کو رسول اللہ سے زیادہ درجہ عطا کر دینا۔ جیسا نور الابصار والے نے اپنے پیر کی مدح میں اشعار لکھے ہیں اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ حقیقت میں یہی بات ہے۔ اسے شاعرانہ مبالغہ کبھی نہ سمجھا جائے ان میں سے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

فروغ مشرب ملت تمہاری ذات عالی ہے
بڑھا جلوہ تمہارے فیض سے شرح محمد کا

مسیح چرخ عرفاں ہے کلیم طور وحدت ہے
تعالیٰ اللہ کیا رتبہ ہے اس ذات مفرد کا

بنائے دین و ایمان ہاتھ سے تیرے ہوئے محکم
کیا معمار خو نے تم کو ارکان مشید کا

ترے کوچہ کے پتھر سے کسے امکان دعویٰ ہو
لبوں تک نام دشواری سے آیا سنگ اسود کا

پڑا گردش میں وہ جس سے نظر تیری پھری شاہا
ٹھکانا ہی نہیں لگتا ہے اس کے اختر بد کا

جو منکر ہے ولایت کا تری وہ منکر حق ہے
بعینہ ماجرا یہ ہے ابوجہل اور محمدؐ کا

لکھا ہو وصف میں تیرے جو میری نظر و نثر سے گذرا ہے
نہ اندازِ خیالی ہے نہ ہے مضمون خوشامد کا

تلطف سے عنایت کی نظر مجھ پر ہوئے شاہا
بھروسا ہے فقط مجھ کو ترے الطاف بیحد کا

غلام بارگاہ آسمان رفعت عمر عاجز	بحمد اللہ مجاور ہیں ہوا تصرف مرشد کا

(از نور الابصار مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ص۱۹)

اب میں عام مسلمانوں کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں کہ آیا ان مذکورہ بالا اشعار کے ہر ہر مصرع سے کفر پایا جاتا ہے یا نہیں اگر کچھ بھی حمیت اسلام باقی ہے اگر ذرا بھی اُمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم آنکھوں میں ہے اگر کچھ بھی اثر ہاشمی گرم گرم مصفا خون کا رگوں میں باقی ہے اگر قرآن مجید اور اس کے احکام کی کچھ بھی عزت کرتے ہو تو بول اٹھو! اے دکھن اور اتر کے رہنے والو بول اٹھو! اے پورب و پچھم کے رہنے والو بول اٹھو! اے بوڑھو! جوانو! بچو بول اٹھو! اے وہ لوگو جو دین اسلام کو حق سمجھ کر مسلمان ہوئے ہو۔ قسم ہے تمہیں اس خدائے بزرگ کی۔ جس نے تمہاری ہدایت کے لیے اپنا پیارا نبی مبعوث فرمایا کہ یہ مذکورہ بالا اشعار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی امتی کی تعریف میں موزوں ہو سکتے ہیں میں کہتا ہوں تمام جہاں کا بھی فاضل اجل اور ولی کامل بھی ہو پھر بھی اس پر ان شعروں کے ایک مصرع کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً پہلے ہی شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ بڑھا جلوہ ہمارے فیض سے شرع محمد کا۔ شریعت محمدی کا جلوہ بڑھانے والا سوائے ذات خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ایک کامل نور کامل روشنی کا جلوہ دوسری چمک

۱؎ ہمارے ملک پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں علی پور ایک مقام ہے۔ وہاں ایک پیر صاحب حافظ جماعت علی شاہ رہتے ہیں۔ ان کے مرید بھی ان کے حق میں ایسے ہی مبالغے کرتے ہیں۔ اور پیر جی اس سے خوش ہوتے ہیں۔ مثلاً سہ

طرے ہوئے ہیں ان کا محبوب خدا ہی ہے   وہ مطلب ہمارا ہیں جماعت علی ہیں (مرتب)

سے کیا بڑھ سکے گا آفتاب کے آگے سب کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ یہ آج تک کسی کی زبانی نہیں سنا کہ آفتاب کی روشنی کی زیادتی و ترقی کا سبب ستارے یا سیارے وغیرہ بھی ہیں جو اپنی دھیمی دھیمی شعاؤں سے اسے کچھ نہ کچھ فیض پہنچاتے ہیں۔ استغفر اللہ توبہ توبہ شریعت محمدی کی کبھی کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس میں ہرگز کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس کی تابانی یا درخشانی کامل ہو چکی ہے۔ بھلا اسے کوئی کیا جلاء دے گا قرآن میں تو یہ فرمایا گیا ہے ہم تیرے دین کی تکمیل کر چکے اور اپنی نعمت تجھے دے چکے وہاں تیرہ صدی تک شریعت محمدی تاریک گڑھے میں پھنسی رہی جب ایک صاحب مسجد میں پیدا ہوئے تو انہوں نے شریعت محمدی کا جلوہ اپنے فیض سے بڑھایا ہائے کتنی زبردست نبی عربی کی توہین ہوئی ہے۔ پھر اور لو"۔ بنائے دین و ایمان ہاتھ سے تیرے ہوئی محکم"۔ اب میں کہاں تک اس سخت کفر پر ہ بمبارک کر کے اسے چمکاؤں صرف سمجھدار اور منصف مسلمانوں کے انصاف پر چھوڑتا ہوں غرض جو جو قیود کہ آج کل مسلمان ہونے کی پیش کی جاتی ہیں وہ بے شمار ہیں مولنا شہید نے چاہا تھا کہ ان تمام قیود سے مسلمانوں کو آزاد کر دوں جن قیود میں کتنی بڑی سختی یہ ہے جو ہمارے پیرجی صاحب نے لگائی ہے۔ اور وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جو منکر ہے ولایت کا تیری وہ منکر حق ہے بعینہ ماجرا یہ ہے ابوجہل اور محمدؐ کا

اب بڑی مشکل آپڑی ہے کہ مسلمان ہونے میں ایک یہ بھی شرط ہے کہ اخوندزادہ صاحب کی ولایت کا قائل ہو ورنہ اس کی نسبت رسول اللہ سے ایسی ہو جائے گی جو ابوجہل سے تھی کو بھی جو لوگ پہلے گذر گئے۔ دیکھئے ہمارے پیرجی انہیں بھی مسلمان کہتے ہیں یا نہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں اگر ان اشد کفریات کا رد مولانا شہید نے فرمایا۔ اور لوگوں کو اس تاریک زندگی سے نجات دی تو اس کا صلہ وہ کفر کا فتویٰ ہوگا جو مولانا شہید پر لگایا گیا ہے اور مدت تک اس کی خوب اشاعت دی گئی گو اب مخالف بھی سر جھکاتے اور مانتے جاتے ہیں اور ان کے فاسد خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ پھر بھی اس قسم کے لوگ باقی ہیں جن کے اشعار اوپر نقل ہوئے اور یہ کوئی معمولی صاحب نہیں ہیں بلکہ ان کے مرید پانچ چار ہزار آدمی ہونگے جو ان کے ہر ہر قول پر جان دیتے ہیں اور نورالابصار کا ہر ہر لفظ قرآنی الفاظ کے ہم پلہ سمجھتے ہیں۔

بھائیو، اسلام ان تمام بیہودگیوں سے پاک ہے۔ توحید اسلام کا بہت بڑا رکن ہے۔ جو پابندیاں اور قیدیں کہ اور مذہبوں میں لازمی قرار دے دی گئی ہیں اور یقین کر لیا گیا ہے کہ بغیر ان کے نجات ہی ممکن نہیں۔ اسلام ان تمام باتوں کو ناکارہ بتاتا ہے۔ وہ انسان کی فطرت کے موافق اسے ہدایت کرتا ہے اس کے قوانین قوانین قدرت کے بالکل مشابہ ہیں اور ذرا بھی فرق نہیں ہے نفس اسلام نہیں کہتا کہ اگر ابوحنیفہ کی تقلید نہ کی تو میں اپنے میں سے خارج کر دوں گا۔ یا شافعی، مالکی، حنبلی نہ بنے تو بھی فرض نہیں ہو۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو واحد جان لو۔ اسی کو مشکل کشا سمجھ لو۔ محمد رسول اللہ کو آخرالزمان نبی مان لو بس بیڑا پار ہے جو احکام قرآن مجید میں آگئے ہیں اور جن کا بیان حدیث نبوی میں موجود ہے اس کی پابندی کرو کیونکہ یہ پابندی نہیں آزادی ہے۔ نجات کے لیے نہ کسی پیر سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی وظیفہ پڑھنے اور کسی قبر پہ چلنے کی رکسی سے دعا کرانے کی ہر مسلمان بجائے خود ایک شیخ ہے کہ اسے مذہبی ارکان ادا کرنے میں کسی مولوی عالم پیر کی ضرورت

نہیں ہے وہ اور مذہب کے پنڈتوں اور پادریوں کی طرح مولویوں کا مقید نہیں ہے
وہ خود قرآن کے موافق اپنا جج بن سکتا ہے اور خود ہی اپنے کو سزا دے سکتا ہے
یہی مولانا شہید کی تلقین تھی جن لوگوں نے سمجھ لیا یا جو لوگ سمجھتے جاتے ہیں وہ تو
آرام اور اطمینان میں ہو گئے جنہوں نے نہیں سمجھا وہ گھبرائے ہوئے ادھر ادھر
قبروں اور پیروں کے پاس پڑے پھرتے ہیں اور پھر ان کی تشنگی نہیں بجھتی۔ اسلام
اور کفر کے دو راستے کھلے ہوئے ہیں جن کو جو بھلا معلوم ہو اس پر چلے کوئی منع کرنے
والا نہیں ہے۔ مگر آئندہ زندگی میں جو کچھ سزا و جزا اس کو ملے گی وہ اپنی ہی ذات
پر اٹھانی پڑے گی۔ اور وہی سخت عذاب درد دینے والا ہے۔ خدا ہر متنفس کو اس
سے بچائے۔ بدگمانی کو دل سے نکال ڈالو اور اسلام کے سچے متبع بن جاؤ۔ اب
میں یہاں سے پیارے شہید کی تصانیف کا ذکر نہایت اختصار کے طور پر کرتا ہوں

پندرھواں باب

مولانا شہید کی تصنیفات اور بعض خط

مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب کی تصنیفات جو خاص خاص موقعوں پر نہایت ضرورت کے وقت لکھی گئی ہیں بے نظیر یادگار شہید کی ہیں آپ کی سوانحعمری کو دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی جو خیال آپ پر غالب آگیا اور جس کی دھن میں آپنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف کردیا اور آخر اسی میں شہید ہوگئے ایسا نہ تھا کہ چوبیس گھنٹے روز و شب میں کوئی اطمینان کا وقت نکلتا۔ اور آپ کسی حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی کارروائی شروع کرتے فطرت نے پیارے شہید کو تصنیف و تالیف کرنے کے لیے پیدا نہ کیا تھا ہاں کام ایک عظیم الشان لینا تھا جو اور کسی سے نہ ہوسکتا تھا۔ ایک دفعہ تحصیل سے فارغ ہو کر مولانا شہید کا تفسیر قرآن لکھنے کو جی چاہا تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے چچا جان کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا کہ میں تفسیر لکھنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بیٹا تفسیریں تو بہت سی موجود ہیں اگر تفسیر لکھنے کا ارادہ ہو تو کوئی نئی بات پیدا کرو اور اگر نئی بات نہ ہوسکے تو بے فائدہ ہے مولانا شہید نے عرض کیا تھا کہ وہ کونسی بات قابل لحاظ ہو جس سے تفسیر میں نیا رنگ پیدا ہو جائے شاہ صاحب نے ارشاد کیا بیٹا کچھ پرانی ادب کی کتابیں شعرائے متقدمین کا کلام اور محاورۂ عرب دیکھو اور پھر قرآنی محاورہ وہم عصروں کی تحریروں سے اسے تطبیق دے کر دیکھو اسی طرح کی بہت سی نئی باتیں جب تفسیر لکھنے بیٹھو گے نکل آئیں گی

مولانا شہید نے اسی دن سے شاہی کتب خانہ سے جتنی کتابیں ادب وغیرہ کی مل سکیں انہیں بغور پڑھا اور ان کے مطالب اور محاورات کو دل میں جگہ دی۔ یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آپ کو دو ہزار اشعار شعرائے عرب کے نوک زبان تھے۔

مگر یہ بہت درست ہے ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ فطرت نے پیارے شہید کو بنی نوع کی اصلاح اور ظالموں سے انتقام لینے کے لیے پیدا کیا تھا اسے منظور نہ تھا کہ ایسا جوہر فرد حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی دھن میں کبھی ڈاڑھی نوچنے لگے اور کبھی کسی مطلب کے سوچنے کے لیے منہ پیٹنے لگے کبھی زچ ہو کر دوات و قلم اٹھا کر پھینک دے حقیقت میں مصنفوں کی حالت جب وہ تصنیف کرنے بیٹھتے ہیں بالکل مجنوں کی سی ہوتی ہے۔ مولانا شہید نے پانچ چھ مہینے تو اس میں صرف کیے مگر آخر کار جس راستہ پر چلنے کے لیے فطرۃ نے بنایا تھا وہی راہ اختیار کی اور تصنیف و تالیف کا خیال تک بالکل چھوڑ دیا۔

پھر بھی جو کتابیں حسب ضرورت مولانا نے لکھی ہیں۔ یا یہ کہو کہ ان کے بعض بعض وعظوں کا خلاصہ ہے۔ وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

"تقویۃ الایمان"۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ عجیب دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے وہ باتیں جو اس وقت مسلمانوں میں رائج تھیں اور جس سے اسلام شرک میں گھی کھچڑی ہو رہا تھا۔ انہیں اس طرح علیحدہ کر کے دکھا دیا اور قرآن و حدیث سے ان کی ایسی تردید کی کہ ہوا کا رخ ادھر سے ادھر پھر گیا۔

یہ لاجواب رسالہ جس کی شہرت دریائے جمنا سے فرات تک بہت مقبولیت سے پھیلی ہے۔ ایک عجیب جوہر ہے۔ جس میں سچا اسلام اور ایمان اپنی تابانی دکھا

رہا ہے۔ سوائے قول خدا اور حدیث رسول اللہ کے نہ کسی امام کا قول نقل ہے اور نہ کسی مجتہد کا نہ اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لیے کچھ منطق و فلسفہ کا خرچ کیا گیا ہے نہ شاعرانہ جامہ عبارت کو پہنایا گیا ہے۔ سیدھی سادی عبارت اور چھوٹے چھوٹے جملے اور عام فہم الفاظ معمولی بول چال کے ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی بآسانی سمجھ لے اپنے دینی خیالات اس سے درست کر سکے۔ ملائی پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل عبارت جس سے بالکل مطلب خبط ہو جاتا اس میں کہیں نام کو نہیں پائی جاتی ہے۔ بہت بڑا کمال جو اس کتاب میں رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹے رسالہ میں تمام وہ مطالب جن سے دین اسلام صاف ہو کر اور نتھر کر شرک و بدعت میں سے نکلتا ہے۔ بالتفصیل درج کر دیے گئے ہیں جن کا یہ مقدم ہے کہ اگر ان پر عمل کر لیا تو دونوں جہاں میں بیڑا پار ہے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی بات بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جو ہندی مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا نہ ہو اور اس سے اخلاق نہ بگڑتے ہوں اور دین میں رخنہ پڑتا ہو تمام وہ مکروہ بدعتیں جنہوں نے مسلمانوں کا ستیا ناس کر دیا تھا اور ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھیں اور تمام وہ شرک جنہوں نے قرآن و حدیث کے منشا کو بالکل پلٹ دیا تھا۔ اس خوبصورتی سے ان کی قرآن و حدیث سے تردید کی ہے جس کی مثال کوئی اور کتاب نہیں معلوم ہوتی۔ ۔۔۔ ہا کتابیں ان مضامین پر دیکھنے میں آئیں وہ ایسی طول طویل اور ادق ہیں کہ اول تو ان کا مطلب مشکل سے کھلتا ہے اور دوسرے عام ہدایت ان سے نہیں ہو سکتی کیا ہوا اگر فی ہزار ایک شخص دشواری سے اس کی تہ تک پہنچا ۱۶۔) **کتاب کا اسلامی**

نیا میں عدم وجود سب برابر ہے یہ بہت درست ہے کہ اگر "تقویۃ الایمان" نہ
وتی تو جو اصلاح مسلمانوں کی معاشرانہ زندگی میں ہوئی ہے کبھی نہ ہوتی اور خبر نہیں
سلمانوں پر کتنی آفتیں نازل ہوتیں اور کیا کیا غضب الٰہی ان پر اترتا۔ جو کچھ روشنی اس وقت
ہندوستان میں دکھائی دیتی ہے اور جس سے اسلام اسلام معلوم ہوتا ہے سب اس
کتاب کا صدقہ ہے۔ اب تک اس کی اشاعت چالیس پچاس لاکھ کے قریب ہو چکی ہے اور
دن بدن ہوتی جائیگی یہاں سے اس کی مقبولیت کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔
بڑے بڑے معرکہ کے مضامین چند ہی الفاظ میں اس طرح ادا کر دیئے ہیں۔
اور انہیں صاف کر کے دکھایا ہے کہ سخت تعجب آتا ہے اور زیادہ حیرت یوں
ہوتی ہے کہ جب ملانے ان مضامین پر کچھ لکھتے ہیں تو صدہا صفحے سیاہ کر جاتے ہیں مگر
مطلب نہیں کھلتا کہ لکھ کیا رہے ہیں اور آئندہ کیا لکھیں گے۔ بحث طلب کونسا امر ہے
مثلاً ایک مشہور و معروف مسئلہ کو پیارا شہید سادہ لفظوں میں اس آیت قرآنی کے
تحت میں اس طرح لکھتا ہے۔ قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون
مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض وما لہم فیہما من شرک وما لہ منہم من
ظہیر ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ حتی اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم
قالوا الحق وہو العلی الکبیر (سورۃ سبا) ترجمۃ کہہ کہ پکارو تو ان لوگوں
کو کہ خیال کرتے ہو سوائے اللہ کے سو وہ تو ایک ذرہ برابر بھی آسمانوں اور زمین میں اختیار
نہیں رکھتے اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے اللہ کا کوئی
بازو ہے کسی کی سفارش اس کے روبرو کام نہیں آتی مگر جسے وہ خود سفارش کرنے
کی پروانگی عطا فرما دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے

لہ زمانہ تصنیف کتاب ہذا تک۔ اس سے پیچھے مزید ہوتی گئی (مرتب)

تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا کہتے ہیں کہ حق اور وہی ہے بلند بڑا"۔

کئی قسم کی شفاعت پر بحث فرما کر آپ یہ تحریر کرتے ہیں (رہ ہو بذا)

جو کوئی کسی نبی یا ولی یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہ سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد صلعم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض الادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔ کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں" (از تقویۃ الایمان)

اس لکھنے پر کہ خدا محمد صلعم جیسے اور بھی نبی پیدا کر سکتا ہے ملانوں میں طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا اور انہوں نے اپنی بھونڈی عقلوں کے صدقہ میں جو کچھ ان کی بوُدی طبیعت نے گواہی دی الٹے سیدھے رسالے لکھ ڈالے اور خدا کی عظیم الشان قدرت کو توڑ مروڑ کے اپنے تنگ و تاریک مسجد کے حجرہ میں مقید کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے رب کی جس کا قرآن شاہد ہے اتنی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو آن کی آن میں موجود دنیا کے ہر متنفس کو محمد صلعم کے برابر رتبہ دے پھر بھی اس کی لاانتہا عظمت اور لازوال شوکت میں ذرا بھی تفاوت نہیں آسکتا اگر اسلام مٹ جائے اور ہر شخص بوجہل بن جائے تاہم اس کی عالی شان عزت اور لا محدود نعمت میں ایک تل برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔

خداوند تعالیٰ نے جو قوانین قدرت منضبط کئے ہیں۔ ان کے خلاف کرنے کی

عادت نہیں ہے مثلاً اس میں قدرت ہے کہ وہ بغیر شوہر کے ہر کنواری کے پیٹ سے
بچہ پیدا کر سکتا ہے اور بغیر بادل کے بارش برسا سکتا ہے اور بغیر پانی کے بو
تا ہے اور بغیر آگ کے جلا سکتا ہے اور بغیر زبان کے بلوا سکتا ہے اور بغیر پیر کے
چلا سکتا ہے۔ اور بغیر تلوار کے کاٹ سکتا ہے مگر یہ ساری باتیں اس کی عادت
نہیں ہیں وہ اپنے قوانین قدرت کے خلاف جو اس نے اول دن سے مقرر
ہیں۔ بے ضرورت کبھی نہیں کرتا۔ کیا اس میں یہ قدرت نہیں ہے کہ بغیر انبیاء
ہم السلام کے مبعوث کئے دنیا کو ہدایت کا رستہ دکھا دیتا اور جہان میں کسی
نفس پر شیطان کا غلبہ نہ ہوتا مگر اس کے قوانین قدرت کے خلاف یہ ساری
ہیں پڑتی ہیں۔ اس لیے اس نے سب قسم کے اسباب جمع کر دیے اور ایک ایسا
غ لگا دیا جہاں گلاب اور موتیا کے تختے بھی ہیں تو ستیاناسی کے بھی درخت
ں جہاں بلبلیں چہچہا رہی ہیں بوم بھی نوبت زنی کرتا ہے اسی طرح پیغمبر آخر الزمان کی
ل پیدا کرنے کی اس میں قدرت باقی ہے۔ مگر عادت نہیں ہے جب اس نے
بوت کا خاتمہ ایک مقدس معصوم نفس پر کر دیا اب اسے ضرورت نہ رہی کہ پھر ایک
ور نبی اپنے وعدہ کے خلاف ایسا پیدا کرے اس صورت میں یہ سمجھنا کہ اس میں
ثیل محمد پیدا کرنے کی قوت نہیں ہے صریح کفر میں پڑتا ہے۔ یہی مراد مولانا موصوف
کی ہے جس پر سخت رد و قدح کی گئی۔ یہاں تک کہ بعض کوتاہ اندیش دور از اسلام
ملانوں نے آپ پر کفر کا فتوی لگا دیا اس پر بھی ہمیں کچھ افسوس اور استعجاب نہ کرنا
چاہیے۔ جہاں خدا کو نہ چھوڑا اور اس کی بیوی اور بیٹا ٹھہرا دیا جہاں نبی پر فریبی
اور جادوگر ہونے کا الزام قائم کیا گیا جہاں صحابہ کبار کو ناصب ٹھہرایا گیا جہاں علمائے اسلام

مثلاً امام غزالی اور دیگر علماء پر فتوے کفر لگایا گیا وہاں بے چارے شہید کی حقیقت ہے؟

اگر مسلمان اپنی اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اور انہیں شرک اور بدعتی نہیں چاہتے تو انہیں فرض ہے کہ قرآن کے بعد وہ معصوم بچوں کو "تقویۃ الایمان" اگر اب انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا چند روز کے بعد زمانہ خود انہیں مجبور کرے کہ وہ ایسا ہی کریں لاکھوں کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر عرب میں بھیج دی گئی ہیں جو عربی سوسائٹی میں چاہت سے پڑھا جاتا ہے اور دلچسپی سے اس کے مطالب کو دل میں جگہ دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے۔ مگر قرآنی توحید میں ملانوں نے شرک کی ایسی آمیزش کر دی تھی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا یا علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا تھا مگر خدا مولانا موصوف کو جنت میں مدارج اعلیٰ عطا فرمائے انہوں نے صاف صاف کھول دیا اور توحید و شرک کو بالکل علیحدہ اور جدا جدا لکھ کے دکھا دیا۔

"تقویۃ الایمان" کے دو حصے ہیں ایک مولانا شہید نے اپنے قلم سے لکھا ہے اور دوسرا حصہ آپ کی وفات کے بعد محمد سلطان خاں صاحب نے ترتیب دیا ہے مگر مطالب وہی درج ہیں جو پیارے شہید کے ہیں یہ سمجھنا چاہیے گویا پیارا شہید لکھواتا گیا اور محمد سلطان خاں لکھتے گئے۔ اس سے بہتر نبی، ولی، پیر، شہید کی حقیقت اور کسی کتاب میں کم ملے گی جیسی "تقویۃ الایمان" میں پائی جاتی ہے۔ ایک انمول گوہر ہے جس کی تاباں شعاعیں جمنا سے فرات تک پڑ رہی ہیں اور امید ہے کہ آئندہ یا نصف صدی تک اسلامیوں کی نسلوں کی سنہری قبول اور شاخ زریں یا گولڈن ہارن کے طلائی

ردوں پہ پڑیں گی۔

دوسری کتاب "تنویر العینین" ہے یہ کتاب دراصل اس بے ہودہ شوروشر
نے کے لیے لکھی گئی ہے۔ جو علماء میں رفعیدین کی بابت پڑا ہوا تھا۔ ایک گروہ صرف
ں فروعی اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا۔ جو شخص رفع یدین کرتا
، وہ اپنے اس بھائی مسلمان کو جو رفعیدین نہ کرتا ہو مسلمانی سے خارج جانتا تھا۔
س طرح نہ کرنے والا شخص کرنے والے کو کافر سمجھتا تھا۔ مولنا شہید نے اس
بے ہودہ شورشیں اور ہولناک غلط فہمی کو اٹھا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ کوئی شخص
رفعیدین نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور اگر کرے تو ثواب ہے کیوں کہ
طرفین کے دلائل اس مسئلہ میں قوی ہیں۔ اس سے زیادہ فیصلہ کرنے والا اور کون منصف
حج ہو سکتا ہے۔ بھلا صحیح حدیثوں کی جو مولنا نے لکھی ہیں تردید کیا ہو سکتی ہے مولنا
شہید نے حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ افضل رفع یدین کا کرنا ہے اور نہ کرنے
والا گنہگار نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اتنا لکھنا کیا غضب ہو گیا کہ اس کی تردید میں ہونے
لگیں اور ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ اب ہم رفع یدین کے بارے میں تنویر العینین سے
کچھ عبارت نقل کر کے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ مولانا کی دین کے معاملہ میں کیسی بے
طبیعت ہے اور وہ رفعیدین کے بارے میں کن انصاف پسند الفاظ میں فیصلہ کرتے
ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

الحق ان رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والقیام منہا القیام
الی الثالثۃ سنۃ غیر موکدۃ من سنن الہدی فثیاب فاعلہ نقدیر ما فعل
ان ذاکما نجسہ وان صورۃ فبثلہ ولا یلام تارکہ۔ (ترجمہ) "حق یوں ہے

کہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر تحریمہ رکوع سے کھڑے ہونے دو رکعتوں سے تیس
طرف کھڑے ہونے کے وقت سنت غیر مؤکدہ ہے یعنی ایسی سنت ہے جس کی تاکید
نبی عربی نے نہیں فرمائی۔ سنن ہدی سے پھر بقدر کرنے کے اس کا ذکر کرنے والا مس
ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ کرتا رہے گا تو اسے ہمیشہ کا ثواب ملیگا اور اگر ایک مرتبہ کرے
ایک مرتبہ کا ثواب پاوے گا۔ اور اس کے تارک پر ملامت نہ ہوگی۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا شہید نے صاف طور پر انصاف
لکھ دیا اس میں جھگڑا ہی نہیں رہا نہ کرنے کو جی چاہے رفع یدین نہ کرے عذاب نہ
ہاں اگر مولانا شہید یہ لکھتے کہ نہ کرنے والے کی نماز نہ ہوگی یا جہنم واصل ہوگا۔ تو
اعتراض کرنے کی بھی جگہ ہوتی اور جب مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا پھر کیوں اتنے
شور و غل مچاتے ہیں اور ناحق دریدہ دہنی کر کے اپنی شرافت کے تیرے کھولتے ہیں

خدا نے ہمیں اس لیے علم نہیں دیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی تکفیر کے فتوے
خواہ مخواہ مرتب کریں اور اپنی علمی تلوار سے ان کے گلے کاٹیں۔ بلکہ ہمارے یہ علمی
ہتھیار غیر اسلام کے لیے ہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ آج تک کسی ملا نے عیسائیوں کے مقابلہ میں بھی کتاب
تصنیف کی اور ان کی زہریلی تصانیف کا بھی رد لکھا یا سوائے مسلمانوں کی تردید
کرنے کے انہیں کچھ آتا ہی نہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پادریوں نے بہت سی
کتابیں مسلمانوں کے خلاف تصنیف کی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری
ایسے برے پیرایہ میں جھوٹی جھوٹی باتوں کے ساتھ طبع کی ہے جن کے دیکھنے سے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جاہل مسلمان اپنے دین میں مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

ان کی تردید بھی آپ نے لکھی تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں قابل خطاب نہیں سمجھتے
وہ اجہل من الناس ہیں ملانوں سے ایسی امید ہی رکھنا فضول ہے وہ آمادہ ہیں اور
بہت مستعدی سے آمادہ ہیں صرف قرآن وحدیث کی تائید کرنے ہیں کوئی مسلمان کتاب
لکھے ضرور اس کی تردید کریں گے اور اگر حمیت نے زیادہ زور مارا۔ تو کفر کا فتویٰ
ان پر دے دیں گے۔ یہ مسلمانی رہ گئی ہے اور یہ ایمان ہے۔ ادھر تقویۃ الایمان
کے رد چھپ رہے ہیں۔ اور ادھر تنویر العینین کے۔ مگر یہ توفیق نہ ہوگی لاؤان
الزامول کو بھی اٹھا دیں۔ جو عیسائی لاعلمی یا ہٹ دھرمی یا تعصب سے رسول
عربی کی معصوم ذات پر قائم کرتے ہیں۔ ایسی تردید کو جہالت سمجھ رکھا ہے۔ قرآنی
تردید کو علم خیال کر رکھا ہے ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد وائے گر از پے امروز بود فردائے

مجھ سے ایک بوڑھے شخص نے خدا اس پر رحمت کرے یہ روایت بیان کی
تھی کہ جب محمد اسمٰعیل نے "تنویر العینین" لکھی ہے تو آپ پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب
کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا چچا جان آپ اسے ملاحظہ فرمالیں تو پھر
میں اس کی اشاعت کروں شاہ صاحب نے بغور اس چھوٹے سے رسالہ کو ملاحظہ
فرمایا آپ فرط انبساط سے بے خود ہو گئے۔ اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے
اسی سرخوشانہ حالت میں اپنے نوجوان پیارے بھتیجے کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا
تو نے جو کچھ لکھا وہ بالکل درست اور صحیح ہے کوئی شخص اس کی تردید نہیں کر سکتا
حقیقت میں اس چھوٹے سے رسالہ کی عمدگی میں شک نہیں جو شخص مسلمان بن کر
اس رسالہ کو دیکھے گا اسے طرفین کے قوی دلائل کو وزن کرنے اور ان سے ایک

نتیجہ اپنے لیے پیدا کرنے کا اچھا موقع مل جائے گا۔

تیسری کتاب آپ کی "صراط مستقیم" ہے گو وہ سید احمد صاحب کے نام سے منسوب ہے۔ مگر دراصل پیارے شہید ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہنٹر اپنی کتاب "دی انڈین مسلمان" ص ۶۷ میں لکھتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل نے اس کتاب کو فارسی میں تالیف کیا اور مولوی محمد عبد الجبار کانپوری نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا۔ یہ کتاب یا رسالہ جس میں سید احمد صاحب کے مقولے ہیں تصوف اور نصائح سے بھرا ہوا ہے عبارت کی عمدگی پر مؤلف کو جس قدر ناز ہو وہ کم ہے۔ جس مقام سے کتاب کو اٹھا کر دیکھو۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کا ایک دریا بھرا ہے۔ الفاظ کی بندش اور عبارت کی چستی سے جس قدر عالمانہ پن برستا ہے۔ اسی قدر مطالب کی عمدگی سے مؤلف کی شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ اس رسالہ کے ہر مضمون سے میں متفق ہوں تاہم اس کا بہت سا حصہ قابل مدح اور عمل ہے جس کا اختصار ہم درج ذیل کرتے ہیں وہو ہذا:۔

دعائے محبت و الفت باندائے عزوجل ہر کس مے کند لیکن حقیقت آن کمیاب است بلکہ نایاب حقیقت محبت و الفت آن ست کہ باوجود کمال ایمان و اعمال و علم و عقاید اندر ہر باب و اجتناب از معاصی و سیئات مرتبہ بلیا اگر او را مصائب بلیات آن چنان رسد کہ جان و مال و اولاد و وجہ دوم آبروئے او را فراگیرد و بہ بدترین امراض مبتلا گردد و دریں بلیات جان دادہ بعذاب شدید آن عالم گرفتار شود ہرگز پارہ از حرف شکایت در خاطر حضور نکند آرے التجا و زاری دبنالش و بے قراری از عدم تحمل آن مصائب بحضور رب او ندی بسبب فرط اعتقاد عموم رحمت و مغفرت

ہر قدر کہ کند بہتر و بجا بلکہ مقتضائے کمال ایمان آنست فاما مفہوم شکایت را نسبت بآں ذات پاک در دہم و خیال جان دہد بلکہ آں را بالکل بقصور حال تا آل و نقصانیکہ در استعداد اُرکی اوست نسبت کند وَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ۔ را ہمین حال خود شمارد ہمیں امر باعث حضور مقام صبر و منصب رضا باقضا مے باشد و یقین کند کہ وی مستحق سخت تر عذابے بود۔ از انچہ بوے رسیدہ موافق استحقاق وی نیست و عفو آں عفو غفور است کہ بآں درجہ عذاب کہ مکافی قصورش باشد ابتلا نفرمودہ و ہمیں امر باعث صدور اعلائے انواع شکر گرداعین مبتلا ربلا باد ہجوم مصائب است مے گردد و بالجملہ انسان را ہیچ حقیقت قابل آں نیست کہ در صورت توجہ کرم الٰہی تصور معنی قدر دانی اللہ تعالیٰ کند و در صورت توجہ سخطش او تعالیٰ را ناقدردان پندارد چہ او را ہیچ قدرے نیست کہ بسبب آں اللہ تعالیٰ را بقدردانی و ناقدردانی خود خیال کند۔ فقط"۔

اس عبارت سے اندازہ ہوگا کہ صبر و شکر و رضائے الٰہی میں پیارے شہید کی کیا رائے تھی اور اس نے اپنے بلند مبارک خیال کو کس پر اثر عبارت میں ظاہر کیا ہے۔ عبارت کے پڑھنے اور ہر ہر جملہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راقم وہی شخص ہے جو صبر و شکر اور رضائے الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے اور بے خودانہ سرخوش حالت اور عالم وجد میں اس کی زبان سے یہ دلوں میں گھر کرنے والے الفاظ یا جملے سرزد ہو رہے ہیں۔ انسان کی طبیعت کا آئینہ اس کی تقریر اور تحریر ہوتی ہے بالغ نظر ہر تحریر اور تقریر سے پہچان سکتی ہے کہ جو کچھ مصنف لکھتا ہے

آیا اس کی طبیعت کی بھی یہی کیفیت ہے یا اس میں محض تصنع ہے بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے صاف طور پر یہ ہویدا ہوتا ہے کہ مصنف کا دل قلم کے ساتھ مؤید نہیں ہے دل کچھ اور کہتا ہے طبیعت کچھ اور گواہی دیتی ہے، قلم کچھ اور رکھتا ہے مگر پیارے شہید کے وہی زبان پر تھا جو اس کے دل میں تھا۔ اسی لیے جیسا اس کی زبان میں اثر تھا اسی قدر اس کی تحریر میں اثر تھا۔ اس کی آنکھوں کی زبردست اور قوی تر مقناطیسی کشش غضب کی پُر زور تھی جس سے نگاہیں ملائیں بس اسے اپنا گرویدہ بنا لیا بالجملہ یہ کتاب سید احمد صاحب کی بڑی یادگار ہے جو ان ہی کے نام سے مشہور ہے اور ہر شخص انہی کی مصنفہ سمجھ کر اسے پڑھتا ہے اور اپنی اپنی فہم کے مطابق اس سے دلچسپی لیتا ہے۔

چوتھی کتاب "منصب امامت" ہے۔ یہ ۱۴۷ صفحہ کا رسالہ نہایت لاجواب اور اعلیٰ درجہ کا لکھا گیا ہے یہ ایسی ضروری کتاب ہے جس سے حقیقت نبوت حقیقت امامت اور ولایت کی اصلی حالت معلوم ہو جاتی ہے وہ لوگ جو نبوت و امامت و ولایت وغیرہ کو گڈمڈ کرنے کے عادی ہیں اس رسالہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے کیا کیا مدارج ہیں اور کن کن اعلیٰ صفات میں خداوند تعالیٰ نے انہیں افضل اور ممتاز اپنی جمیع مخلوق سے بنایا ہے وہ غیر خوش آئندہ اور نادر الزام جو پیارے شہید کی بابرکت ذات پر مفسدین دین اسلام نے قائم کیے ہیں کہ یہ انبیاء کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور انہیں اپنی طرح ایک آدمی کہتا ہے۔ اس رسالہ سے سب کے دندان شکن جواب مل سکتے ہیں بشرطیکہ معترض ہاتھ میں لے کر اس بیش بہا رسالہ کو دیکھیں اور سمجھیں کہ جس جلیل القدر شخص کی نسبت ہم بے بنیاد بہتان جوڑتے ہیں اس کی

مرتفع ذات اس سے بہت دور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نبوت وخلافت و امامت وغیرہ کی حقیقت جہلا کبھی نہیں جان سکتے وہی نفوس جانتے ہیں جنہیں خدا تعالےٰ اپنی ودیعت سونپتا ہے۔ جاہل کٹ ملا کیا جانیں کہ حقیقت نبوت کیا ہے ان کا اعتراض کرنا سراسر نادانی اور کج فہمی ہے۔

ہم رسالہ منصب امامت پر خود کوئی رائے قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جب کتاب ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے پھر ضرورت کیا ہے کہ ہم اٹکل پچو رائے زنی کریں جس سے خصم کی ہرگز تشفی نہ ہو مناسب ہے کہ بعض مقام ہم منصب امامت کے نقل کرکے اس بات کا انصاف کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت مولانا شہید کا کیا خیال تھا۔ ناظرین پر چھوڑتے ہیں اور انہیں بے جا اور نامعقول اعتراضوں اور پیارے شہید کے روشن عقاید میں جو وہ معصومین کی نسبت رکھتا تھا حکم بناتے ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ سے پھر کوئی ایسی نابکار اور دور از عقل نکتہ چینیاں کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔

ماخوذ از رسالہ "منصب امامت"

دربیان حقیقت ولایت

"باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام را در معاملات روحانی وکمالات انسانی بہ نسبت عموم ناس اعتباری باشد کہ حضرت رب الارباب قابل خطاب اند وعامل کتاب باشارات غیبی مامور اند وبشارات لاریبی مسرور پرورش یافتہ بستان تکریم اند وتربیت یافتہ وبستان تعلیم سربلندان مجالس تعظیم اند ودانشمندان مجالس تفہیم مخزن

اسرار احکام اند و مورد انوار الہام منور بنور انوار ملکوت اند و بنور ظہور خوارق ناسوت منور ایقان و حکمت معمور اند و در بحر اجتناب و خشیت غریق بکمال محبت و موالات موصوف اند و بادراک لذت مناجات مشغوف و در مقام حب فی اللہ راسخ القدم و در معرکۂ بغض فی اللہ صاحب علم در ابواب خضوع بغایت ہوشیار اند و در آداب خشوع نہایت تجربہ کار اند در خشیت خوف در تابان سیماب وار اضطراب اند و بشوق و محو و فنا مثل شبنم در آفتاب در تعظیم رب کریم بغایت مؤدب اند و در معاملۂ رضا و تسلیم نہایت مہذب و در تبتل و تجرید چست و چالاک اند و در توکل و تفرید مطہر و پاک در قطع علائق نفسانی بیباک اند و در تباہ وساوس شیطانی سفاک بطہارت فطرت مجبول اند و در عبادت رب العزت مشغول آتش محبت حق در دل افروختہ اند و غیر حق را سر بسر سوختہ در زہد و قناعت بے بدل اند و در صبر و استقامت ضرب مثل. در حل مشکلات مہم ممتاز اند. در سرانجام خدمت ہمت بلند پرور مخزن عقل و علم اند و معدن عفو و حلم مجمع خلق و وفا اند و منبع عفت و حیا بر کافۂ خلائق رحیم اند و در مراعات علائق کریم یگانۂ ہر بیگانہ اند و ہمای ہر خانہ در سپہر برگزیدہ دوران اند و در پس برگزیدہ سرگردان: اینسان سخاوت اند و بہار گلستان سماحت شیران بیشۂ شجاعت اند و دلیران میدان شہامت در راست بازند سیر چشم دشمن نواز. در مکارم اخلاق یگانۂ آفاق اند بہ نسبت طالبین حق عاشق و مشتاق ہمیں است مقصود ولایت دریں مقام.

از ہمیں بیان واضح گشت کہ مرتبۂ ولایت را سہ شعبہ است اول معاملات صادقہ مثل الہام و تعلیم و تفہیم غیبی و حکمت دوم مقامات کاملہ مثل محبت و خشیت

وتوکل ورضا وتسلیم وصبر واستقامت وزہد وقناعت وتفرید وتجرید وعموم اخلاق فاضلہ
مثل علو ہمت ووفور شفقت وحلم وحیا ومحبت ووفا وصدق وصفا وسخاوت و
شجاعت وامثال ذلک پس گویا منصب ولایت را از ۲ سہ شعبہ مرکب توان گفت
ہر چند این ولایت جمیع خواص عباد اللہ را حاصل مے شود چنانچہ آیہ کریمہ الا ان اولیاء
اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون بر آن
دلالت میدارد لیکن ولایت این کبار رنگے دیگر مے دارد بیانش این کہ حق جل و
علی دو کمال بس عظیم از خزانہ خاص خود بایشان عطا مے فرماید وآن ہر دو را در تمامی
کمالات مذکورہ جاری وساری مے نماید پس ہر کمال ایشان برنگے دیگر مے بر آید۔
ممتاز از کمالات اولیاء دیگر اول عبودیت است وثانی عصمت معنی عبودیت آن
است کہ ایشان را باوجود اتصاف باین کمالات نقصان ذاتی خود دائما ملحوظ خاطر
مے مانند این کمالات را مثل لباس مستعار مے انگارند ومشابہ تقبل لیل و نہار
مے شمارند۔ دائما محض فضل رب العالمین نظر مے دارند وبہر حال شکر او بجا
مے آرند۔ وگاہے خود را از حد بندگی نے کشند وہمیشہ راہ ادب مے روند۔
وادنائے مراتب گستاخی وشوخ چشمی ہرگز روا نمے دارند۔ ونوعی از ناز و تجبر
بخیال نے آرند۔ از سکر شطح بر آرند واز شورش ومستی دست بردار ہمیشہ راہ
بندگی پویند۔ وزیادت سرافگندگی مے جویند۔ علی الدوام تضرعات عبودیت
مے دارند نہ ادعائے تصرفات الوہیت لسان خاک خاموش اند نہ مثل آتش
در جوش در مقام تجرید وتفرید از بندگان الٰہی متنفر نشوند۔ وحقوق ذوی الحقوق
تلف نکنند ودر مقام توکل بر اد مستان لا یعقل نروند وطریقہ تادب را کہ عبارت

از رعایت اسباب است بالکل از دست نہ دہند و بنا بر شوق لذت مناجات از گم گشتگان بادیۂ ضلالت دامن نکشند بلکہ تخلل اوقات مناجات روا دارند۔ بہدایت ایشاں ہمت برگمارند و در مقام حسن خلق مداہنت در دین متین و مسابلت در احکام رب العالمین گوارا نے کنند ہرگز بایں راہ رو نے نشند۔ و در مقام سخاوت و سماحت اسراف را راہ نہ دہند۔ و در مقام شجاعت و شہامت تابع جوش و غضب نشوند پس گویا کہ افعال و اقوال ایشاں از اقتضائے اخلاق کاملہ ایشاں صادر نیست بلکہ در محض اطاعت رب العالمین است و پس مثلاً اگر کسے را چیزے مے بخشند ہرگز بمقتضائے سخاوت جبلیہ خود نے بخشند بلکہ تامل مے فرمائند کہ اگر رضائے رب العالمین بایں بخشش متعلق آں است فی الفور آں را بروئے کار مے آرند و الا از اں سنابت نیراندو اگر در مقامی مقدسہ کارزار و جنگ و پیکار برپا مے کنند بنا بر مقتضائے شجاعت خود برپا نے کنند بلکہ اگر رضائے مولائے خود دراں مے بینند داد شجاعت دراں مقام مے دہند و الا پہلو تہی کردہ براہ خود مے روند و ہم چنیں در سائر امور قیاس باید کرد پس گویا کہ بظاہر کمالات مذکورہ بساں دانہائے تسبیح متعدد و متکثر است اما در حقیقت ہماں رشتۂ عبودیت ہمہ را یک سلک گردانیدہ و معنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشاں تعلق مے دارد اقوال و افعال و عبادات و عادات و معاملات و مقامات و اخلاق و احوال آں ہمہ را حق جل و علی از مداخلت نفس شیطان و خطاء نسیان بقدرت کاملہ خود محفوظ مے دارد و ملائکہ حافظین بر ایشاں مے گمارد و تا غبار بشریت دامن پاک ایشاں را نہ آلاید و نفس بہیمی بہ بعضے تلونات خود ام نفرمایند و اگر احیاناً

چیزے کہ خارج از قانون رضامندی حضرت حق باشد از ایشاں بطریق شذود و ندرت
صادر مے گردد فی الفور حافظ حقیقی ایشاں را کشاں کشاں براہ راست مے آرد ایں
ولایت مذکورہ کہ رنگین باشد برنگ عبودیت و عصمت آں را ولایت النبوت
مے گویند پس ولایت النبوت غیر منصب نبوت است چہ منصب نبوت مخصوص است
بانبیاء و ایں ولایت النبوۃ اگرچہ بالاصالت در انبیاء یافتہ مے شود امالحقہ اکابر
اولیا را ہم بہ تبعیت انبیا از ان یقینے بدست مے آید چنانچہ دلائل ایں دعوے
از کتاب و سنت عنقریب مذکورہ خواہد گردید فقط (از صفحہ ۵۷)

امام بمنزلہ فرزند سعادت مند رسول است و سائر اکابر امت و اعاظم ملت
بمنزلہ ملازمان خدمتگذار اند و فدیاں جان نثار پس چنانچہ تمام کاربار سلطنت ارکان
مملکت اعظم شہزادہ والا قدر ضرور است و توسل باو واجب ہموارہ خود باوصف
نمک حرامی است و اظہار مفاخرت برو امارت بد انجامی ہمچنیں تواضع و تذلل برصاحب
کمال بحضور او باعث سعادت دارین است و شمردن علم و کمال خود را برو ے
جالب شقاوت نشاتین بیگانگی باو بیگانگیست با رسول و بیگانگی از و بیگانگیست از
رسول خصوصاً درین مقام کہ منصب نیابت پیغمبر ہم از جانب حکیم علی الاطلاق باو مفوض
گردید پس حالش در ضمن ایں تمثیل باید فہمید کہ از مقربان بادشاہی امیرے باشد
بغایت جلیل القدر مقرب در میان حضار دربار مامور بر خدمات عمدہ قائم بر مناصب
عالیہ و او را فرزندی باشد بغایت سعید شائستہ حضور بادشاہی و قابل تفویض خدمات
در لیاقت و ہنر مشابہ بپدر خود و ہمراہ پدر خود آمد و رفت بہ بارگاہ بادشاہی مے
دارد و عزت و اعتبار در نگاہ بادشاہ و در حضار آں بارگاہ بادشاہی جدی بدست

آوردہ کہ منصب نیابت پدر خود باو از حضور سلطانی مفوض گردید پس اگر کسے از رفقائے پدر او باو راہ مساوات خواہد پیمود و بر منصب خود در مقابلہ او تفاخر خواہد نمود ہم نمک حرامی بہ نسبت آقائے خود کہ آں امیر کبیر است بادعا مد خواہد شد و ہم عتاب سلطانی بر و متوجہ خواہد گردید ہم چنیں سرکشی و ردتابی از امام وقت گستاخی ست بہ نسبت او و مساوات اوست بہ نسبت رسول و اعتراض مخفی است بر حکیم علی الاطلاق کہ ایں چنیں شخص ناقص را منصب نیابت آں چناں شخص کامل عطا فرمودہ بالجملہ تقرب الی اللہ تبرک توسل ایشاں خیالی است بر افتدل دوہی ست سراسر باطل و محال۔

بے عنایات حق و خاصان حق　　　　گر ملک باشد سیہ گرددورق

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حب علی حسنۃ لاتضر معہا سیئۃ وبغض علی سیئۃ لاتنفع معہا حسنۃ قال علیہ السلام الا ان مثل اہل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ہلک رزقنا اللہ وسائر المسلمین حب اہل بیت واتباعہم بل حب جمیع ائمۃ الہدی واتباعہم آمین یارب العالمین ؛

اس فاضلانہ تحریر کے دیکھنے کے بعد کون شبہ کرسکتا ہے کہ جو کچھ مخالفت سے مولنا شہید کی نسبت لکھا گیا ہے وہ کس قدر نا روا اور بے جا ہے۔ آپ نے اس عزلت گزینی کی جو ہر نوع سے دلی نفرت پیدا کرنے کی پہلی منزل ہے۔ وہ جس حدوث بالکل قانون قدرت کے خلاف ہے پوری قلعی کھول دی آپ نے صاف طور پر فرمادیا کہ انسان کو جو کہ رذیلۃ النفس اور بدترین ناس سے بھی نفرت نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ مناجات چھوڑ کر ان کی ہدایت میں سرگرم ہونا چاہیے۔ موجودہ اور کسی قدر

گذشتہ زمانہ میں ولی اور فنافی اللہ اسے جانتے تھے جو ترک دنیا کے نام سے مخلوق خدا پر سنگ باری کرے۔ اور اگر کوئی مسلمان اس کے پاس جائے تو اس پر نگاہ ڈالتے ہی لاحول پڑھ دے۔ اور تھو تھو کر کے اپنا حجرہ بھر دے گذشتہ دو تین صدیوں میں ہندوستان بھر میں یہ شان ولایت اور فنافی اللہ ہونے کی کامل شہادت سمجھی جاتی تھی اگر یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ تارک زہادہ حقیقت پہنچا ہوا فقیر ہے۔ اور جب کہ خدا کی یاد میں ہر وقت رہتا ہے اس لیے ہستہ آدمیوں کی صورت سے نفرت ہوتی ہے تو بھی ہم اس پہنچے ہوئے ولی اللہ کو یہ کہیں گے کہ یہ خود غرض ہے۔ ذاتی نفع پر اس کی نظر ہے۔ اور خواہشات نفسانیہ میں اس قدر محو ہے کہ ہم درندی بنی نوع کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں آتا۔ خدا مولانا شہید کے جنت میں مدارج بلند کرے کہ آپ نے صاف طور پر کھول دیا کہ ایسا شخص مسند امامت پر جلوہ افزا ہے ایسا شخص جسے منصب امامت یا ولایت کے حاصل کرنے کا افتخار حاصل ہو چکا ہے اس پر واجب ہے کہ ترک مناجات کر کے گمراہوں کی ہدایت میں مصروف اور بنی نوع کی ہمدردی میں اپنا دھن من تن قربان کر دے اور ہر دم اس کی زبان پر یہ جاری ہو نہ صرف زبان پر بلکہ اس کی عملی زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ پایا جاتا ہو۔

علم و ہنر و سیم و زر و جان و دل ما
وقف است ہمہ بہر ہوا خواہی احباب

کسی زمانہ میں ولیوں اور بڑے بڑے صوفیوں اور بڑے بڑے مولویوں کو چھوئی موئی بنا رکھا تھا کہ ادھر کسی کا سایہ پڑا یا کسی نے ہاتھ لگا دیا بس وہ مرجھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے کیا سمجھ رکھا تھا انہوں نے خود ہی اپنے کو چھوئی موئی بنا رکھا تھا

بنی نوع کی صحبت سے انہیں سخت نفرت تھی اور وہ اپنی عظمت ایسی قابل نفرت فعل سے جانتے تھے۔

یہ اب تک غلط فہمی سے مشہور ہے کہ مولانا اسمٰعیل ولیوں وغیرہ کو کچھ نہ سمجھتے تھے مگر تحریر بالا کی شہادت سے تمام وہ اعتراضات جو ناحق اس ذات والا پر کیے جاتے ہیں دور ہو جائیں گے اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ پھر کسی کو خیالی اعتراضات کرنے کی پُرغلط دلیری نہ ہو گی۔

"منصب امامت" کی نسبت ہنٹر لکھتا ہے کہ سید احمد صاحب کی امامت منوانے کے لیے مولانا شہید نے تصنیف کی تھی مگر میں کہتا ہوں اگر وہ منصب امامت کو بالاستیعاب دیکھتا تو اسے یہ کہنے کا موقع نہ ملتا یہ بیش بہا رسالہ درحقیقت کوئی خصوصیت اپنے میں نہیں رکھتا۔ عام طور پر نبوت خلافت ولایت کے ادق مضامین پر کوئی بحث کرتا تو اسے صدہا اجزا سیاہ کرنے پڑتے پھر بھی شاید مطلب صاف طور پر نہ کھلتا مولانا شہید نے چند اجزا میں طولانی مضامین اور غیر محدود مباحث کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح ادا کر دیا گویا کچھ بڑا کام ہی نہ تھا ہر جملہ جو تین چار الفاظ سے زیادہ نہ ہو گا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل سے ڈھل کے نکل رہا ہے۔

منصب امامت کو لو اور ذرا بغور دیکھو۔ فکر کرو اگر درحقیقت تمہیں ان مضامین سے کچھ بھی مذاق ہو گا تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ چھوٹا سا رسالہ اپنی نوعیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

یہ نہایت کمال کی بات ہے کہ جہاں نبی کی صفات بیان کی ہیں وہاں اس کے فرائض منصبی سے بھی اطلاع دیدی ہے تاکہ صفات کی فرائض منصبی کے ساتھ

طبیق ہو سکے۔

پانچویں کتاب ہنٹر نے اپنے صفحہ ۷۶ میں مولانا موصوف کی تصنیف سے تذکرہ الاخوۃ لکھی ہے میں نے ہر چند اس کتاب کو تلاش کیا مجھے نہیں ملی خبر نہیں ڈاکٹر ہنٹر کے ہاتھ یہ کتاب کہاں سے لگ گئی تھی بہ ہر حال اگر اس کتاب کا وجود تسلیم کر لیا جائے پھر بھی یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نصیحتیں ہوں گی۔

چھٹی کتاب "ایضاح الحق" نامی مولانا موصوف کی تصنیف سے بیان کی جاتی ہے ڈاکٹر ہنٹر نے اس رسالہ کا اپنی کتاب میں کہیں ذکر نہیں کیا ہے ان رسائل کے علاوہ آپ کی تصوف میں اور بھی کئی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کتابیں زیارت کر چکا ہوں اور بعض کو میں نے دیکھا بھی نہیں خیر میں اب اس بحث کو ختم کر کے ایک نہایت دلچسپ امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ایک کتاب اس نام کی ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں پر از روئے ایمان کے ملکہ معظمہ سے بغاوت کرنی فرض ہے" تصنیف کی تھی اور جس کے شافی اور دندان شکن جواب سر سید نے لندن کے انگریزی اخبارات میں طبع کرائے اور پھر وہ کل مضامین ایک رسالہ کی صورت میں جو ۱۵۰ صفحے کا ہے دو کالموں میں جس میں ایک کالم انگریزی کا اور دوسرا اردو کا ہے طبع ہو گیا ہے۔ جسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے اور خیالات کو واپس لیا اور اپنی تحریر پر پریشانی ظاہر کی۔ میرے خیال میں اب اس قسم کی بحث کرنے کا زمانہ ہی جاتا رہا ۱۸۷۲ء میں ذرا لوگ ان باتوں کو غور سے پڑھتے تھے۔ نیا نیا وقوعہ دہلی ہو چکا تھا اور بد قسمتی سے بیگناہ مسلمانوں پر الزام لگایا گیا تھا اس لیے بعض صاحب بہادر بھی اپنی گورنمنٹ میں

اپنی مشرقی واقفیت اور مشرقی تجربہ عظیم کا ڈیو ما لینے کے لیے نئی نئی باتیں گھڑ کر گورنمنٹ
کو دکھاتے تھے اس سے انہیں بحث نہ تھی کہ مخلوق خدا کا ایک بہت بڑا حصہ تباہ
ہو جائیگا۔ ان کی تو صرف یہ غرض تھی کہ لندنیوں کی آنکھوں میں ہم ایک بہت بڑے
مشرقی علم و ہنر اور زبان اور معاملات سے واقف کہلائے جائیں گورنمنٹ پرستین
نہیں ہے جب چاہا لٹا دیا اور جب چاہا اٹھا کے بٹھا دیا وہ ان باتوں کو خوب سمجھتی ہے
اسے ایسے زہریلی تحریروں کا کامل علم ہے میں پرانے جھگڑے کو چھیڑنا اور بے نتیجہ
تطویل کرنا پسند نہیں کرتا صرف اتنا ضرور لکھونگا جب ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ قول
ہے کہ "تنویر العینین" کو جو رفع یدین کے بارے میں لکھی گئی ہے اور "تقویۃ الایمان" کو
جو شرک و بدعت کے رد میں لکھی گئی ہے "صراط مستقیم" کو جس میں سوائے ایک جگہ کے
ہر جگہ ترک دنیا کا ذکر ہے۔ جہاد کی روح مسلمانوں کے تنوں میں پھونکنے والی کتابوں
کی فہرست میں اپنے رسالہ مذکورہ صفحہ ۷۰ میں درج کر دیا۔

ایں کار از تو آید و عالم چنیں کنند

"تقویۃ الایمان" اور "تنویر العینین" میں ایک جملہ جہاد کی طرف اشارہ بھی نہیں
کرتا اب اس تعصب اور اندھے پن کا کیا علاج کہ ان مذہبی کتابوں کو بھی جہاد کی کتاب
کہا جاتا ہے۔ اور جہاں آپ سخت تحریر سے لکھتے ہیں اب تک برٹش عملداری میں یہ
کتابیں عام طور پر بکتی ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ایسی ہی سمجھ کے لوگوں کے ہاتھ میں مظلوم
مسلمانوں کی جانیں ہوتیں تو یہ کبھی کا پیس ڈالتے خدا نے ہماری روشن دماغ گورنمنٹ
کو ایسے کانوں کی سمجھ دی ہے۔ جب تک وہ ایک معاملہ کی خوب تحقیقات نہیں کر لیتی
اس میں ہاتھ نہیں ڈالتی ورنہ ایسے آتش عنصر تو کبھی کے اسلامی پرانے شامت

ڈھانچہ کو توڑ مروڑ ڈالتے۔

اتنا بڑا محقق اس الوالعزمی سے تو اتنے بڑے اہم مسئلہ میں رائے دینے
کھڑا ہو گیا۔ مگر اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ جن رسائل کی بنا پر ... کے رسالے آتے ہوں اگر خود پڑھا
ہوتا نہیں ہوں تو لاؤ کسی نابالغ مسلمان بچہ سے پڑھوا لو۔ گھنٹہ دو گھنٹہ میں مضامین
رسائل کے بارے میں اطلاع ہو جاتی۔ وہاں تو غرض گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف
سے بھڑکانے اور صریح دھوکہ دینے کی تھی۔ اس لیے ہر حق بات سے عمداً چشم پوشی
کی۔ الحمد للہ کہ سرسید کی زبردست تحریرات نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ
کر کے دکھا دیا اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی غلط فہمی تعصب یا دھوکہ دہی کی نسبت
گورنمنٹ اور تقریباً تمام تعلیم یافتہ حصہ لندن میں ظاہر ہو گئی۔ اب مجھے یہ ضرورت
ہے ... میں نئی طرز پر بحث کروں۔ ڈاکٹر صاحب پشیمان ہو چکے۔ گورنمنٹ ڈاکٹر صاحب
کی غلطیاں تسلیم کر چکی۔ پھر اب زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا رہی۔

اس قدر جو میں نے لکھا بھی تو صرف اس لیے کہ مولانا شبلی نے جن کتابوں کی
بابت ہیں نے لکھا اور ان پر مختصر ریمارک کیا ہے اس کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے
بھی کیا ہے۔ اس لیے مجھے ضرورت ہوئی کہ میں اپنے ناظر سوانح کو ہنٹر صاحب کی
نیت غلطی پر بھی مطلع کر دوں اور دکھا دوں بعض مغربی[1] محققوں کی یہ شان ہے کہ جو کچھ
ان کے جی میں آتا ہے۔ اپنی غلط منطقی پیچیدہ عبارت میں اٹکل پچو لکھ مارتے ہیں اور
واقعات کو ایسی عمدہ عبارت آرائی میں بیان کرتے ہیں کہ محض ایک کذب بھی
صداقت بن جاتا ہے۔ ہاں بصیر کی نگاہ میں چاہے وہ کذب کا کذب ہی رہے۔

بہ دیبا جامہ پنہاں کردہ برص لیکن
بچشم اہل بصیرت برہنہ می آئی

[1] حاشیہ: ایک مغربی مصنف کے قلم میں سیاسی خوش داخل ہے۔ خواہ مخواہ ... (مصحح)

اس کے بعد میں مولانا شہید کے بعض خطوط بعینہ درج کرتا ہوں۔ گو میرے پاس خطوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا مگر وہ مجھ سے ضائع ہو گئے۔ اور صرف ان ہی چند خطوط پر اکتفا کیا جو ناظر سوانح کی کچھ نہ کچھ دلچسپی کا باعث ضرور ہوں گے جتنے خطوط مختلف سرداروں حکمرانوں اور مولویوں کو سید احمد صاحب کی طرف سے لکھے گئے وہ کل خطوط دراصل مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب ہی کے قلم کے لکھے ہوئے تھے اور وہ ابھی ایک کتاب میں طبع ہو گئے ہیں مگر میں دو خط وہی نقل کرنا چاہتا ہوں جن میں اول یہ جملہ ملتا ہے " از اسمٰعیل بخدمت فلاں " میرے خیال میں دو ہی خط کافی ہوں گے۔ پہلا خط درج ذیل ہے:۔

از مولنا محمد اسمٰعیل بنام میر شاہ علی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از بندۂ ضعیف محمد اسمٰعیل بخدمت معدن غیرت ایمانی منبع حمیت اسلامی مقبول بارگاہ رب قوی مخدومی میر شاہ علی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام مسنون و دعائی اجابت مقرون واضح آنکہ۔ نامۂ نامی و رقیمہ گرامی متضمن بہ کلا سیکہ فی مابین صادقین و منافقین واقع گردیدہ رسید مضامین مندرجہ واضح گردید۔ جزاکم اللہ خیرا۔ آنچہ نگارش فرمودہ بودند کہ مضامین سوال و جواب را منقح گردانیدہ و آں را کسوت تالیف رسالہ پوشانیدہ ارسال باید داشت مخدوما حقیقت امر ایں است ہر چند کہ تحریر و تقریر ہم در بعض مقدمات نوعی از جہاد است نہ ما ایں ضعیف بلکہ سائر حاضرین ایں مقام در امری مشغول، نہ کہ تقریرات و تحریرات را در اں

امر اصلا گنجائش نیست حال مامردم نسبت حال این تحریر و تقریر بمشابہ حال شخصے است
کہ بہ نفس ادائے صلوۃ مشغول است بہ نسبت کسے کہ تعلیم مساعی صلوۃ مے نماید
پس ہر چند تعلیم مساعی صلوۃ ہم از جملہ مقدمات صلوۃ است اما حال ادائے نفس
صلوۃ مانع ست از اشتغال بہ تعلیم مساعی صلوۃ کسیکہ حال مجاہدین را مشاہدہ
نماید۔ بالیقین بداند کہ مسلک قیل وقال و بحث و جدال خواہ حق باشد
خواہ باطل دیگر و مسلک این مردم دیگر مسلک اول از جنس مسلک علما
است و مسلک ثانی از جنس مسلک سپاہیان و شان ہر یک سے نما۔ حالانکہ در این
مقام چند کلمہ تحریر کردہ مے شود آنہم بہ خاطر فاتر بس گراں است فاما بنابر
پاس خاطر عاطر نوشتہ مے شود کہ در انعقاد امامت جناب امیر المومنین بر تاہد
حدیث و کلام و فقہ اصلا شبہ نیست و آنچہ مخالفین از جنس قبائح بآنجناب
نسبت مے کنند آں ہمہ سراسر باطل ست و از دیدہ صدق بنا دان و آنچہ بر
رفقائے آں جناب نسبت مے نمایند پس اکثرے از اں ہم مطابق واقعہ نیست
برتقدیر تسلیم پس قبیح رفقائے امام ہرگز در امامت آں قادح نیست چنانچہ
قبیح اتقیاں ہرگز در ثبوت نبی الشان قادح نمے تواند کرد و نیز برتقدیر تسلیم
آنچہ بذات آں جناب ہم نسبت مے کنند پس ظاہر است کہ آں ہم
در ثبوت امامت بالقرار آں اصلا قادح نیست چہ منتہائے آں قدح
در مراتب ولایت است و ثبوت مراتب ولایت اصلا در شروط امامت
نیست بلکہ فسق و ظلم ہم سبب زوال امامت بعد ثبوت آں ہرگز نمے تواند
شد چناں چہ در حدیث متواترہ عبارات اسلاف و اخلاف و فقہائے

متکلمین بر آں دلالت می دارد و بالجملہ مدار کلام برہمین دو امر است
اول ثبوت امامت بعد ازاں عدم زوال آں بسبب اعتراضات مسطورہ .
اما مقدمہ اولی پس بیانش آنکہ طریق ثبوت امامت را از کتب حدیث وکلام
وفقہ تفتیش باید کرد و دریں مقدمہ روایات قوی از ضعیف و راجح را از
مرجوح تمیز باید داد و بعد ازاں خلاصہ مضمون قوی راجح کہ در باب طریق انعقاد
امامت است منقح کردہ در ذہن محفوظ باید داشت و بعد ازاں تامل باید
کرد کہ در ما نحن فیہ آں امر منقح متحقق است یا نہ ہر چند حقیقت الامر در امثال
ایں مقدمات بمشاہدہ منکشف می گردد کہ لیس الخبر کالمعاینۃ حدیثی است
ماثور و شنیدہ کے بود مانند دیدہ مثلی است مشہور اما بنا بر آں کہ مشاہدہ حال بہ نسبت
غائبین مفقود است پس انکشاف حال بر سبیل اجمال بہ نسبت ایشاں از اطلاع بر
اخبار ایں جمع اخبار ہم بقدر ضرورت می تواند شد بخدمت ارسال داشتہ شد
تا بوجہ من الوجوہ حقیقۃ الحال منکشف گردد پس ہر کہ دریں مقدمہ بخوبی تامل خواہد
کرد لابد انعقاد امامت آنجناب اذعان خواہد نمود اما مقدمہ ثانیہ پس آں را ہم
از کتب حدیث وکلام وفقہ تفتیش باید نمود کہ کدام کدام امر باعث انعزال امام
باشد از منصب امامت خود ایں بحدی در بارگاہ آنجناب بعید است کہ کس از کفار
نہ غیرہم از ادعای وجود ایں خیانت در ذات آنجناب نمی تواند کرد بالجملہ چوں
امامت آنجناب ثابت گردید ہیچ امری کہ باعث انعزال آنجناب از منصب امامت
باشد یافتہ نشد پس اطاعت آں جناب بر کافہ مسلمین واجب گردید ہر کہ امامت
آنجناب ابتداءً قبول نکند یا بعد القبول انکار نماید پس ہمو نسبت باغی مستحل الدم کہ

قتل او مثل کفار دمراد مسلماں عین جہاد است و ہتک او مثل ہتک سائر اہل فساد
عین مرضی رب العباد چہ امثال ایں اشخاص بحکم احادیث متواترہ از جملہ کلاب
رفقاء و ملعونین اشرار اند ایں است مذہب ایں ضعیف دریں مقدمہ پس جواب
اعتراضات معترضین نزد ایں ضعیف ہمیں ضرب بالسیف است نہ تحریر و
تقریر اما آنچہ ذکر مے نمایند کہ برائے مقابلہ اہل شوکت مماثلہ ایشاں در شوکت
ضرور است پس مے گویم اولاً ایں کہ ایں مقدمہ مذکورہ ممنوع است بلکہ سعی
در تحصیل معنی شوکت بقدر استطاعت خود کافی است مماثل شوکت مخالفین باشد
یا نباشد۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ و اعدوا لہم ما استطعتم (ولو یقل واعدوا
لہم ما اعدوا لکم)

و ثانیاً آنکہ معنی وجود شوکت ایں نیست کہ در جسم امام قوتے بہم رسد کہ
ہماں وقت دولت مخالفین را برہم زند و بذات خود تمام نبود عساکر ایشاں را ہزیمت
دہد بلکہ معنیش ہمیں است کہ جماعات موافقین ہمراہ او بحدے مجتمع شوند کہ باعتبار
ظاہر عقل مدافعت مخالفین بقوت ایشاں مے تواند کرد و مراد از اجتماع ایں نیست
کہ در ہمراں گرد اگرد او ایستادہ باشند بلکہ معنیش ہمیں است کہ ایشاں را با او
علاقہ بہم رسد کہ مقتضائے آں علاقہ در حق ایشاں اطاعت احکام او باشد مثل علاقہ
نوکری در عرف سلاطین و علاقہ قرابت و برادری در عرف افاغنہ و در عرف شرع
ہمیں علاقہ بیعت را اعتبار فرمودہ اند پس چنانکہ صاحب شوکت در عرف سلاطین ہمہ
کہ جمع کثیر از نوکراں داشتہ باشد و در عرف افاغنہ ہماں است کہ جمع کثیر از الوس
داشتہ باشد ہم چنیں در عرف شرع امام صاحب شوکت ہماں است کہ جمع کثیر

از مسلمین بر دست او بیعت امامت بجا آوردہ باشند چہ علاقہ بیعت نزد شارع اقوی است از علاقہ نوکری و قرابت پس جناب امام ہمام را شوکت شرعیہ بالفعل بحدے حاصل است کہ مراتب اقوی است از شوکت مخالفین چہ سرداران پشاور کہ صاحب عساکر و جنود و توپ و شاہین اند و خوانین سوات و بنیر و سمہ و ہمہ خواص و عوام ایشان و پائندہ خان تنولی بیعت امامت بر دست آنجناب بجا آوردہ اند و شمار ایں اشخاص بہ لکھو کھا مے رسد پس لابد شمار عساکر آنجناب بحدے خواہد رسید کہ شمار جنود کسے از مخالفین ہرگز باں حدے نتواند رسید نہا ایں کہ بعضے از ایشاں نکث بیعت نمودہ و حق آں اطاعت است بجا نیاوردند پس محتمل است کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس ایں معنی اصلاً در شوکت شرعیہ قدح نے تواند کرد چنانکہ بسیارے از نوکراں نمک حرامی مے کنند و در بدخواہی آقائے خود مے کوشند پس احتمال است کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس چنانکہ ایں احتمال در شوکت شرعیہ ائمہ قدح نے تواند کرد۔

ثالثاً آں کہ مماثلت شوکت با شوکت جمیع مخالفین از کفرہ شرق و غرب البلاد مراد نیست و الا امامت ہیچ امامے از سابقین و لاحقین ثابت نہ گردد پس مماثلت با شوکت ہمیں مخالفین مراد باشد کہ بالفعل مقابلہ با ایشاں (یعنی با سکھاں) در پیش ست و در ما نحن فیہ ایں قدر شوکت البتہ متحقق ست کہ مماثل شوکت ناظماں چھچھ و ہزارہ و پکھل مے تواند شد اگر مماثل شوکت راجہ رنجیت سنگھ نباشد کدام کس با شان خیر زادہ کہ جناب امام ہمام ہمیں جمعیت قلیلہ مردم لاہور مے دارند بلکہ شب و روز از دیاد جمعیت مسلمین و ترقی شوکت ایشاں مساعی بلیغہ بجا مے آرند

عروج شوکت اسلامیہ تدریجاً امید مے دارند و ایں امر اصلاً مستبعد الوقوع نیست بلکہ در انقلاب ملل و دول ہمیں سنت اللہ جاری است کہ ضعیفے از ضعفاء احاد الناس مثل نادر شاہ و رنجیت سنگھ وغیرہ سر مے بر آرد و آہستہ آہستہ از رفقا جماعتے بہم مے رساند و قوتے و شوکت تدریجاً بدست مے آرد حتیٰ کہ سلطنت سلاطین عظام و مملکت خوانین ذوی الاحتشام بر ہم مے زند چہ بلا بے انصافی است کسے کہ محض برائے طلب دنیا کمر بستہ باشد در حق او گمان فتح و نصرت نمائند و برہمیں گمان رفاقت او اختیار کنند و کسے کہ محض للہ و فی اللہ و ابتغاءً لوجہ اللہ برائے نصرت دین حق مستعد گردد در حق او اصول یعنی فتح و نصرت مستبعد مے پندارند و آں را از جملہ اوہام بعیدہ شمارند و اشکالات رنگا رنگ و اعتراضات گوناگوں بروو ارد گردانند و خود رفیق او نشوند بلکہ عوام مسلمین را از رفاقت او متنفر گردانند و آخر شدہ شدہ نوبت بایں جا رسانند کہ در برہم زدن کار و بار جہاد سعی نا مشکور بجا آرند الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجا۔ و الحاصل آں کہ سلّمنا حصول شوکت قویہ شرط اقامت جہاد باہل شوکت باشد او را آنجناب را شوکت بالفعل حاصل نیست۔

لیکن مے پرسم کہ طریق حصول شوکت برائے امام وقت چیست آیا شوکت بایں طریق حاصل مے شود کہ شخصے از شکم مادر خود معہ عساکر و جنود و سائر سامان جنگ بیروں بر آید تا وقتیکہ بر اقامت جہاد مستعد شود پس ہماں وقت فی الفور از غیب الغیب تمام عساکر و جنود و سائر سامان جنگ باو عطا شود ایں نہ گاہی شدہ و نہ گاہے شدنی است بلکہ طریقش ہماں ست کہ چنانچہ نصب امام بر ذمہ کافہ

مسلمین فرض است و مداہنت در آں موجب معصیت ہمچنیں تحصیل معنی شوکت ہم برائے امام وقت بر ذمہ ایشاں فرض است کہ کل جماعت مسلمین از ہر سو دواں نزد او در جمع شوند و ہر کس از ایشاں بقدر استطاعت خود در تحصیل سامان جنگ کوشش نمودہ اسباب آں بقدر طاقت خود بدست آوردہ بحضور امام وقت حاضر گردانند و لہٰذا در کریمہ اعدوا لہم ما استطعتم و کریمہ جاھدوا باموالکم و انفسکم خطاب بعموم مسلمین متوجہ گردیدہ نہ بخصوص ائمہ۔

پس ہر کہ مے گوید کہ شوکت امام شرط جہاد است و شوکت مذکورہ در زمان فیہ متحقق نیست پس از الازم کہ اول خود شاید بقدر استطاعت خود سامان جنگ ہمراہ آردو انتظار مشارکت دیگرے دریں امر اصلا جائز نیست۔

پس در آنچہ در امر جہاد تعویق و تعطیل واقع مے شود و بال و نکال آں ہمہ بگردن قاعدین متخلفین ست بمشابہ آں کہ نماز جمعہ بر ہر کس واجب است و او بدوں جماعت متصور نہ و انعقاد جماعت بدوں امام ممتنع پس اگر کسے در خانہ نشستہ انتظار ایں معنی کند کہ وقتیکہ امام قائم خواہد شد و جماعت مجتمع خواہد گشت ہماں وقت من ہم جانہ خواہم شد پس لابد نماز جمعہ فوت شود آں کس عاصی و آثم گردد۔

چہ نزول امامی از ارواح مقدسہ و جماعتی از جماعات ملائک برائے اقامت جمعہ ہرگز واقع شدنی نیست بلکہ طریقش ہماں ست کہ ہر کس از خانہ اگرچہ تنہا باشد بیروں برآید و در مسجد رود اگر جماعت مجتمع باشد شریک ایشاں شود و الا در مسجد بنشیند و انتظار دیگرے نماید نہ ایں کہ مسجد خالی بیند بخانہ خود باز گردد کہ انعقاد جماعت و اقامت جمعہ ہرگز بایں وجہ نخواہد شد۔ الخ

دوسرا خط

(از مولانا محمد اسمٰعیل بنام مولوی مظفر علی صاحب عظیم آبادی)

"بعد از سلام محبت التیام واضح آنکہ کاغذے کہ مشتمل بر سوال و جواب مرزا صاحب بود بسمع واقدم رسانیدم آنجناب در جواب آن بس تحقیقاتے لطیف و تدقیقاتے بغایت لطیف ارشاد فرمودند اما این فقیر را از ملاحظہ کاغذ مذکور چنان واضح گردید کہ مردمان مذکور بالاصل از زمرۂ علمائے نیستند کہ قابلیت خطاب ندارند یا مکابرین اند کہ مقصود ایشان تحقیق نیست بلکہ محض فتنہ انگیزی است بنا برعایت نوشتن تحقیقات مذکورہ لیاقت ضائع مے نمود لہٰذا چند طلبہ علم درمیان خود بطریق لطیفے گفتگو مے نمایند بہموں طریق کاغذی نوشتہ ارسال خدمت عالی کردہ شد ان شاء اللہ تعالیٰ بملاحظہ سامی خواہد رسید لاکن درین مقام تامل باید نمود کہ درین جا دو مقدمہ است یکے اثبات ارتداد مفسدین مخالفین و تفریع اباحت قتال و حلت اموال ایشان کردہ شود قطع نظر از آنکہ این معنی مبنی بر ارتداد ایشان است یا بر دیگر سبب یا مختلف کہ بہ نسبت بعضے ارتداد ثابت شدہ باشد و بہ نسبت بعضے بغی و بہ نسبت بعضے سبب دیگر، ہر چند طریق اول ہموں است محقق و منقح نزد ما زیرا کہ مفسدین مذکورین را باصغار فی الواقع از جنس مرتدین بلکہ از جنس کفار اصلی مے شماریم و ایشان را از قبیل کفار اہل کتاب مے دانیم چنانچہ اہل کتاب مجملاً بکتاب ایمان مے آوردند بما جاء من عند اللہ علی سبیل الاجمال اذعان مے کردند اما عند التفصیل بعضے را قبول مے کردند و بعضے را قبول نمے کردند کہ آیۂ کریمہ افتؤمنون ببعض الکتاب

وتکفرون ببعض کاشف حال ایشان است وہمیں مذہب مرکب لا از ایمان وکفر مشرب یہود نصرانیت مے دانستند آنچہ از فضائل ومناقب یہود ونصارٰی در توریت وانجیل مذکور بود جانہائے خود را محمل مناقب مذکورہ مے شمردند حق جل وعلی در رد ایشان این آیت فرستاد۔

قالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ قل اتخذتم عند اللہ عہداً فلن یخلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ الخ

زیادہ والسلام مورخہ ۵ جمادی الاول ۱۲۴۶ھ فقط

اس کے بعد ہم وہ فتوی درج کرتے ہیں جو مولنا ممدوح نے اپنے خط سے تحریر کرکے اپنے دوست مکتوب الیہ کے پاس بھیجا تھا۔ بلفظہٖ اس فتوی تیموری کی نقل درج ہے۔

استفتار امیر تیمور در باب ہیئت شہر دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چہ فرمایند علمائے دین محمدی وفقہائے شرح مصطفوی علیہ الصلوۃ والسلام اندریں مسئلہ کہ شہرے از شہرہائے مسلمانان کہ آنجا والی وقاضی وعلماء وسادات ہستند وفسق وفجور وامور نامشروعہ باعلان و اظہار کنند وخاتون خوبصورت چہرہ را آشکارہ کردہ دوکان کردہ آن جا بنشانند وروز وشب آنجا زنا کنند ودر رہنمائے ایشان را بحضور مسلمانان وعلماء مغنیان بادہل ودف ونائے احضار کنند وتغنی فرمایند

وعورات معینه را آشکارا در مردان و مثال و مفسدان و مستورات دارند فساد
مشغول شوند و سر مهمانی (دعوت) که بر وفق سنت محمدی است چنانچه ولیمه بعد شب
نکاح و عقیقه هفتم روز از ولادت نکنند بلکه برعکس آں بر مشابهت رسم کفار هند
پیش از نکاح چند روز مهمانی کنند و شب ششم یعنی چھٹی از ولادت چنانچه رسم کفار هند
ست عورت را غسل نه هند و مزامیر و مغنیه را احضار کنند و تمام رسوم باطل کفار را
اعانت کنند و اگر مسلمانے بر وفق دین محمدی ایشان را منع کند منع نشوند و هم بر آں
مصر باشند و گویند که بے چنیں طائفه مفسد و در رسوم باطله ایں کار میسر نمے شود ایں
محض کفر است و نیز دوکان ها را میان چار سوئے بازار بنا کنند و آشکارا آنجا جمیع
چیز جائز و ناجائز فروشند خوکاں را آشکارا در آبادی شهرها بدارند و آں شعار
کفر ست و نیز در بازارها و خرابهار (شراب خانے) و گذرهائے آب (گھاٹ) شنگارا
(عاملان حصول چنگی) تعیین کنند و باجهار (محصولات) درایں ها بخلاف شرع انور وضع
نمایند تا از تجار و غازیان و رعیا و اهل سوق بظلم و تعدی تمام مالهائے ناحق بستانند
آں را حق خود دانند و از بعضے محل آں چه من حیث الشرع مے آید چنانچه جزیه و خمس
غنائم آں را بر توت بگذارند و آں را جزیه را احسان تصور کنند و بر آں ثواب دارند و نیز
بعضے مستحقان از اهل کفار از اهل علم و جهل و عمل را صد چند کفایه زیاده بهند و از بعضے
حق در آں باں مقدار که کفایت او ست باز دارند و نیز عهده داران بعد کفایه از
بیت المال چنانچه قاضی و محتسب و امیر شحنه و رئیس و کوتوال اخذ رسومات و مقدار
و بیجلات کنند و آں ناحق را از هوائے نفس و جهل مستحق حق خود دانند و ایں کفر است
و نیز مردان لباس ابریشمی و انگشتری زریں (سونے کی) به تفاخر بر خلاف سنت به

مشابہت کفار پوشند و بند دستار برخلاف سنت بمشابہت انبیا بر بندند و چوں ایشاں را ازاں منع کنند گویند کہ مایاں غازیان ہستیم ممنوعات شرعی بر ما مباح است وہم دراں مصر باشند و ایں سبب زوال ایماں است پس اگر بادشاہ قاہر بہر کردہ نیا باشد و بر ایشاں ثبوت مے شد ایں کار ہائے مے کنند و ایں رسوم باطلہ کہ از شرع دور و بہ تکفیر نزدیک است مے پردازند و ایشاں منع نشوند وہم برآں کار مصیر باشند برایں بادشاہ قاہر با ہر واجب است بلکہ فرض است کہ برائے اعزاز دین محمدی لشکر باکشند و بآں مسلماناں بہ تیغ محاربہ نمائند و ایشاں را بکشند و زناں و فرزندان ایشاں را اسیر نمایند و آں ولایت را خراب سازند تا آں رسوم باطلہ بالکلیہ برافتد و دین محمدی اعزاز پذیرد و تا بلاد ہائے دیگر خلق انتباہ شود و مسلماناں دیگر کہ ازیں نوع مے کردند متنبہ شوند و ازاں باز مانند۔ آں بادشاہ قاہر با ہر دریں کار مثاب باشد عند اللہ العظیم یانہ۔ جابوا جواب باشد و اللہ اعلم دستخط و مہر عبد الرشید ابن قطب الدین الہروی محمد بن طاہر البخاری الماوردی النہری عبد العزیز بن قطب الدین الہروی علی بن عبد الکریم الاصفہانی شیخی بن جنید الکوفی۔ ابوبکر بن ابی القاسم البغدادی بن کتاب الفخ العتیق عبد الجبار بن یوسف النجار۔ یوسف بن محمد السمرقندی احمد الہروی مظفر بن منصور البلخی نظام الدین بن تاج الہروی۔ فقط۔

ہمارے مولٰنا ممدوح کے ان دو خطوں اور اس استفتاء سے جو آپ نے اپنے دلائل جہاد قوی کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ صاف ہویدا ہوتا ہے۔ کہ آپ کا عملی زندگی احکام شریعت کے دائرہ میں گذارنے کا خیال کتنا واثق اور کس درجہ استوار تھا۔ کن کن باتوں کو ناجائز اور کن کن اعمال کو جائز قرار دیتے تھے جو یا

شہید کی سوانح عمری کو بغور دیکھے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ بچپن سے وقت
وفات تک جس شخص کی زندگی بالکل احکام نبویہ کی متابعت میں گذری ۔ وہ
شخص اسمعیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پوتا تھا۔ جس غرض سے یہ سوانح عمری
لکھتے ہیں تو اس کے سمجھنے والوں کے لیے وہ مخفی نہیں ہے مگر ظاہراً [illegible]
یہ ہے کہ اس بزرگ قوم اور رکن اسلام کی نسبت بعض مسلمان اپنی نادانی یا
غلط فہمی سے اب تک بھی ایسے [illegible] جو سوء ظن رکھتے ہیں۔ وہ بالکل مٹا دیا جائے
اور پبلک کے سامنے اس کے ذاتی جوہروں کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے کہ
پھر اس کے قبول کرنے میں دشمن کو بھی چون و چرا نہ ہو اور اس بزرگ نفس کی سچی شان عام
پر ظاہر ہو جائے ۔

میں نے جہاں تک ممکن ہوا اس بزرگ کے حالات کو اختصار کا جامہ
پہنایا ہے ۔ ورنہ اگر اس کے حالات زندگی مفصل لکھے جاتے تو اس جیسی چار کتابیں
تیار ہوتیں ۔ بہر حال ناظرین کی طبع کا خیال کر کے یہ سوانح عمری نہایت اختصار سے لکھی
گئی ہے ۔ اور اس کا انصاف پبلک پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔

اس کتاب کے لکھنے سے میری غرض واہ واہ سننے اور اپنی تعریف میں لوگوں
کو رطب اللسان دیکھنے کی ہرگز نہیں ۔ خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے
صرف غرض یہ ہے کہ ہمیں اس بزرگ قوم کی سوانح عمری سے [illegible] جس سے
اپنا [illegible] تک قوم پر ظاہر [illegible] اور اس پر لیا احسان کیا کہ وہ [illegible]
تک اس سے بکلی [illegible] رہی تھی ۔
خوف تھا کہ اگر [illegible] جلیل القدر واجب الاحترام شہید کی کوئی یادگار قائم

نہ ہوئی تو ضرور ایک نہ ایک دن زمانہ اسے بھلا دیگا۔ الحمدللہ پھر سے نئی زندگی پیارے شہید کو ملی۔ اور قرآن کا وہ فیصلہ کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بالکل صادق آگیا۔ مجھے اپنی اس جانکاہی پر نہ کچھ فخر ہے نہ ناز ہے نہ میں قوم سے اس کا صلہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میرا فرض تھا میں نے پورا کر دیا۔ پھر قوم پہ یا کسی پر احسان ہی کیا ہوا خدا سے اگر ہے تو صرف یہ دعا ہے کہ قوم میں یہ کتاب مقبولیت کا جامہ پہنے اور مسلمان اسے دلچسپی سے پڑھیں۔ آمین ثم آمین ؛

اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں عالی جناب حضرت سید احمد صاحب کی مختصر سوانحمری ہے۔ چونکہ دونوں امیر و مامور کی زندگی کا بہت سا زمانہ یکساں اور ایک ہی حالت کا گذرا ہے۔ یعنی ابتدائے جنگ سے شہادت تک جو حالات قلمبند ہو چکے ہیں وہ دونوں ہی امیر و مامور پر صادق آتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ دلچسپ نہ ہوگا اگر بہ تبدیل الفاظ سید صاحب کی سوانحمری میں بھی وہی باتیں درج کی جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حالات زندگی میں وہ باتیں درج کی جائیں جو نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اور جن سے اس محترم سید کی روشن ضمیری اور لاثانی شرعی زندگی کا سچا نمونہ معلوم ہوتا ہے ؛

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حصّہ دوم

مولانا سید احمد شہید امیر المجاہدین کی مختصر سوانحعمری

پیدائش ۔ طفولیت ۔ تعلیم

حضرت سید احمد صاحب جنہوں نے سرحدی جنگی تاریخ میں بہت بڑا نام پایا۔ بماہ محرم الحرام ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۶ء رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بہت بڑا نامور اور عالم مشہور تھا سید محمد عرفان صاحب آپ کے والد بزرگوار تھے جن کی شرافت ایمانداری اور علم کی اہل بریلی قدر کرتے تھے آپ کے نانا سید ابو سعید ایک فقیر طبیعت بزرگ تھے۔ جن کی محتاط زندگی اور اتقاء پرہیزگاری نے نہ صرف ان کی شہرت کو رائے بریلی کی چاردیواری یا حدود میں بند رکھا بلکہ دور دور آپ کے تقدس اور پاکی کی ناموری نے آپ کے خاندان سادات کی بزرگی میں اور بھی جان ڈال دی۔ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سید ابو سعید کو خاص اور اصل سید واجب الاحترام جانتے تھے۔ اسی طرح بزرگ سید کے حقیقی چچا سید ابو النعمان نے قرب و جوار کے مسلمانوں کی تسخیر قلوب میں سب سے زیادہ ناموری حاصل کی تھی۔ غرض یہ بزرگ سید صاحب جس پر ہمیشہ تاریخ کی روشنی چمکے گی۔ اس معزز

خاندان میں پیدا ہوا۔

جب آپ کی عمر کچھ مہینے اور چار برس کی ہوئی تو حسب معمول مکتب میں قرآن شریف
پڑھنے کے لیے بٹھا دیا گیا۔ مگر یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اس بچہ نے تعلیم کی طرف
بہت توجہ مطلق مبذول نہیں کی۔ بچپن کے حالات گو کسی ایسے سلسلہ سے ہمیں نہیں
پہنچے کہ ہم [illegible] ان کی صحت کا مست یقین کر لیں۔ پھر بھی نہیں تو کچھ تعلق ہو سب
رکے صدق و کذب کا خدا کو علم ہے۔ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ امید ہے
ہمارے ناظر سوانح کو دلچسپی ہوگی۔ سید محمد صاحب کا بچپن معمولی کھلنڈرے
بچوں کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ مسکینی، غریبی، کم بولنا، آہستہ سے بات کرنا۔ یہ تمام
[illegible] بچپن [illegible] کم [illegible] ہیں [illegible] سید [illegible] موجود تھیں۔ [illegible]
[illegible] تھا [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] نے اس کو [illegible] کی نگاہ میں یتیم بچوں کی طرح
ثابت کر دیا تھا۔

عموماً وہ ناز بھرے تیور جو چھوٹے بچے اپنے والدین سے کرتے ہیں، بات
بات میں مچل جانا۔ قدم قدم پر اٹھکھیلیاں کرتے ہوئے چلنا، اپنے والدین کو [illegible]
[illegible] ان کی گودی میں لوٹ جانا۔ ہر خواہش کو بہت آزادی بلکہ خود [illegible]
[illegible] والدین کی خدمت میں پیش کرنا اور اگر ان سے پوری نہ ہو سکے تو ضد کر کے اس
کی تعمیل پر مجبور کرنا۔ کھلنڈرے بچوں کی طرح بستہ کو ادھر ادھر چھپا کر اپنے ہم عمر
کے ساتھ باغوں کی سیر کو نکل جانا۔ وہ ناز بھری خوش نما باتیں جو عموماً بچے
والدین سے کرتے ہیں ان پر مفقود ہونا۔ غرض یہ تمام معمولی باتیں جنہیں عموماً ہر بچہ

سید صاحب کی لکھنے پڑھنے کی طرف اس قدر بے توجہی اس کے بزرگ باپ کے دل میں اپنی فلاح اور معزز کنبہ کے نام کو برقرار رکھنے سے مایوسی کی طرف پھیر دی۔ والدین خواہ غریب ہوں یا امیر ان کی آرزو میں اپنے ہونہار نوجوان بچوں کی کوششوں پر موقوف ہوتی ہیں۔ اگر وہ دولت مند ہوتے تب بھی اپنا نام بلند ہونا اپنے بچوں سے چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ امیر نہ ہوئے تو پھر یہ خواہش رہتی ہے کہ جب ہمیں ہمارے پیر جواب دیں گے تو ہمارے نوجوان بچے ہماری پرورش کریں گے۔

غرض جب پیارا سید مکتب میں بٹھایا گیا ہے۔ تو اس نے قرآن مجید عمدہ طور پر پڑھ لیا۔ اور بہ نسبت اور بچوں کے اسے یاد بھی خوب تھا۔ استاد بہت خوش تھا اور تعریف کیا کرتا تھا۔ کہ کبھی یہ بچہ اپنے سبق یاد کرنے پر گھرکی اور مار نہیں کھاتا۔ گھر میں ہر متنفس خوش تھا۔ اور سید کو ذہان طبع اور پڑھنے کا شوقین سمجھتا تھا۔ مگر جب قرآن ختم ہو چکا اور کریما خالق باری وغیرہ کی نوبت آئی تو بارہ حکم نادار کا مضمون تھا۔

کریما کا پہلا مصرع خاصہ عمایۂ ہے۔ مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا۔ اس پر بھی کبھی کریما بھول گئے تو کبھی برحال ما کو دل سے محو کر دیا۔ اب تو میاں جی کے ہوش اڑے کہ قرآن پڑھنے میں تو یہ بڑا ذہین تھا۔ کتاب میں اسے کیا ہو گیا۔ بہتیرا سر پٹکا اور مغز پچی کیا۔ بزرگ سید کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔ یہ نہیں تھا۔ کہ پیارا اور واجب الاحترام سید سبق کے یاد کرنے میں محنت نہ کرتا ہو۔ اور شرارت سے ڈھیٹ بنا خاموش بیٹھا رہتا ہو۔ نہیں وہ بخوبی محنت

بھی کرتا تھا۔ میاں جی کے کہنے کے موافق مکتب کے وقت کی بھی پابندی کرتا تھا
اس پر بھی اسے یاد نہ ہوتا تھا۔ اس کے ذہن اور یادداشت کا یہ اتار چڑھاؤ
دیکھ کے یہ خیال آتا تھا کہ جیسے چلتی گاڑی میں کوئی روڑا اٹکا دیتا ہے۔ اور پھر وہ
بیلوں کی طاقت سے بھی نہیں چلتی سوائے اس کے اس پر انتہا درجہ کا زور لگایا
جائے تو پہیہ دو چار انچ زمین سے رگڑا کھاتا ہوا بمشکل آگے بڑھے گا یہی کیفیت
بزرگ سید کی تھی جب وہ ایک ایک جملہ کو گھنٹوں جپے جاتا تب کہیں کسی قدر یاد
ہوتا تھا اور دوسرے دن تماشا یہ تھا کہ وہ بھی چوپٹ جب یہ کیفیت ہوئی تو والدین
اور میاں جی کی تنبیہ بڑھنے لگی۔ اور گھر کی جھڑکی آنکھیں نکالنے سے گذر کر مار پیٹ
پر نوبت پہنچ گئی۔ اس سے بھی والدین کی آرزو پوری نہ ہوئی جب انہوں نے
یہ دیکھا کہ قدرتی طور پر اس کے دماغ میں قفل لگ گیا ہے اور یہ کسی طرح کی تنبیہ
سے بھی نہیں پڑھ سکتا تو ناچار ہو کر پڑھنے سے اُٹھا لیا اور زیادہ جبر کر کے
معصوم جان کو گھلنے نہ دیا کیونکہ اس چند مہینے کے عرصہ میں پیارا سید دبلا اور زرد
رُو بہت ہو گیا تھا۔ اسے خود ہی اپنی طبیعت کی اس غنچہ دہنی کا بڑا رنج تھا۔
اور تنبیہ والدین وغیرہ کو بہ نسبت اور بچوں کے زیادہ معلوم کرتا تھا الحمدللہ کہ بزرگ
سید کے ہوشیار اور عقلمند والدین نے چند روز کے بعد ناگوار تنبیہ اور ناروا تقید سے
مطلق آزاد کر دیا اور اسے طبیعت پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے اسے اختیار ہے
بزرگ سید جیسا کہ ابھی ہم لکھ آئے ہیں کھلنڈرا نہ تھا جب اسے کامل آزادی مل گئی اپنے
گھر میں رہنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اختیار کیا کئی برس یونہی گزر گئے گو وہ قرآن
سمجھتا نہ تھا کیونکہ اسے بامعنی قرآن ملکی دستور کے موافق نہ پڑھایا گیا تھا۔

پھر بھی بچپن کی معصوم طبیعت پر کلام اللہ کے ہر ہر لفظ کا ایسا زبردست اثر پڑتا تھا
کہ وہ بعض وقت بے اختیار رونے لگتا تھا جب سید ابو النعمان صاحب نے یہ دیکھا
کہ میرے کم عمر بھتیجے کو قرآن پڑھنے اور اس سے متاثر ہونے کا بہت کچھ مذاق ہے
اور اس کے دل پر ربانی کلام کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے تو انہوں نے قرآن شریف
کے معنے پڑھانے شروع کیے۔ پڑھانے کے ارادہ کو انہوں نے چند روز کے لیے
ملتوی کر دیا۔ انہیں خیال تھا ناحق بے مغز پچی ہوگا۔ وقت ضائع ہوگا اور کچھ
نتیجہ نہ نکلے گا۔ یہی اور لوگوں نے بھی کہا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ معصوم سید
کی طبیعت میں ربانی کلام سمجھنے کا پورا پورا مذاق حاصل ہے۔ اور دوسری کوئی بات
کو اس کی طبیعت قبول نہیں کرتی۔

ہم نہیں بتا سکتے کہ بزرگ سید کا جوہر کن آسمانی عنصروں سے بنا ہوا
تھا۔ ہاں یہ ہم اس کی لائف دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر اندیش بھولا
ممتاز زندگی رکھنے والا اور مسلمانوں کی ہر بات پر اعتبار کرنے والا تھا۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس کے ضمیری جوہر بچپن سے ایسے ہی چمکدار
اور نمایاں تھے اور انہی صفات سے موصوف ہو کر اس نے اپنے چچا سید ابو النعمان
سے آخر کار قرآن مجید دوبارہ با معنے پڑھا۔

قرآن مجید کا با معنی پڑھنا بزرگ سید کو نئی زندگی کی طرف راہ نمائی کر کے
لے گیا۔ پہلی حالت کسی قدر بدلی ہوئی معلوم ہونے لگی اور چہرہ پر بھی نیا رنگ جلوہ
دے گیا۔ پہلے طبیعت میں سکوت سکون خموشی سمائی تھی اور اب اس کی جگہ
جوش نے اپنا جلوہ کیا۔ بزرگ سید گھر میں زیادہ بیٹھنا اچھا نہ سمجھتا تھا بلکہ اب

پیدا ہو گیا۔ جس طرح ہو سکے کچھ تحصیل کروں اور اپنے بھائیوں کو اس سے مدد پہنچاؤں۔

سفر لکھنو

اس عرصہ میں آپ مختلف شرفا کے حلقوں میں ملتے رہے۔ ایک دن چند ہمعصروں میں یہ مشورہ ہوا کہ کچھ تحصیل علمی اور روزی کے لیے باہر چلنا چاہیے وطن میں پڑے رہنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ ان کے دل میں یہ خیال غیر معمولی طریقہ سے اٹھا۔

وطن میں سست اور کاہل پڑے رہنے سے بہتر ہے کہ چل کے دیکھیں دنیا کے ذرائع بغرض نظر وہ آمادہ ہوئے کہ ادھر ادھر پھر کر کچھ تلاش معاش کریں۔ اس مشورہ میں سید صاحب بھی شریک تھے۔ آپ روزگار کے خواہش مند نہ تھے صرف یہ چاہتے تھے کہ ایک غیر معمولی آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے اس کی کسی طرح تسکین ہو۔

سید صاحب کے سوا اور جتنے آپ کے دوست تھے اپنے زمانہ کے موافق لکھے پڑھے اور دو چار ہنروں میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ سید صاحب حافظ قرآن نہ تھے مگر بہت سی آیتیں آپ کو یاد ہو گئی تھیں۔ اور آپ نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔

اٹھارہ انیس برس کی عمر ہو گی کہ آپ اول ہی بار رائے بریلی سے روانہ لکھنو ہوئے۔ اس سے محض بے خبر تھے کہ شیعہ، سنیوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور ان کے تعصب کی کیا کیفیت ہے۔

ابھی تک سید صاحب کو شیعہ اور سنی کے تمام و کمال جھگڑے کا بھی علم نہ تھا

وہ جانتے ہی نہ تھے کہ شیعوں کے اصول مذہبی کیا ہوتے ہیں۔ اور سنیوں کے ارکان مذہبی کیا ہیں۔ صرف نماز پڑھنا روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا قرآن پڑھنا یہی اور اس کے چار صحابہ کو برحق سمجھنا۔ اسی طرح اور بھی دو چار باتیں یاد تھیں۔ جو معمولی لکھے پڑھوں کو یاد ہوتی ہیں۔ اور بیچارے زیادہ مذہبی پیچیدگیوں سے نہ خود واقف تھے نہ ان کے اور دوست۔

غرض بخیر و عافیت سید صاحب معہ اپنے پانچ چھ ساتھیوں کے لکھنؤ پہنچے۔ اس وقت لکھنؤ پورے عروج پر تھا شیعوں کی قوت سلطنت اور قوت تعصب کا پورا انت تھا اور تمام ان کی مذہبی باتیں خوب چمک رہی تھیں۔ جب یہ چھ سات آدمی لکھنؤ پہنچے ہیں تو انہوں نے پہلے سرائے میں قیام کرنا بہتر سمجھا۔ سید صاحب کے والد اور چچا کے کئی دوست یہاں موجود تھے مگر آپ نے گوارا نہ کیا کہ کسی پر جا کر ڈھیا دوں۔

سید صاحب کو ذاتی طور پر روزگار کی ذرا بھی خواہش نہ تھی آپ کی غیر محدود آرزوئیں اور ضمیری غیر معمولی جوش نوکری سے سرد نہ ہو سکتے تھے ان کے لیے ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت تھی جو انہیں اطمینان کا جامہ پہنا کر دوسرے عملی راستہ پر لگا وے۔ سید صاحب نے فی الحال اپنے دوستوں کو تلاش روزگار میں جانے کی اجازت دی۔ اور آپ بھی لوگوں سے ملنے اور سیر دیکھنے کے لیے ادھر ادھر پھرنے لگے۔

افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بے چارے ساتھیوں کو سخت ناکامی ہوئی جس جگہ وہ جاتے تھے پہلے ان سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ شیعہ ہو یا خارجی

اگر اس نے کہہ دیا کہ میں شیعان علی میں سے ہوں اور اپنے بزرگوں پر دو تین
تبرے بھی اس نے بھیج دیئے۔ تو اس پر یہ سوال کیا جاتا تھا۔ کہ تمہیں گانا ناچنا
کیسا آتا ہے۔ کہاں تک ایک چٹکے سے پھکڑ بازی کر سکتے ہو۔ مسخرے پن میں کیا
صفت رکھتے ہو۔ آیا روتے کو ہنسا دو گے اگر یہ سب باتیں آتی ہیں تو اپنے
استادوں کا نام بتاؤ تاکہ اطمینان خاطر ہو اور پھر زمرہ ملازمین میں نام لکھ لیا جائے
عموماً امیدواران ملازمت سے زیادہ تر یہی سوالات کیے جاتے تھے۔ اگر کوئی شخص
ان فنون اور طبلہ سارنگی میں اول نمبر ہوا وہ تو مصاحب خاص بنا لیا گیا اور اگر اس میں
کوتاہی ہوئی تو اسے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ جانور پیدا ہی کیوں ہوا جب یہ باتیں نہیں آتیں
نالائق سے کہو کہ زندہ ہی کیوں رہتا ہے۔ جناب امیر کی قسم جس میں یہ صفتیں نہیں وہ
منہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔

جب سید صاحب ایک امیر کے ہاں گئے ہیں تو اس امیر نے پہلا سوال یہی کیا
تھا کہ آپ خارجی ہیں یا شیعان علی میں سے ہیں یہ دونوں الفاظ آپ کے کانوں میں بالکل
نئے تھے۔ خارجی کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا اگر شیعہ کے لفظ سے پوری شناسائی تھی۔ مگر
شیعان علی کا جملہ ابھی تک کانوں میں نہ پڑا تھا۔ آپ بڑے پریشان ہوئے کہ جو کچھ اس
نے سوال کیا ہے یہ نہیں اس کے کیا معنی ہیں [illegible] یہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ لغات
میں مذہب کی بابت دریافت کرتا ہے۔ آپ نے سیدھا جواب دیا۔ میں مسلمان ہوں
نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا ایمان ہے۔ قرآن کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں
قرآن روزمرہ کی تلاوت میں رہتا ہے۔ امیر نے یہ سید صاحب کی جب یہ
تقریر سنی تو وہ دل میں بہت خوش ہوا اور وہ یہ سمجھ کر یہ بھولا بھالا نوجوان

ہے۔ خود مومن یعنی شہید بن جائے تو۔ اس نے یہ کہا کہ میاں صاحبزادہ اگر تم اُن کی
نیک چلنی کی ضمانت دو تو ہم رکھ لیں۔ یہ مصاحبت میں ملازم رکھتے ہیں۔ سید احمد
کو یہ سن کر کچھ الجھن سی ہوئی اور انہوں نے آزردہ طبیعت پر افسوس کر کے
مسلمان ہو وہ بھی نہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا تو پھر مجھ سے کس کی ضمانت
لائیں۔ خدا ہمارا ضامن ہے۔ سید احمد صاحب کی یہ گرمی اور اتقا کی نظیر
سن کر بجائے خوش ہونے کے رنجیدہ ہوا اور سر سے اپنی دستار ہاتھ سے جھٹک کر
کہا کہ تم کبھی ہم کو دل سے اور نہ ہم ہو سکتا ہے۔ سید صاحب آنکھوں
میں آنسو بھر کر واپس چلے آئے

زمانہ کی ترقی اور تمہارا بالی لکھنو کے اس زمانہ میں جو مطلب ہیں وہ بیان سے
ہر زمانہ میں اور ہر عصر میں ... وہ لکھنو والے
کو شیر مادر کی طرح حلال اور ضروری سمجھتے تھے۔

بارہ خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں ایک علیحدہ محل میں بارہ اماموں کی بیبیاں
بنا کر رکھی جاتی تھیں۔ اور اگر ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کے ہاں ناجائز طریقہ پر
کوئی اولاد ہوتی تھی۔ تو صاف کہہ دیتی تھی شب کو بارہ اماموں میں سے فلاں امام
میرے پاس آیا تھا۔ یہ بات فوراً یقین کر لی جاتی اور تب بچہ پیدا ہوتا اس کے
آگے سجدے کئے جاتے۔ اور جب تک ... درجہ کا معبود مانا جاتا تھا۔
نصیر الدین حیدر اور نواب واجد علی شاہ وغیرہ کی بیگمات ... ہوتی تھیں
تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص ہزاروں عورتوں کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔
نواب صاحب اپنی دس بیس بیویوں کے سوا پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ ملازمہ ہے

یا میری بیوی ہے۔ ایسی حالت میں کہ نواب صاحب نے اپنی بیوی کی صورت نہ دیکھی اور اولاد ہو گئی پھر نواب صاحب کو خبر ہوئی اور بیگموں کے عام دربار میں اس بچے والی بیگم سے سوال کیا گیا کہ تیرے ہاں یہ بچہ کہاں سے ہوا۔ تو وہ صاف طور پر بڑی دلیری سے یہ کہتی تھی کہ حضور نے بھی اب یہ طریقہ برتا ہے۔ جو بات کرتے ہیں تجاہل عارفانہ کے بغیر کرتے ہی نہیں خود خواب میں آکر سرفراز لونڈی کو کیا۔ اور جان بوجھ کر دریافت فرماتے ہیں کہ یہ بچہ کس کا جنی حضور یہ آپ ہی کا غلام ہے۔ یہ سنتے ہی نواب صاحب خوش ہو جاتے اور اپنی بیداری اور خواب کی یکساں حالت پر آگاہی پاکر اپنی روشن ضمیری کے قائل ہوتے تھے۔ برابر امیر زادے وزیر زادے کا برہنہ مادر زاد عورتوں کے ساتھ ناچنا اور خلاف فطرت انسانی اور خلاف قوانین قدرت ان سے باتیں کرنا۔ انتہا درجہ کی ایک متبذل قوم کا دنیا میں نقشہ کھینچتا ہے ہم نے اپنے دیباچہ میں محمد شاہی دربار کی جو کیفیت لکھی ہے۔ اس سے بھی لکھنؤ کی حالت ہوا تھی۔ اس تمام بدتہذیبی پر ایک بڑا غضب یہ تھا کہ یہ لوگ پیشوایان دین کو گالیاں دینی اپنی نجات کا سبب جانتے تھے۔ ایک دن ان تمام باتوں پر اطلاع پاکر سید احمد صاحب نے ایک شیعی بچہ سے دریافت کیا آخران افعال شنیعہ کی کوئی حد بھی ہے خدا کا ذرا بھی خوف اور قرآن شریف کے روشن احکام کی ذرا بھی پرواہ نہیں رہی مرنا بھی سمجھ رکھا ہے یا نہیں یہ سن کر شیعی بچہ نے جھنجلا کر جواب دیا انہیں اپنے مذہب پر اسی لیے تو بڑا ناز ہے کہ چاہے ہم اس سے بھی زیادہ افعال قبیحہ کریں ہمیں ایک ٹکا ایسا آتا ہے کہ وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سید احمد صاحب نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔ کیا آپ مجھے بھی وہ ٹکا بتائیں گے جو ان کیسوگناہوں

کو اس آسانی سے دھو دیتا ہے۔ اس نے بلا تامل نہر کی طرف اشارہ کیا اور چند
نا مہذب باتیں بھی بکنے لگا جس کا منہ سید صاحب نے فوراً مسوس دیا۔ اگر دو تین رفیق
نہ چھڑا دیتے تو سید صاحب کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ وہ اسے مار ڈالتے۔

سید احمد صاحب نے جب تمدنی اخلاقی، مذہبی تنزلات کو ناگفتہ بہ حالت میں
دیکھا اور ملاحظہ کیا کہ شریعت غرا کو جہاں پاؤں سے کچلنے کی کوشش کی جا رہی
ہے نہ مجتہد کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر ہے نہ شاہ کو معلوم ہے کہ میری عمل داری میں
کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو یہاں کا قیام سخت ناگوار گذرا۔ سید احمد صاحب کو نہ تو زر
کی خواہش تھی نہ وہ شیعہ بن کر دربار میں کوئی عہدہ لینا چاہتے تھے۔ انہیں دولہا
بننے کا شوق تھا۔ آپ کی عین خواہش یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی کچھ ناخن بندی ہو جائے
اور پھر میں کسی ایسے راہ نما کی تلاش کروں۔ جو میری تسکین کا باعث ہو اور یہ غیر معمولی
آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے کسی خوش آئندہ پاک جوش میں بدل جائے۔

سید احمد صاحب کی اسی انتشار میں اپنے ایک سید بزرگ سے ملاقات ہوئی
جو آپ کے والد کا بہت بڑا دوست تھا۔ وہ سید احمد صاحب کو دیکھتے ہی اپنے گھر
لے گیا۔ اور بڑی خاطر و مدارات کے بعد لکھنؤ آنے کا سبب دریافت کیا آپ نے
ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور جو کچھ لکھنؤ کی بابت سنا تھا اور لڑکے سے
گفتگو اور دہشت مشت ہوئی تھی سب ذکر کر دی وہ بزرگ سید مسکرا کر کہنے لگا کہ جو
کچھ تم نے سنا ہے۔ وہ بہت کم ہے۔ یہاں تو اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ماں بہن
بیوی میں دن بدن تمیز اٹھتی جاتی ہے۔ روزمرہ دو تین اسی قسم کی باتیں سننے کانوں
میں پڑتی ہیں۔ پیارے سید احمد یہ شیعوں کی سلطنت ہے۔ اگر تمہیں یہاں رہنا

سہتے۔ تو غصہ کو ضبط کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم ایسی باتوں کو ضبط نہیں کر سکتے ہو، خدا کیلئے یہاں رہنے کا ارادہ نہ کرنا۔ اس پر تم یہ ضرور سوال کروگے کہ ایک مسلمان کی یہ حمیت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت گالیاں سنے اور کچھ نہ کہے۔ تم بھی عجب سرد دل انسان ہو کہ تم پر بالکل اثر نہیں ہوتا۔ تو اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ پردیسیوں کو بہت ستاتے ہیں اور چونکہ پردیسی کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی پشت پناہ ہوتا ہے وہ بے چارہ یہاں آکر اور اپنے کو بے کس کر کے سخت پریشانی اٹھاتا ہے۔ اور ہم تو سرکاری عہدہ دار ہیں سو دو سو آدمی ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ دو ہزار فوج پر میں افسر بھی ہوں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے آگے صحابہ کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ کہہ سکے۔ ہاں اگر تمہارا یہاں رہنے کا ارادہ ہے تو اچھی طرح سوچ لو کہ میرے پاس بیٹھے تو کچھ نہیں ورنہ ناشائستہ جملے سننے پڑیں گے اور ان کی نازیبا باتوں سے تمہارا دل دکھے گا۔

اپنے بزرگ سید کی یہ محبت آمیز اور نصیحت سے بھری ہوئی باتیں سید احمد صاحب نے بغور سنیں اور اپنے دل سے سوال کیا کیا تو راضی ہے کہ ایسے کفرستان میں جہاں کی آب و ہوا سے نجات دی جائے گی۔ دل نے جواب دیا کہ مجھے ایک ایک گھڑی ایک ایک سال ہو رہا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چل دو۔" جب دل نے بہت زور و شور سے یہ شہادت دی تو آپ نے اپنے دوستوں کو اس بزرگ سید کے حوالہ کر کے اور ان کی ناخن بندی کی سفارش کر کے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفر دہلی

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سید صاحب میں اول دن سے خدا کی مخلوق سے ہمدردی کرنے کا مذاق اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ کچھ بیان نہیں کیا جاتا۔ اپنے بھائیوں کی بری حالت اور ناروا معاشرت پر بزرگ سید نے ہمیشہ خون کے آنسو بہائے ہیں اور حتی الوسع ان کی مدد بھی کی ہے۔ ساتھ ہی اس ہمدردی کے عزت بھی بہت بڑی تھی آپ کبھی نہ چاہتے تھے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں یا اپنے کو پیرزادہ مشہور کر کے کسی سے کچھ اینٹھوں۔ یا اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی اور پیری بیان کر کے کسی کا مال مار دوں۔ اگر کوئی ذرا بھی احسان کر دیا کرتا تھا تو آپ تمام عمر اس کے شکر گذار بن جاتے۔

یہ زمانہ جب آپ نے اپنا وطن چھوڑ کر لکھنو کا غضب ناک منظر دیکھا ہے اور اب دہلی کی طرف قدم اٹھایا ہے انتہا درجہ کا پُر شباب تھا۔ بایں ہمہ بزرگ سید کی پاک روح عنفوان جوانی کی بھول بھلیوں سے ابھی بہت دور تھی جوانی کے زمانہ کی وہ تاریکی جس میں کچھ نہیں دکھائی دیتا اور انسان بالکل اندھا ہو جاتا ہے۔ بزرگ سید کو نور بن گئی تھی۔ غیر معمولی امنگیں اور غیر خوش آئندہ جوش جو بین عنفوان جوانی کا جزو اعظم اور راس الاصول ہیں۔ بزرگ سید کی ذات مقدس سے بہت دور تھے۔

غرض سید احمد صاحب میں نوعمری ہی سے ایک ایسا ملکہ تھا کہ جس نے انہیں قوم کی اصلاح کی طرف پورا رجوع کر دیا تھا۔ اور وہ اس حالت میں بھی کہ نہایت

بے سروسامان تھے۔ غربا کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ جب آپ لکھنؤ سے روانہ ہونے لگے ہیں تو آپکے والد کے دوست نے ایک گھوڑا سواری کو اور کسی قدر زر نقد دیا۔ آپنے صاف انکار کر دیا کہ میں تکلیف دینے نہیں آیا ہوں فقیر آدمی ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں سفر میں گھوڑا رکھوں۔ مگر اس بوڑھے شخص نے بہت ہاتھ باندھ کر گھوڑا اور زر نقد حوالہ کیا۔ سید احمد صاحب اس پر سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ آپنے کانپور تک پہنچ کر ابھی قیام نہ کیا تھا کہ گھوڑا اور کل روپیہ چار مصیبت زدہ اشخاص کو دینا پڑا۔ جن میں ایک مریض ایک زخمی اور دو بہت بوڑھے تھے۔ اور جن پر تین دن بے آب ودانہ گذر گئے تھے۔ سید احمد صاحب اپنا کل سامان دے کر بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ کہ میری یہ چیزیں ان کے کام آئیں۔ اپنی بے سروسامانی اور پیادہ پائی کا کچھ بھی خیال نہ تھا۔ اور آپ نہایت سرخوشانہ حالت میں دہلی کی طرف قدم زن تھے۔ جب آپ دہلی روانہ ہوئے ہیں۔ پوری بیس برس کی عمر تھی۔

عموماً راستہ میں آپ مسافروں کی خدمت کرتے جاتے تھے اور ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک ضعیف شخص کو تیرہ میل اپنے کندھے پر بٹھا کر اس کے گھر پہنچایا تھا۔

جس کی یہ عجیب وغریب فطرت ہو اس کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر (انگریز) جیسا مغربی عالم ناشائستہ الفاظ استعمال کرے۔ افسوس ہے ان باتوں سے قائل کی نہیں بلکہ اس کی قوم کی تہذیب اور شائستگی معلوم ہوتی ہے۔

راستہ طے کرتے کرتے پاؤں چھلنی ہو گئے تھے۔ اور تلوؤں سے خون بہنے لگا تھا۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو آپ نے ایک سرائے میں قیام کرکے کچھ دن وہاں رہنا چاہا اور ارادہ کیا جب تک پاؤں اچھے نہ ہو جائیں گے۔ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھاؤں گا۔

سرائے کی مہترانی نے نوجوان سید کو اس بے سروسامانی کی حالت میں دیکھا تو شباہت سے سیادت کے آثار نمایاں دیکھے طباق سے چہرہ اور سرخ و سفید گورے رنگ اور فراخ نمایاں پیشانی سے جو آئینہ کی طرح چمک دیتی تھی وہ پہچان گئی کہ یہ ہے تو امیرزادہ۔ شاید والدین سے ناراض ہو کر چلا آیا ہے۔ مہترانی کو یہ کامل یقین ہو گیا از خود اس کے دل میں آیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ تلوؤں سے خون بہتا دیکھ کر وہ آب دیدہ ہو گئی اور سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے یہ عرض کیا حضرت اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے تلوؤں کے زخموں پہ دوائی لگا دوں یہ کل تک بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ آپ نے انکار کیا اور کہا کہ آپ ہی اچھے ہو جائیں گے جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبور ہو گئے اور اس سے دوائی لگوالی حقیقت میں وہ دوائی ایسی مجرب تھی کہ لگاتے ہی ٹھنڈک پڑ گئی اور شام تک وہ زخم اچھے ہو گئے۔ پھر مہترانی نے کھانا پکا کر حاضر کیا سید احمد صاحب نے فرمایا بی مہترانی میرے پاس پیسہ بھی نہیں ہے کہ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔ میں ایک غریب الوطن شخص ہوں تم ایسے شخص کی خاطر مدارات کیوں کرتی ہو کہ جس سے تمہیں کچھ بھی وصول نہ ہو۔ مہترانی کے دل پر اس تقریر نے اثر کیا وہ بلائیں لے کر کہنے لگی واری جاؤں ایک غریب بندی کو قبول کر لینا ہی میرے شرف کا باعث ہو گا۔ میری کوٹھڑی میں آپ کا خوش و خرم رہنا

میرے ہاتھ دولت لگنے کا حکم رکھتا ہے۔ سچ ہے خدا اپنے پیارے بندہ کو تکلیفیں دے دے کر آزماتا ہے۔ مگر ان تکلیفوں میں اسے ہلاک نہیں ہونے دیتا نہ ایسی! مصیبت میں پھنساتا ہے کہ اس کے کامل یقین میں کچھ فرق آوے۔ سید احمد صاحب نے بھٹیاری کی یہ ہمدردانہ تقریر سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ اسے اس قدر روپیہ اس کے عوض میں عطا کیجو کہ یہ نہال ہو جائے یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اسی شب کو اس کی اندر والی کوٹھڑی کی دیوار گری اور ایک ہنڈیا اشرفیوں سے بھری ہوئی برآمد ہوئی بھٹیاری نے کبھی اشرفیاں خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں۔ اتنی دولت ہاتھ آنے سے پھولی نہ سمائی اور سیدھی وہ ہنڈیا لے کر سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا عرض کیا۔ اشرفیوں کی ہنڈیا دیکھ کر اور اس کی کیفیت سن کر آپ کو دو خوشیاں ہوئیں ایک اپنی دعا کی مقبولیت کی اور دوسری بھٹیاری کی نیک نیتی کی آپنے نہایت اولوالعزمی سے وہ ہنڈیا اسی بھٹیاری کو اٹھا کر دیدی اور کہا جا خدا تجھے نصیب کرے۔ ہر چند اس نے اصرار کیا آپنے صاف کہہ دیا اس سے زیادہ اگر تو کہے گی تو تیری سرائے سے چلا جاؤں گا۔ آخر وہ ناچار ہوئی اور خاموش ہو کر ایک محفوظ جگہ پر وہ ہانڈی رکھ آئی۔ بعد ازاں جب آپ دوبارہ لکھنؤ کو آئے ہیں اور راہ میں یہ سرائے آئی ہے تو بھٹیاری معہ اپنے دو جوان بیٹوں کے جو سفر اول میں نوکری کے تلاش کہیں نکل کر چلے گئے تھے مرید ہو کر ہمراہ قافلہ ہو گئی اور جس دن سید احمد صاحب معہ اپنے جلیل القدر مریدوں کے شہید ہوئے ہیں وہ بھی ایک خونخوار سکھ کی تیغ براں کی شکار ہو کر سید صاحب کے پہلو بہ پہلو دکھائی دیتی تھی۔

القصہ یہاں آرام کے ساتھ پانچ چھ دن تک سید احمد صاحب رہے بعد ازاں

دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

اور خدا خدا کر کے آپ دہلی میں داخل ہو گئے۔ دہلی کا یہ زمانہ گو دین اور بہت محمدی کے لحاظ سے سخت بدتر حالت میں تھا پھر بھی مسافر نوازی، غربا پروری بہت تھی خصوصاً شاہ عبدالعزیز کا گھر تو ہر مسافر کے لیے وقف تھا۔ یہاں تک کہ پادری اور مسیحی فرقہ کے پیشوا بھی یہاں آکر قیام کرتے تھے۔ اور ان کی خاطر و مدارات ایک قابل تسکین طریقہ پر ہوتی تھی۔

جب آپ فرحاں و شاداں دہلی میں داخل ہوئے۔ تو اسی سفری حالت سے سیدھے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا سارا روشن چہرہ غبار آلود ہو رہا تھا سیاہ بالوں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے ہو گئے تھے۔ پاؤں برہنہ تھے باایں ہمہ سر تو شانہ حالت کی تازگی چہرہ پر جلوہ دکھا رہی تھی۔ لبوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ پھر بھی دم خم وہی باقی تھا۔ جب آپنے شاہ عبدالعزیز صاحب کی صورت دیکھی ہے۔ سفر کے ناگوار مصائب یک لخت شادانی میں بدل گئے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب جنہیں زمانہ بھر کے علوم و فنون کا ایک کامل مجموعہ کہنا چاہیئے۔ صورت دیکھتے ہی تاڑ گئے کہ اس چہرہ پر جس رنگ کی تابانی ہو رہی ہے وہ غیر معمولی ہے آپ اس نوجوان بچہ کی تعظیم کو اٹھ بیٹھے اور معانقہ کر کے اپنے پاس بٹھایا اور تمام حالات دریافت کیے جب سید احمد صاحب کے والد اور چچا کا نام سنا آپنے دوبارہ سید احمد صاحب سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ اب تو میرا تم سے تعارف نکل آیا تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو اپنے وقت کا ولی تھا۔ اس کا دنیا

بے علاقہ ہو کر زندگی بسر کرنا اور زہد و غنا میں اپنی تمام عمر گذارنا ہنوز لوگوں کو یاد ہے اور وہ اسے اسی سبب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان معمولی باتوں کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے آرام کرنے اور کھانا تناول کرنے کا حکم دیا۔ اور اپنی مسجد میں قیام کرنے کی اجازت عطا فرمائی

جب کئی دن سید احمد صاحب کو دہلی میں آئے گذر گئے اور سفر کی تکان بالکل اتر گئی تو شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا میاں صاحبزادہ بہتر ہوگا اگر آپ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دو۔ سید احمد صاحب اپنی طبیعت کا مذاق بخوبی جانتے تھے انہیں علم تھا کہ مجھے ہرگز کتابی سبق یاد نہ ہوگا۔ مگر اس خیال سے انکار نہ کیا کہ شاید شاہ صاحب اس طریقہ سے پڑھائیں جس سے سمجھ میں آنے لگے اور خود بخود طبیعت میں سمجھنے اور کتاب پڑھنے کا مذاق آجائے۔

سید صاحب کا عین منشا یہی تھا۔ کہ کسی طرح میں لکھ پڑھ کر فاضل اجل بن جاؤں۔ مگر طبیعت کے رجحان کو کیا کرتے کہ اس طرف رجوع ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ سید احمد صاحب کی اول درجہ کی خاطر منظور رکھتی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود خواہش کی ورنہ تمام عراق عجم ایران۔ شام وغیرہ سے اسی اشتیاق میں لوگ چلے آتے تھے کسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ پڑھیں۔ سید احمد صاحب نے اپنی خوش نصیبی جانی اور آرزو کی کہ میرا دل کتاب خوانی کی طرف رجوع ہو تاکہ میں بھی شاہ صاحب ممدوح کے زمرۂ تلامذہ میں گنا جاؤں مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا وہ کچھ اور سامان کر رہی تھی، اور کسی اور چیز کی تیاری میں مشغول تھی۔

جب سید احمد صاحب نے شاہ صاحب ممدوح کا ارشاد منظور کر لیا تو آپ نے

ایک ایسا تخلیہ کا وقت تجویز کیا جس میں کوئی دوسرا طالب علم نہ ہو اور خصوصیت سے تعلیم دی جائے شاہ صاحب اپنے وقت کے فرد اکمل تھے اور ان کا فرد اکمل ہونا ڈاکٹر ہنٹر نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کیا تمام عرب روم قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔ کہ شاہ عبدالعزیز جیسا اپنے باپ شاہ ولی اللہ کے بعد کوئی دوسرا ماہر علوم و فنون پیدا نہیں ہوا۔ آپ کو جیسا علوم دینیہ پر عبور تھا اسی طرح علوم عقلیہ مروجہ پر پوری دسترس گاہ حاصل تھی قیافہ شناسی میں جس کا موجد سقراط حکیم ہے۔ شاہ صاحب کو کامل دخل تھا۔ اور آپ صورت دیکھتے ہی اس قدر ضرور پہچان جاتے تھے کہ یہ طالب علم غبی ہے یا ذہین

اسی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے پہچان لیا تھا کہ اخذ مطالب اور ان سے از خود متاثر ہونے کی سید احمد میں غیر معمولی قوت ہے ایسا شخص اگر باقاعدہ تعلیم پائے تو اس کے علم و فضل کا کیا ٹھکانا ہے اور گذشتہ زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا ذہن ذاتی رکھ کر تعلیم پائی ہے انہیں آج حکیم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور انہیں اپنے وقت کا بہت بڑا ریفارمر (مصلح) تسلیم کرتے ہیں۔

گو شاہ عبدالعزیز صاحب پہچانتے تو بخوبی تھے۔ کہ سید احمد میں کتاب خوانی کا مذاق بہت کم ہے۔ مگر ساتھ ہی ان کے یہ خیال تھا۔ کہ اگر میری وجہ سے مذاق بڑھ گیا تو یہ اپنے وقت کا شیخ اکمل ہو گا۔ اسی خیال سے آپنے کتابی تعلیم دینی شروع کی۔ مہینوں تک پڑھایا مگر کچھ حاصل نہ ہوا سید احمد صاحب کی طبیعت بھی تنگ ہو گئی اور شاہ عبدالعزیز صاحب بھی تھک گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب سید احمد صاحب کتاب لے کر بیٹھتے تھے تو ترمرے آنکھوں میں پھرنے لگتے تھے جیسا اکثر ضعیف دماغ والوں کو

یہ مرض عارض ہوتا ہے۔ مگر ہم سید احمد صاحب کی دماغی بیماری یا ضعف کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ بلکہ ناظرِ سوانح کی توجہ اس ناقابلیت دماغ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو سید احمد صاحب کو اول دن سے حاصل تھی۔ ہزار طرح کی کوشش کی کہ سید احمد صاحب کو کچھ آجائے مگر دل ہی نہ لگا۔ آخر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی کتابی تعلیم سے رخصت دی اور بزرگ نوجوان سید کو زیادہ مجبور نہ کیا۔

پھر آپ نے اجازت دیدی کہ قرآن خوانی اور حدیث کے پڑھنے کے وقت آپ موجود ہوا کریں سید احمد صاحب نے اس کی بجا آوری کی اور آپ ان طلبہ کے حلقہ میں جو تفسیر و حدیث پڑھتے تھے شریک ہونے لگے نتیجہ اچھا ہوا۔ اور آپ کو اکثر حدیثیں اور قرآن کا بہت سا حصہ نوکِ زبان ہو گیا۔

اس سے زیادہ کتاب خوانی سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ آپ میں مقاصد ربانی سمجھنے اور ان سے متاثر ہونے کی امتیازیہ قوت حاصل تھی پھر جو کچھ حدیث و قرآن سمجھ کر آپ کو فائدہ حاصل ہوا وہ معرضِ تحریر میں نہیں آسکتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب بہت خوش ہوئے اور محترم نوجوان سید کی قرآنی اور حدیثی مطالب کا یہ مذاق دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے الحمدللہ تمہیں یہاں آنے سے اس قدر تو فائدہ ہوا کہ آج تم اپنے ہم وطنوں میں بآزادی پند و نصائح کر سکتے ہو۔

سید صاحب ۱۲۲۱ھ بماہ ربیع الاول دہلی میں داخل ہوئے تھے۔ اور ۱۲۲۳ھ بماہ محرم الحرام قرآن و تفسیر و حدیث کے بہت سے حصے واقف ہو کر اپنے وطن مالوفہ کو تشریف لے گئے۔

دو برس میں سید صاحب کی قابلیت روحانی میں بہت فرق آ گیا تھا۔ پہلے آپ نے صرف قرآن پڑھا تھا اور اب ربانی مقاصد کو بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ پہلے صرف اس قدر جانتے تھے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنی ہمدردانہ طبیعت سے مومنین کی حتی الوسع خدمت بھی کرتے تھے۔ مگر اب آپ کو سچے مسلمان کے فرائض بخوبی روشن ہو گئے تھے۔ آپ پر یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ انسان کی پیدائش کا کیا منشا ہے۔ اور سمجھدار مسلمان کو کس طرح اپنی عملی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صدہا حدیثیں اور ان کا اصلی مقصد نوک زبان ہو گیا تھا۔ اور ہر حدیث کا اثر آپ کی عادت تامہ معاشرت میں گھل مل گیا تھا۔

جب قرآنی اور نبوی احکام کے نقوش آپ کی لوح دل پر پورے نقش ہو چکے تو آپ کی باطنی ظاہری حالت نے بالکل پلٹا کھایا جیسا عظیم الشان تغیر آپ کی باطنی حالت میں ہوا اسی قدر ظاہری حالت میں بھی ہو گیا۔ دل کی کیفیت ہی اور ہو گئی۔ زبان اب کچھ اور ہی کہنے لگی تھی۔ آنکھیں کسی اور ہی امر کی شہادت دینے لگیں ان کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا تھا۔ وہ لال لال ڈورے جو قلبی حرارت کی بعض آنکھوں میں تصدیق کرتے ہیں اور سید احمد صاحب کی بڑی بڑی تیز تیز آنکھوں میں بچپن ہی سے پڑے ہوئے تھے اب ربانی روشنی نے انہیں اور بھی چمکا دیا۔ وہ طبیعت ہی نہ رہی وہ باتیں ہی نہ رہیں اب صرف یہ دھن رہنے لگی۔ کہ جو کچھ خدا اور رسول کا حکم ہے اس کی استواری اور نیک نیتی سے پابندی کی جائے۔ ہم خوشی سے دیکھتے ہیں کہ سید احمد صاحب کی زندگی جو اب سے شرعی زندگی ہو گئی

وقت تک رہی اس سے زیادہ ایک مسلمان کی فضیلت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سچا متبع شریعت ہو اور دل میں خواہش ہو کہ ہر مسلمان جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے احکام ربانی کا پورا کاربند ہو جائے اس سے زیادہ سید احمد صاحب کو اور کیا شرف مل سکتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھتے اور سمع پورا پورا عمل کرتے رہتے اور یہ آپ کا اوڑھنا بچھونا ہی روشن ہدایتیں تھیں۔

بالجملہ جب آپ اپنے وطن رائے بریلی میں پہنچے تو اپنے مکان میں جاکر نہ ٹھہرے بلکہ ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مکان ہوتے ہوئے مسجد میں کیوں قیام کیا اس سے اتنی بات ضرور ہویدا ہوتی ہے کہ جبکہ نبی اکرم سے زیادہ تعلق دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ اس لیے مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کرنا گھر میں قیام کرنے کی نسبت زیادہ انسب خیال کیا۔ خیر کچھ ہی غرض ہو سید احمد صاحب نے مسجد ہی میں قیام کیا۔

آپ کا ورد شب و روز قرآن و حدیث کا وعظ رہتا تھا جو کچھ شاہ عبدالعزیز صاحب سے زبانی سیکھ کر آئے تھے اسے حاضرین کے آگے اس خوبی اور عمدگی سے ادا کرتے تھے کہ لوگوں پر خیال سے زیادہ اثر ہوتا تھا۔

سید احمد صاحب کے اعمال قابل توصیف تھے اور آپ کی عملی زندگی حقیقی شرعی زندگی ہو گئی تھی اس لیے لوگوں پر آپ کے افعال کا زیادہ اثر پڑنے لگا اور وہ ایسے معتقد ہوئے کہ مرید بننے کی آرزو کی۔

سید احمد صاحب کی غیر معمولی تعظیم جو ان کے ہم وطنوں نے کی ہمیں اس بات کا ثبوت دیتی ہے۔ وطن میں بھی عزت ہو سکتی ہے گو اس کے لیے زمانہ دراز کی

اور صبر و استقلال ہمت اور جوانمردی کی ضرورت ہے غرض سید احمد صاحب کو آپکے ہم وطنوں نے مجبور کیا کہ آپ ہم سے بیعت لے لیں اور ہمیں اپنا مرید بنالیں آپنے انکار کیا اور فرمایا مسلمان کو خدا اور رسول کی مریدی کافی ہے جھوٹ نہ بولو کسی کو دھوکا نہ دو اپنے فائدے کے لیے دوسرے کا نقصان نہ کرو بس یہی عظمت ہے۔ اگر تم کسی پیر کے مرید بھی ہو گئے اور تم نے یہ باتیں بھلا دیں تو وہ مریدی کچھ فائدہ نہ دیگی اور مرید ہونے پر تم نے مذکورہ باتوں کو نیک نیتی سے عمل کیا پھر تمہیں نہ کسی پیر کی ضرورت ہو گی نہ کسی ولی کی، تم اپنے آپ پیر بنو اور اپنے نفس سرکش کو اپنا مرید بناؤ۔ اس سے بیعت لو کہ وہ پھر اپنے کو شیطانی وساوس کا متبع نہ ہونے دے۔ بس یہی صورت نجات دارین کی کافی ہے۔

ہمارا فاضل عبد القیوم بریلوی جس کی قلمی تحریرات سے جن میں سید احمد صاحب کے بعض بعض حالات درج ہیں ہم نے یہ بیان نقل کیا ہے وہ ہمارا اطمینان کرتا ہے کہ جو باتیں میں نے تحریر کی ہیں وہ چشم دید بھی ہیں اور سید صاحب کے معتبر دوستوں سے بھی سنی ہوئی ہیں۔ اس مصنف نے سید احمد صاحب کے خاندان کا ذکر کیا ہے اور بڑی بڑی کرامتیں آپ کے آباؤ اجداد کی نہایت رنگ آمیزی سے بیان کی ہیں مگر یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے باوجودیکہ مصنف کتاب کرامات فوق الفطرۃ کا قائل معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس نے سید احمد صاحب کی ان کرامتوں کا جن سے ہمارے معصر سوانح نویسوں کے صفحے سیاہ ہو رہے ہیں کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ بجائے اس کے پارسا متقی۔ پرہیزگار۔ صائم الدہر سچا۔ نیک بخت، شیریں کلام۔ خلیق خود فروشی اور خود نمائی سے کوسوں دور۔ ان ان صفتوں سے بریلوی نے سید احمد صاحب

کو یاد کیا ہے۔ ہم اس کے ساتھ بالکل ہم زبانی کرتے ہیں۔ حقیقت میں ان صفتوں کا سید احمد میں بہت بڑا حصہ تھا۔

پہلے تو آپ نے بر درخواست مریدی پر یہ فرمایا۔ جو ہم نے پہلے درج کیا ہے اور جب عوام الناس نا سمجھ لوگوں میں آپ کی بزرگی اور روشن ضمیری کی دھوم مچی تو غول کے غول آنے لگے اور مرید بننے کی دھڑا دھڑ درخواستیں ہونے لگیں آپ کی عبادت میں بھی لوگوں کی کثرت سے خلل آنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ایک دن بطرف مالوہ یہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ اور بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کسی رشتہ دار یا کسی معتقد سے ایک پیسہ یا فاتحانہ یا نیاز نذر کا کھانا نہ لیتے تھے۔ کچھ رومال کاڑھا کرتے تھے اور انہیں بازار میں فروخت کر کے اپنی گذر کرتے تھے۔ جو کچھ بچتا تھا وہ خدا کی راہ پر دے دیتے تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حاضر ہوتے تھے اور عصر کی نماز تک دست بستہ بیٹھے رہتے تھے اسی طرح اپنے اور بزرگوں سے کسی خاص وقت ملتے رہتے تھے اور باقی وقت عبادت اور پند و نصائح میں صرف ہوتا تھا۔

سفر مالوہ اور ملازمت

اسی اثنا میں اس غمِ جو ہر نے جو کہ آپ کی طبیعت میں گندھا ہوا تھا۔ اور جس کی خبر ہنوز آپ کو بھی نہ تھی زور کیا اور یکایک آپ کا دل برداشتہ ہو گیا اور مصمم یہ قصد ہو گیا کہ سپاہیانہ زندگی وظیفہ و طائف کی زندگی سے اچھی ہے۔

سید احمد صاحب کو نہ پیر بننے کا شوق تھا نہ اپنے کو کراماتی مشہور کرنے کی آرزو تھی آپ ان باتوں سے بہت گھبراتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تعظیماً بیٹھیں اور دو زانو گردنیں نیچے کئے ہوئے صورت بت بن جائیں ان تمام تکلیف دہ باتوں سے بچنے کے لیے آخر آپ نے سپاہیانہ زندگی گذارنی انسب اور اولیٰ خیال کی۔

اس میلان طبع میں بھی بڑے بڑے راز پوشیدہ تھے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنے جس بندہ سے اس کی زندگی کے کسی آئندہ زمانہ میں کام لینا ہوتا ہے تو وہ پہلے ہی اسے ان صفات سے آراستہ کرتا ہے جو اس کام میں ضروری ہوتی ہیں جبکہ آپ کو سکھوں کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا تھا اس لیے یہ ضروری امر تھا کہ آپ فن سپہگری سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں۔ سید احمد صاحب خود خداوند تعالیٰ کی اس حکمت کو نہ سمجھتے تھے انہیں کیا خبر تھی کہ آئندہ مجھ سے کیا کیا کام لینے ہیں انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک معمولی سوار کی زندگی سے میری زندگی ایک بادشاہ کے برابر ہو جائیگی۔ فی الحال آپ پر فرض تھا کہ آپ اپنی میلان طبع کی متابعت کریں یعنی کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے ساری زندگی سے سپاہیانہ زندگی ہو جائے۔

آپ بماہ جمادی الثانی ۱۲۲۴ھ اپنے متعلقین سے رخصت ہو کر رائے بریلی سے روانہ ہوئے جب شہر کے باہر نکلے ہیں تو یہ خیال آیا کہ کہاں جانا چاہیئے اور کس جگہ نوکری کرنی زیبا ہے۔ عمر پوری یا ایک آدھ ماہ کم زیادہ چوبیس برس کی تھی چہرہ پر شباب خیز حسن اور اس کے ساتھ پرہیزگاری کی سرخی پوری جلوہ دے رہی تھی، سینہ چوڑا اور ہاتھ پاؤں سڈول تھے۔ گردن بہت ڈبل تھی، کلائیاں چوڑی

چکنی اور مضبوط تھیں، چہرا کا نقشہ اسی قدر لطافت سے بھرا ہوا تھا جس طرح رنگ ارغوانی کا جوبن شادابی سے پر تھا، آنکھیں نکیلی اور لمچھوئی تھیں۔ پتلی کی گہری گہری سیاہی اور اس میں عقل و دانش کے نور کی جھلک معمولی ناظر کی نگاہ میں چکا چوند کرتی تھی۔ مگر مبصر پہچان سکتا تھا کہ چمک جو اس نظر سے برآمد ہوتی ہے فطرت کی کاریگری کا جس طرح اعلیٰ نمونہ ہے اسی طرح یہ ایک ایسے خوش آئندہ سانحہ کی منتظر ہے جس کی طرف بہت دنوں سے اشارہ کر رہی ہے اور جو ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے آپ کے دونوں کندھے ذرا اٹھے ہوئے تھے۔ سینہ کا چوڑا پن چالیس سالہ ہونے کی شہادت دیتا تھا۔ حالانکہ چہرہ کی نازک تازگی و رنگینی کی پر بہار چوبیس برس کی تصدیق کرتی تھی۔ قد نہ بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا تھا۔ بلکہ خیر الامور اوسطہا کا سچا نقشہ کھینچتا تھا۔

جب کہ اسلام اور اس کے روشن اصول نے بہت کچھ باطنی اور ظاہری صفات پر افسوں پڑھ کر مار دیا تھا۔ اس لیے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ غیر مسلم کی ملازمت کر کے مسلمانوں پر تلوار اٹھاؤں، طبیعت کی اس پرجوش حالت نے امیر خاں پنڈاری کے لشکر کی طرف جو ٹونک پر پڑا تھا رہنمائی کی اور آپ نے وہاں جا کر سواروں میں ملازمت اختیار کی۔

امیر خاں کے لشکر کی کوئی باقاعدہ تنخواہ نہ تھی، کسی ریاست پر چھاپہ مارا اگر وہاں سے کچھ ہاتھ لگ گیا تو باہم تقسیم ہوگیا نہ ہاتھ لگا تو لشکر میں فاقہ کشی ہو رہی ہے لٹیروں کی سی کیفیت تھی۔ کبھی جے پور پر حملہ کر کے یہاں زلزلہ ڈال دیا اور کبھی جودھپور جا کر وہاں ایک تہلکہ مچا دی۔ زیادہ تر راجواڑوں سے ہی لڑنا رہتا تھا۔ کیونکہ ان سے کچھ ہاتھ لگ ہی جاتا تھا اس نے ٹھان کر کبھی انگریزی مقبوضہ ممالک پر حملہ

نہ کیا۔ ہاں کسی راجواڑے کی حملہ آوری سے اسے روکا گیا تو اس نے انگلش حکومت سے بھی شمشیر بازی میں دریغ نہ کی مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ ایسی خواہش کئی بار کی گئی کہ اس شیر نیستان کو گرفتار کرلیں مگر یہ ممکن نہ ہُوا۔ اس مختصر کیفیت سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ امیر خان کے سپاہیوں کی زندگی جس قدر خطرناک دہنی تھی، اس قدر چالاک وچست اور شمشیر زنی میں بسر ہوتی تھی۔ جو سپاہیانہ قالب کی سچی روح ہے۔ جب سید صاحب نے سواروں میں نام لکھوایا تو آپ امیر خان کے آگے پیش کیے گئے۔ وہ دیکھ کر بہت خوش ہُوا اور اس نے یہ کہا کہ اگر اپنی جان کھپا کر محنت کی اور اپنی جواں مردی کے جوہر دکھائے تو میں آپ کو ایک ہزار فوج کا افسر بنادوں گا یہ سن کر آپ نے سوا اس کے اور کچھ جواب نہ دیا کہ خدا میں سب قدرت ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ناصح کی زبانی پند و نصائح سے اس کی زندگی لوگوں پر اثر ڈالتی ہے۔ سید احمد صاحب کی عمدہ زندگی ایسی پر اثر تھی۔ کہ فوج میں بھی کثرت سے لوگ آپ کے مرید ہوگئے۔ بیعت نہیں کی بلکہ دل سے معتقد ہوکر بزرگ جاننے لگے۔ آپ کی صداقت، اتقا، عبادت، خوش خلقی، شیریں زبانی ایسی تھی جس نے زبردستی لشکر کو آپ پر مائل کرا دیا۔ یہاں تک کہ امیر خان نے بھی آپ کے اتقا پرہیز گاری کی کیفیت سن کر اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا اور پھر آپ کی حالت پر غور کرنے لگا۔ اس عرصہ میں بصیرت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ آپ کبھی کسی آئندہ واقع کی پیش گوئی کر دیتے تھے اور بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ آپ کی پیش گوئی نے کبھی دھوکا نہیں کھایا اور وہ معاملہ ہو کر ہی رہا۔ معلی

آدمی کے آگے ایسی ایسی پیش گوئیوں کا ہونا اور پھر پورا ہونا ایک بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ اور وہ ایسے شخص کو خبر نہیں کیا کیا سمجھنے لگتا ہے۔ مگر ہوشیار اور ان بھیدوں کا واقف جانتا ہے۔ کہ صفائی قلب سے طبیعت میں ایک ملکہ ہو جاتا ہے۔ کہ ظاہر اسباب دیکھ کر اس آیندہ نتیجہ کی پیشگوئی کر دی جائے اور پھر وہی ہو رہے جب یہ کیفیت ہوتی تو تمام لشکر میں ایک دھوم مچ گیا اور ہر شخص آپ کو ولی سمجھنے لگا۔

اس عرصہ میں دو تین گڑھیاں بھی آپ نے بڑی بے باک دلیری اور خطرناک شجاعت سے حملہ کر کے فتح کیں۔ اور حملہ کرتے وقت امیر خان اپنے آقا سے کہہ گئے تھے کہ ان گڑھیوں کی فتح میرے ہی دست قدرت پر تقدیر ہو چکی ہے۔ معمولی عقول کے آگے تو یہ تین تین شہادتیں ولی سمجھنے کے لیے بہت ہی کافی ہیں۔

جب پے در پے یہ باتیں سید احمد صاحب سے ظہور پذیر ہوئیں پھر تو امیر خاں نے اپنا مشیر مقرر کر لیا۔ اور کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے نہ کرتا تھا۔ ساتھ ہی ان کامیابیوں کے جو سید صاحب کو حاصل ہوئیں یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے اس ترقی پر بھی اپنے فرائض کے انجام دینے سے پہلو تہی نہ کی۔ یعنی قرآن و حدیث کا وعظ برابر رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی فقرہ کسی حالت میں ایسا زبان پر نہ آتا تھا جس سے پہلے قال اللہ یا قال رسول اللہ نہ کہہ دیا جاتا ہو۔ اس مستعدی اور زبانی پند و نصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خاں مع اپنے کل بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی بن گیا۔ اور اس نے

تمام ناروا باتوں سے توبہ کی۔ جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی۔ وہ بھی پورا محمدی بن گیا۔ اور ارکان اسلام کے ادا کرنے میں بڑی سرگرمی کرنے لگا۔ اکثر لشکری شراب خوری اور افعال شنیعہ میں گرفتار تھے سب کی بری عادتیں چھڑا دیں اور ہر ایک شخص کو پاک باز مسلمان بنا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کرامت کیا کم ہے کہ ایک شخص نے پچیس تیس ہزار لشکر کی حالت کو معہ اس کے امیر کے بدل دیا اور ہر ایک کو شریعت محمدی کا سچا متبع بنا دیا۔

۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرا دی اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان۔ لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے برا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خاں کی سمجھ میں آ گئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا۔ کہ گذارہ کے لیے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں بآرام بیٹھوں۔ امیر خاں نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورے کے بعد سید احمد صاحب کی کارگذاری سے ہر ریاست

میں سے کچھ کچھ حصہ دے کر امیر خاں سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوا دیا اور بھوپال سے سرونج۔ اسی طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی تیل وقال کے بعد انگریزوں سے دلوا کر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔

یہاں ایک بات قابل نوٹ ہے کہ سید احمد صاحب تقریباً سات برس تک امیر خان کی ملازمت میں رہے اس عرصہ میں آپ کو بارہا مختلف جنگوں میں جانے اور توپ و بندوق و تلوار سے کام لینے کا موقع پڑا ہوگا کہیں کسی ریاست پر آپ نے حملہ کیا ہوگا تو کہیں سرکش گاؤں کو لوٹا کھسوٹا ہوگا۔ غرض ساری باتیں جن سے جنگ و غارت تعبیر ہو سکتی ہے عمل میں آئی ہوں گی اس بنا پر ڈاکٹر ہنٹر سید احمد صاحب پر ناحق غارت گری کا الزام قائم کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب انڈین مسلمان کے صفحہ ۱۱ میں تحریر کرتا ہے۔

"اس نے (یعنی سید احمد صاحب نے) اپنی زندگی ایک سوار سے مشہور قزاق (یعنی امیر خاں پنڈاری) کی ملازمت میں شروع کی اور مدت تک مالوہ کے بارآور قدیم کے گاؤں یا کاشت کو برباد کرتا رہا"۔ پھر اسی صفحہ میں آگے چل کر لکھتا ہے۔

"ایسی حالت میں کہ جب سکھوں کے نظم و نسق نے پڑوسی مسلمانوں کو سخت تنگ کر رکھا تھا۔ سید احمد صاحب نے قزاقی کا پیشہ چھوڑ کر عالمانہ طور پر اپنے کو وقت کے مطابق بنایا اور ۱۸۱۸ء میں مذہبی علوم پڑھنے کے لیے دہلی کے مشہور و معروف ڈاکٹر (یعنی شاہ عبد العزیز صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوا"۔

اس تحریر سے ڈاکٹر ہنٹر کی اصلی معاملات سے بے خبری اور خیالی پلاؤ پکانے اور ایک معاملہ پر فرضی رائے قائم کرنے کا پورا حال کھلتا ہے اول تو قزاق کے نام سے

سید احمد صاحب کو متہم کرنا سراسر بیجا ہے جمنٹ کی طرف خیال پھیرتا ہے دو باتیں
ہیں اول تو ڈاکٹر صاحب کو جب انہوں نے ان واقعات کے نیچے قلم اٹھایا ہوگا
حالات ہی نہیں معلوم تھے دوسرے دن ان کی ابتدائے تحریر سے یہ بات صاف
مترشح ہوتی ہے کہ وہ جس طرح ان سے ہو سکے گا مسلمانوں کو باغی بنانے اور گورنمنٹ
کو ان کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کریں گے چنانچہ ختم کتاب تک انہوں نے
ایسا ہی کیا ہے۔ ان کی ۲۱۸ صفحے کی کتاب غلطیوں کے انبار سے جیسے بھری ہوئی
ہے۔ اسی طرح بے جا تحکم اور غلط منطق کی ہر جگہ جھلک پائی جاتی ہے اگر کچھ بھی
انصاف ہوتا تو وہ مظلوم مسلمانوں کو ایسا متہم نہ کرتے۔

دوسرا سفر دہلی

جب سید احمد صاحب نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سپاہیانہ معاشرت میں
صرف کر لیا اور ساتھ ہی دل کھول کر اپنے مذہبی فرائض کی بھی انجام دہی کر لی تو
پھر آپ نے دہلی کی طرف رجوع کیا۔
یکایک امیر خاں کی ملازمت سے ترک تعلق کر کے دہلی کی طرف رخ کرنا اس تعلق
بھید کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی کنہ کو ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔ فطرت کو جب یہ
معلوم ہو گیا کہ جس کام کے لیے آپ کو بنایا تھا آپ اس کے قابل ہو گئے ہیں تو اندر خود
طبیعت نے اس عظیم الشان کام کا چارج لینے کے لیے دہلی بلا لیا۔
جب آپ دہلی میں تشریف لائے تو شاہ عبد القادر صاحب مترجم قرآن مجید
برادر حقیقی شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی مسجد میں مقیم ہوئے۔ امیر خاں

کی ہفت سالہ ملازمت نے آپ کی ولایت کی دھوم بڑے زور شور سے تمام قرب و جوار میں پھیلا دی تھی اور دوسرے بڑی بات یہ تھی کہ آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ میں ہزاروں روپیہ لشکر میں سے چندہ کر کے بھجوایا تھا۔ دہلی تک آپ کے اتقاء پرہیزگاری اور سب سے زیادہ صاحب باطن ہونے کی آوازیں لوگوں کو چوکنا کر رہی تھیں۔ یہاں مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب نے جو کچھ دھوم مچا رکھی تھی اس کا ذکر مولانا ممدوح کی سوانح عمری میں ابھی دیکھ چکے ہیں ادھر شاہ اسمٰعیل صاحب کسی ایسے رہبر کی تلاش میں تھے جس کی متابعت میں حسب دلخواہ سکھوں سے عوض لیا جائے ادھر سید احمد صاحب کو ایسے ایک مدبر کی ضرورت تھی جو جیسا فاضل اجل ہو اسی قدر بڑا کوہ دمیدان بہادر اور مدبر سلطنت ہو خدا کی قدرت دونوں بزرگ نفوس کی خواہشیں پوری ہو گئیں اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے مل کر یہ پڑھا ؎

مے وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی

شاہ اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب دہلوی نے بیعت کی تو تمام شہروں میں سید احمد صاحب کا ایک ڈنکا بج گیا۔ دہلی سے پٹنہ تک لوگوں کا دن بدن حسن اعتقاد بڑھتا جاتا تھا۔ اور ہر شہر سے ہزاروں روپیہ اور خود لوگ چلے آتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے حکم دیا کہ آپ بطور خود آس پاس کے شہروں میں وعظ فرماویں۔ چنانچہ سید احمد صاحب مجرد دوگرہستی کے روانہ ہوئے اور دور دور دراز اپنی خوش بیانی کی دھوم مچادی۔

چار برس کے عرصہ میں نوجوان سید نے ہزاروں کو اپنا مرید بنا لیا اور ایک عجیب طرح لوگوں کے دلوں میں محمدی مذہب کی پھونک دی سب نے

شرک و بدعت سے توبہ کی اور سچے عامل بالسنت بن گئے۔

اس عرصہ میں ایک بار اور بھی سید احمد صاحب کو اپنے وطن میں جانے کا اتفاق ہوا کیونکہ آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا چند ماہ تک اپنے وطن میں رہے اور پھر پٹنہ اور کلکتہ کے سفر کو روانہ ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحئی صاحب دہلوی ہمراہ تھے یہاں ایک شخص عبدالرحیم[1] نامی دہریہ رہتا تھا جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی شاگرد تھا اور مذہبی علوم میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا۔ مگر ذات خدا سے انکار تھا اس لیے مولنا محمد اسمٰعیل اسے عبدالرجیم کہتے تھے۔ ان سے بھی دو تین مناظرے ہوئے گو وہ ساکت ہو گیا مگر اپنے دہریہ پن سے باز نہ آیا۔ کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی۔ تو کئی لوگوں نے جہاد میں شامل ہونے کا اقرار کیا۔ اور ہزاروں روپے چندہ جمع ہوا

خلفاء کا تقرر

سید احمد صاحب نے سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے روپیہ جمع کرنے کے واسطے مختلف شہروں میں خلیفے مقرر کیے۔ ان کا یہ کام تھا کہ ہر قصبہ اور گاؤں بگاؤں وعظ کہتے پھریں اور سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے روپیہ جمع کریں۔ چندہ جمع کرنے والوں کا دارالخلافہ پٹنہ کو سمجھنا چاہیئے جہاں سب سے زیادہ گرمجوشی سے چندہ جمع ہوا تھا۔ اور بنگالہ کا ایک حصہ اپنی جان و دل سے فریفتہ

---

[1] غالباً یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے سبعہ معلقہ کی شرح لکھی ہے (مصحح)

کرنے کو آمادہ تھا۔

ابھی مجاہدین اور روپیہ جمع ہونے کے لیے ایک عرصہ دراز کی ضرورت تھی اس نظر سے یہ بہتر سمجھا گیا کہ حج بیت ہی کر آنا چاہیئے۔ جب تک سید احمد صاحب کے خلفا رچندہ اور آدمی جمع کرتے رہیں گے۔

چنانچہ یکم شوال ۱۲۳۶ھ بروز عید الفطر بعد ادائے نماز عید رائے بریلی سے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ آپکے ہمراہیوں کی تعداد مع عورتوں اور بچوں کے چار سو سے زیادہ نہ تھی۔ اس قافلہ کا خرچ کچھ سید صاحب کے ذمہ تھا اور بعض مالدار لوگ اپنے آپ کفیل تھے۔ مگر سید صاحب نے فرمایا کہ ہم سارے قافلہ کا خرچ اٹھائیں گے کوئی شخص ایک پیسہ بھی نہ خرچ کرے آئندہ وقت پر دیکھا جائے گا۔

سید احمد صاحب کا حج بیت اللہ

جس وقت آپ بمبئی پہنچے ہیں صدہا آدمیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا بہت سے تماشائی تھے اور بہت سے محض صورت دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے جو سید احمد صاحب سے بیعت کرنے کے بھوکے تھے۔ چند روز تک آپ بمبئی میں رہے صدہا آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر عہد واثق کیا کہ آئندہ سے ہر شرک و بدعت کو ترک کر کے وحدت پرستی کریں گے اور شریعت محمدی کے خلاف ایک کام بھی حتی الوسع نہ کریں گے۔ جو کچھ اصلاح سید احمد صاحب نے کی خدا انہیں اس کا بہت بڑا اجر عطا فرمادے گا۔ ہزاروں کو مسلمان بنادیا اور ان کی لوح دل سے وہ خیالات فاسدہ بالکل دھو دیئے جنہوں نے انہیں راہ حقیقت سے

بھٹکا کر ظلمت کدہ کی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔

پھر آپ بخیر و عافیت جہاز پر سوار ہوئے اور جہاز نے جدہ کی طرف لنگر اٹھایا جدہ تک پہنچتے پہنچتے دو تین جانیں تلف ہو گئی تھیں، حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہو گئے تھے اور ایک حمل بھی گر گیا تھا۔ یہ بھی نہایت معمولی باتیں ہیں۔ جو شب و روز جہازوں پر ہوتی رہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ صحیح و سالم سید صاحب معہ اپنے مریدوں شاہ اسمٰعیل وغیرہ کے جدہ پر اترے۔ ابھی تک جدہ میں یہ خبر مشہور نہ ہوئی تھی کہ سید صاحب تشریف لائے ہیں اسی وجہ سے سید ص سب کو بہت آرام ملا اور لوگوں نے جمٹ کر زیادہ تکلیف نہ دی۔ مگر مکہ شریف میں پہلے ہی سے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ سید صاحب معہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے آتے ہیں وہ لوگ سخت مخالفت پر آمادہ تھے۔ کیونکہ نجد کے وہابیوں سے خونخوار جنگیں ہو چکی تھیں اور وہابیوں کی پابندی شرع سے مکہ اور مدینہ والے سخت خائف تھے۔ اور ان کا ارادہ تھا کہ سید صاحب کو مع مولوی اسمٰعیل صاحب گرفتار کر لیں چنانچہ جب آپ مکہ شریف میں داخل ہوئے ہی چار ترک سوار پہنچے اور سید احمد صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو شریف مکہ یاد فرماتے ہیں سید احمد صاحب سیدھے شریف مکہ کے پاس پہنچے۔ مولانا شہید اور مولوی عبدالحی دہلوی وغیرہ چیدہ علماء ہمراہی میں تھے۔ شریف مکہ صورت دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا اور سب سے بکشادہ پیشانی معانقہ کیا اور اپنے برابر بٹھا کر چائے وغیرہ منگائی۔ پھر مطلب کی باتیں ہونے لگیں۔ مولوی اسمٰعیل مجیب تھے۔ گھنٹہ بھر تک خوب باتیں ہوتی رہیں۔ جب آپ کا پورا پورا اطمینان ہو چکا تو اس نے دوبارہ اٹھ کر سید صاحب اور آپ کے

دوستوں سے معانقہ کیا اور خاص اپنے ہاں سارے قافلہ کو مہمان رکھا۔ ہر چند سید صاحب نے فرمایا کہ آپ اتنا کیوں بار اٹھاتے ہیں۔ مگر شریف مکہ نے نہ مانا اور ایام حج تک اپنے ہی ہاں رکھا یہ ضرور رہتا کہ روزمرہ کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی عرب رئیس دعوت کرتا رہتا تھا۔ اور جو کچھ خاطر مدارات ہوتی تھی اس کا اندازہ وہی شخص بخوبی کر سکتا ہے۔ جو ہمراہ ہوگا۔ میں قیام مکہ معظمہ کے حالات بیان کر کے ناظرین کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ آپ قیام مکہ اور سفر مدینہ منورہ میں خوش و خرم اور صحیح و سالم رہے۔ اور کسی قسم کی آفت آپ کے کسی ساتھی پر نہ آئی۔ مرض وغیرہ کی طرف سے بھی آپ کا قافلہ پاک تھا۔ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے بعد آپ واپس وطن پھرے۔

سید صاحب کی واپسی وطن

حج بیت اللہ میں نجدی لوگ بھی آپ سے آ آ کر ملے تھے اور اپنی لڑائیوں کا ترکوں کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے اس پر پادری ہیو جیز صاحب یہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

''عبدالوہاب کے جانشینوں نے وہابیت کے اصول سید صاحب کو تعلیم کیے اور انہیں بتا دیا کہ مذہبی روح لوگوں میں پھونکنے کے بعد یہ کامیابی ہوتی ہے اور یوں ملک ہاتھ لگتے ہیں''۔ (از ڈکشنری آف اسلام)

میرے خیال میں پادری صاحب کا یہ لکھنا محض غلط ہے۔ عیسائیوں میں اکثر مصنف ایسے دیکھنے میں آئے کہ جب وہ کسی مشرقی خصوصاً اسلامی معاملہ پر

رائے زنی کرتے ہیں تو اس کی بنا محض ہوا پر ہوتی ہے جو اصل واقعہ سے بہت ہی مستبعد ہوتا ہے مستبعد کیا بھلا کہاں سید صاحب کا نجدیوں سے تعلیم حاصل کرنا حالانکہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبدالحی دہلوی وغیرہ علماء آپ کے ہمراہ ایسے تھے جو آپ کی تعلیم کے لئے کافی تھے۔ ایسی لغو اور لایعنی باتیں دیکھ دیکھ کر مغربی مصنفوں کی دن بدن قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور اگر اب یہ کوئی بات صحیح بھی لکھتے ہیں اس میں بھی غلطی کا اشتباہ ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہادر یہ لکھتے ہیں کہ سید احمد نجدی تھا اور پوشیدہ دارالسلطنۂ دہلی میں آکر کچھ دن رہا اور پھر یہ مشہور کر دیا کہ میں رائے بریلی ہوں۔ تاکہ لوگ غیر ملک کا سمجھ کر مجھ سے بھڑکیں نہیں۔ بھلا اس صریح جھوٹ کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے ناظرین نے محققوں کے سرتاج ڈاکٹر ہنٹر کی لاثانی تحقیقات دیکھ لیں اور ساتھ ہی پورڈنیس کی تحقیق پر بھی نگاہ کر لی کہ ایک سے ایک زیادہ محقق ہے۔

سید احمد صاحب جب جدہ سے روانہ بمبئی ہوئے ہیں تو آپ کے دل میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ دیکھئے جنہیں میں مقرر کر آیا ہوں۔ انہوں نے حسب دلخواہ کارگذاری کی یا نہ کی مگر الحمد للہ ان لوگوں نے سکھوں پر جہاد کرنے کے لئے چندہ اور آدمی جمع کرنے میں بہت زیادہ کام دیا اور یک نام تحریک تمام ہندوستان اور خاص کر ملک بنگالہ میں پھیلا دی جب آپ بمبئی تشریف لائے ہیں تو آپ کے وکیل استقبال کے لئے بندر پر جمع تھے۔ خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور مرحبا صد مرحبا کی صدائیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

جتنا اثر پٹنہ اور کلکتہ مدراس وغیرہ میں سید صاحب کا تھا بمبئی میں نہ تھا

یہاں آپ نے چند روز قیام کیا اور آپ نے وکیلوں کے مشورہ سے ایک بار اور بھی کلکتہ، پٹنہ وغیرہ کا دورہ لگانا شروع کیا جس جگہ سید صاحب تشریف لے جاتے تھے لوگ یک زبان ہو کر یہ کہتے تھے۔

گر بہ سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

سید صاحب اس سفر میں خاص اس شخص سے بیعت لیتے تھے جو جہاد پر سکھوں کے مقابلہ میں جانے کے لئے مستعد ہو چنانچہ ہزار بارہ سو آدمیوں نے بیعت دیا۔ اور عرض کیا کہ جس وقت حضور کا حکم ہوگا۔ ہم سرحد پر پہنچ جائیں گے روپیہ بھی بکثرت جمع ہو گیا تھا۔ اور دن بدن ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور ایک نئی تاریک ادھ ممالک مغربی شمالی اور بنگال میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

جب یہ تحریک چلی تو ضلع کے حکام اس سے چوکنے ہوئے اور انہیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے اور موجودہ امن میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکام اعلیٰ کو لکھا وہاں سے صاف جواب آگیا ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور حقیقت میں بات بھی یہی تھی ان کا ارادہ صرف سکھوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لینا تھا۔ جن کے دلخراش مظالم کا بیان ہم مولانا شہید کی سوانحعمری میں بیان کر چکے ہیں۔

اس دورے گشت کے بعد سید صاحب معہ چند دوستوں یا اپنے مریدوں کے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو اپنے وطن میں علی الصبح داخل ہوئے بعض دوستوں نے فدویت نامے پیش کئے اور بعض نے قصائد پڑھے اور بعض نے اڈریس دیئے

ایک عجیب سماں بندھ گیا۔

سید احمد صاحب نے عام طور پر دھڑلے سے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دے دی کہ سکھوں پر جہاد کرنے کے وعظ ہوں۔ اکثر شہروں میں وعظ ہونے شروع ہوئے پہلے لوگوں کے دلوں میں تحریک بس رہی تھی اب عام طور پر ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں یہ تمام ہیں ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔ مولانا شہید کی سوانح عمری میں تمام جنگوں کا حال مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے ان کا اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے اس لئے میں کچھ اور خاص باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے سید صاحب کی ذات کو خاص تعلق ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کو بھی بہت کچھ اس کے ساتھ لگاؤ ہے

یہ ذرا توجہ سے سننے کی بات ہے کہ سید احمد صاحب نے جب سکھوں سے جہاد کا ارادہ کیا ہے تو ان کے پاس چار سو سے زیادہ آدمی نہ تھے ہر شخص جنگی معاملات سے کچھ بھی آگاہی ہے یہ دلیری اسے مضحکہ خیز اور مجنونانہ معلوم ہوگی۔ رنجیت سنگھ کی جنگی قوت کی دھاک تمام ہندوستان میں بیٹھی ہوئی

تھی۔ وہ کسی سے دبتا نہ تھا۔ سرکارِ انگریزی کو کابل کا جب رستہ دیا ہے۔ جبکہ روپیہ محصول زمین کا لیا۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی رنجیت سنگھ کی ایک بڑی فوجی قوت تسلیم کر لی تھی۔ ایسے زبردست حکمران کے مقابلہ میں سید صاحب کا چند ایسے آدمیوں کا لے جانا جب کے باپ دادا نے نہ کبھی تلوار ماری نہ جنہوں نے خود بچپن سے ایسی مشق کی نہ فنونِ جنگ ماہر نہ سامانِ جنگ پاس نہ رسد کا انتظام نہ پشت پناہی کے لئے کوئی حکمران محض امید موہوم پر پنجاب پر معدودے چند نفوس کے ساتھ حملہ آور ہونا اور دلیری سے ادھر ادھر پھرنا یہ ساری باتیں بظاہر دیکھنے والے کو بچپن کے کھیل اور طفلانہ اٹکھیلیوں سے زیادہ وزن کی نہ معلوم ہوں گی۔ مگر نہیں جب اس ارادہ فطرت پر غور کیا جائے گا تو سید احمد صاحب کی صائب رائے کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا

آپ نے ہندوستان میں جوش پھیلانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ گر ہم ایک کام کو شروع کریں تو لوگ روپیہ اور آدمی برابر بھیجتے رہیں گے چنانچہ یہ خیال آپ کا بہت صحیح تھا بے شک برابر مدد جاری رہی جب تک آپ کی شہادت کی خبر نہ آئی جوش ٹھنڈا نہ ہوا۔ جب ہم اور بھی زیادہ غور سے دیکھتے ہیں تو اس بات پر بھی سید صاحب کا زیادہ بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ مولانا شہید کے مشورہ سے پورا یقین کر لیا گیا تھا۔ وہ ظاہری اسباب بھی اس امر کے موید تھے۔ کہ سرحدی رئیس اور عوام آدمی سکھوں کے تعصب اور اذیت دینے اور توہین اسلام کرنے سے رنجیت سنگھ کی گورنمنٹ سے نہایت بد دل ہو رہے ہیں انہیں کوئی سردار اس وقت ملنا چاہیے۔ وہ یک دل ہو کر رنجیت

سنگھ کی اطاعت کا جوا کندھے پر سے اتار ڈالیں گے پھر ہمیں خاطر خواہ کامیابی ہو گی یہ خیال سید احمد صاحب کا بہت ہی ٹھیک تھا۔ اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہو جاتی اگر ان کے اعمال بے اعتدالی نہ کرتے اور یک لخت انہیں مجبور نہ کرتے کہ وہ ناگوار طور پر پابندی شریعت کریں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ سید احمد صاحب کے اعمال ہی کا سراسر قصور تھا ہمیں سرداران سمہ اور پشاور کی زر پرستی اور بے ایمانی میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے رنجیت سنگھ کے ہاتھ پشاور فروخت کر کے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کی قسمت جبر دشمن اسلام سکھوں کی مٹھی میں سونپ دی تھی۔ ایک ہاتھ سے تو تالی بجنی مشکل ہے پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ سید احمد صاحب اور مولانا شہید نے تو اپنی جان بازیوں کا ایک اعلٰے درجہ کا نمونہ پیدا کر کے جہان کو دکھایا۔ اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں پر کسی قسم کی زیادتی بدنیتی سے نہیں کی۔ مگر یہاں کا خیال رہنا ساکیونکہ بنا سکتے تھے، اور انہیں پولیٹکل دماغ کیوں کر دے سکتے تھے۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ جس جوش و خروش اور امنگ سے سید صاحب نے جہاد کا ارادہ کیا تھا اس سے زیادہ عجیب اور دلولوں اور عرب جوشوں سے خدا کی راہ میں جان دے دی۔ مذہبی انتقامی جوش سکھوں کے مقابلہ میں آخر دم تک جوں کا توں بنا رہا، اور ہمارا بارہویں صدی کا ریفارمر اپنی قوم پر جان نثار ہو گیا۔

بعض واقعات کا ذکر سید صاحب کی شہادت

سید احمد صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے علاوہ اس دیرینہ تعلق کے جو آپ کے بزرگوں سے تھا۔ بڑا تعلق مجری ہونے اور اس اہم اور خونخوار معاملہ کی طرف قدم اٹھانے کا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تو طلباء کے پڑھانے اور مختلف مسائل پر فتوے دینے سے فرصت نہیں تھی۔ ہاں آپ کے عالی قدر خاندان کے افراد چندہ جمع کرنے اور سید صاحب کو روانہ کرنے میں سرگرم تھے۔ چنانچہ جب سید صاحب یاغستان میں تھے تو مولانا محمد اسحٰق صاحب[1] محدث دہلوی نے کچھ اوپر سات ہزار روپیہ سید احمد صاحب کو بذریعہ ہنڈی روانہ کیا تھا۔ وہ کسی باعث سے نہیں پہنچا تھا۔ اس پر نالش کی گئی تھی۔ اور پھر روپیہ وصول کر کے دوبارہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس کی بابت سید صاحب بہ تحریر فرماتے ہیں

از امیر المومنین سید احمد بخدمت بابرکت صاحب زادہ والا تبار مولانا محمد اسحاق صاحب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلمہ اللہ تعالےٰ بعد از سلام مسنون و دعائے اجابت مقرون واضح آں کہ بتاریخ دہم ماہ رمضان ہنڈوی۔ مبلغ ہفت ہزار صد و پنجاہ روپیہ رسید لیکن بجز پرچہ کاغذ یک خم مہرہ ہم نرسید موجبش دریافت

[1] اہل حدیث اور احناف کی دونوں جماعتوں (دیوبندی)، اور دہلوی کی سند حدیث کے واحد جانشین شاہ محمد اسحٰق صاحب ہی ہیں (مصحح)

نیست کہ سبب تعویق آں برنگارند۔ زیادہ والسلام مع الاکرام!

اس سے یہ بات صاف ہوید ہوتی ہے کہ سکھوں کے مقابلہ میں تمام ہندوستان (خاص ہندوستان سے مطلب ہے) کہ سربرآوردہ لوگ کیسے آمادہ تھے اور کس جوش سے چاہتے تھے کہ مظلوم مسلمانوں کا ان سے انتقام لیا جائے جتنا روپیہ دہلی سے مجاہدین کو پہنچا تھا۔ اور کسی شہر سے اتنا نہیں پہنچا۔ ساتھ ہی اس کے ایسے عنصر بھی دہلی میں موجود تھے جنہوں نے حامیان دین اسلام کی شہادت کی خبروں سے خوشی منائی اور جامع مسجد میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ اور نامعقولیت سے غلیظ اشعار موزوں کیے گئے۔ اگر پولیس کامل بندوبست نہ کرتی تو آٹھ دس آدمیوں کا دہلی میں اس دن خون ہو جاتا۔ ایک شاعر نے تاریخ شہادت مولانا شہید نہایت غلیظ اور ناپاک الفاظ میں لکھی تھی۔ اور چند بدمعاش نے اس کی اشاعت بھی دینی شروع کی تھی کہ مولانا شہید کے دوستوں کو خبر ہوئی وہ ہتھیار بند شاعر کے مکان پر پہنچ گئے۔ اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا شہر میں ایک دندہ مچ گیا۔ آخر پولیس بھی آگئی بڑی منت و عاجزی کے بعد انہیں باز رکھا گیا۔ شاعر نے توبہ کی اور مسودہ ان کے سامنے چاک کر ڈالا اس کے چاک کرنے سے پہلے ان کی متعدد نقلیں ہو چکی تھیں۔ یک نقل ہماری نظر بھی پڑی تھی۔ سوائے مادہ خواہی اور کافر و مرتد بنانے کے اور کچھ بھی شعروں میں موزوں نہیں کیا گیا ہے اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان اشعار کو نقل کر کے اپنی کتاب کی تہذیب بگاڑوں اور مسلمانوں کو بے جا تکلیف دوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اور آپ کا کل خاندان اور اس خاندان کے کل معتقد سید احمد صاحب سے ہمدردی کرتے تھے زبانی نہیں بلکہ عملی مولوی محبوب علی صاحب کو شاہ صاحب نے ہی رد نہ فرمایا تھا انہوں نے وہاں جاکر اپنے ملانی دماغ کے صدقہ میں وہ گل کھلایا جس کا ذکر پہلے حصہ میں ہو چکا غرض اس والا تبار خاندان نے جہاں تک ہو سکا روپیہ اور آدمیوں سے مدد دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ جس کام کے لئے سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے کمر ہمت باندھی ہے وہ بجائے درست ہونے لازم بلکہ فرض ہے جو خیال سید احمد صاحب کا تھا یا جو آرزو سید صاحب نے کی تھی وہ پوری ہو گئی تھی یعنی لاکھوں آدمی شریعت محمدی پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کی ہرگز ملک گیری کی خواہش نہ تھی نہ یہ غرض تھی کہ میں سلطان یا شاہ یا حکمران بنوں بلکہ اصلی مقصد یہ تھا کہ جس طرح ہو بدعت و شرک مٹ جائے اور بس۔

میں نے جو کچھ سید احمد صاحب کی بابت لکھا ہے اگر پڑھنے والا آنکھیں کھول کر پڑھے گا اور اس کی طبیعت میں کچھ بھی انصاف ہوگا اور اس کی آنکھوں میں تحریر سے مصنف کی خوش اور غیر خوش نیتی کے تاڑ لینے کا مادہ ہوگا تو وہ سمجھ لے گا کہ بزرگ سید کی اصلی سوانحعمری یہاں بیان ہوئی ہے اور ڈھکوسلے بازی دوسرے سوانح نویسوں کی کتابوں میں موجود ہے جاہے اس سے دلچسپی لے اور چاہے اس سے بے تسکین کرے۔

نواب وزیرالدولہ موجودہ حکمران ٹونک کے دادا صاحب ایک سچے

سادہ اور صاف دل مسلمان تھے ان کا سید احمد صاحب پر بڑا اعتقاد تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت جنت آشیان امیر خان صاحب بہادر کو جو کچھ ریاست میں ترقی ہوئی وہ سب سید صاحب ہی کا طفیل تھا۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ ہمارا یقین ہے کہ ایک بزرگ قوم کی دعا بعض وقت قبول ہو جاتی ہے۔ اور معاً اس کا نتیجہ بر آمد ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ ایسے شخص کو ہم خدا سے جا ملائیں اور اُسے ادنیٰ ادنیٰ کاموں میں اپنا سفارشی بنا کر نے چلیں یہی بہت بڑی وجہ تھی کہ وزیر الدولہ کو جب کہ اعتقاد تھا اور لوگوں کو جو ان کے ہمراہی وغیرہ سے واپس آئے تھے دربار میں نواب صاحب کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی اور کوئی صورت ہی نہ تھی سوا اس کے کہ ان کے غائبانہ پیر کی مدح سرائی کی جائے اور ایسی ایسی کرامتیں اس بزرگ کے بعد کے سر چپکی جائیں جن سے ان کی ذات بالکل مبرا تھی۔

سید صاحب نے ایک خط نواب وزیر الدولہ بہادر والئے ٹونک کے نام لکھا ہے جس میں مجاہدین کے لئے نواب صاحب سے چندہ طلب کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مولینا محمد اسحاق صاحب کے پاس اگر روپیہ پہنچ جائے گا تو وہ یہاں تک پہنچا دیں گے اور اسی کے خط میں یہ بھی مرقوم ہے کہ مولانا اسحٰق صاحب نے پہلے روپیہ بھیجنے سے انکار کیا تھا۔ کہ اس وقت انہوں نے یہاں تک بھیج دینے کا کوئی وسیلہ بہم نہ پہنچ پاتا تھا۔ ورنہ وہ فوراً لے کر روانہ کرتے۔ اس کے آگے نواب کو یہ تحریر کی ہے کہ اس بات سے آپ مطمئن خاطر رہیں ان تمام باتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ نواب ٹونک نے براہ راست روپیہ نہ بھیجنا مناسب نہ جان کر مولانا شاہ محمد اسحٰق کے ذریعہ سے بھیجنا چاہا تھا۔ جبکہ

اس وقت اس کے پاس روپیہ روانہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ اور جب انہوں نے یہ سنا ہو گا کہ مولانا صاحب نے ذریعہ بہم پہنچا لیا تھا اور اس پر سید صاحب کا بھی خط پہنچا ہو گا تو ضرور دس بیس ہزار روپیہ سے مدد کی ہو گی جس کا شکریہ رقم کی تصریح نہ کر کے سید صاحب نے اپنے خط میں ادا کیا ہے

آخری معرکہ جہاں سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید ہوئے ایک عجیب حسرتناک تھا جسے دیکھ چشم سے بھی خون کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ بظاہر یہ ایک شاعرانہ مبالغہ ہے بگر حقیقت امر یہ ہے کہ میں نے چشم فلک آفتاب کو کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ اسلام کے معصوم بچہ کو چشم فلک سے تعبیر کیا ہے۔

وہ بے مثال آرزوئیں اور امیدیں جو دونوں بزرگوں کے دلوں میں بہت برسوں سے اکٹھی ہی تھیں ان کا کامل طور پر خون ہو چکا۔

ہزارہ کے قریب مجاہدین کا پشاور میں شہید ہونا اور یہ وحشتناک خبر سن کر سید صاحب کا یہ فرمانا کہ اب ہم اس ملک پنجاب سے ہجرت کرتے ہیں کبھی بھی اس طرف نہ آئیں گے سمجھنے والوں کے لے ایک بھالا ہے جو کلیجہ میں لگا اور پشت سے پار ہو کر نکل گیا۔ آپ کی شکستہ خاطری کا کون اندازہ کر سکتا ہے ہاں اس سے اندازہ کچھ ہو سکتا ہے۔ کہ اتنی جان کاہی کے بعد اتنا بڑا حصہ ملک فتح کر کے اور اس کے ساتھی اپنی نادانی سے کھو دیں۔

بالاکوٹ کا ملک ہے فجر کے دو ساعت جاتے ہیں فطرت کا مزاج غیر معتدل اور افسردہ ہے آفتاب کا روشن گروہ غلیظ غبار سے اس طرح تھرتھرا کر نکلا ہے گویا کوئی مہ جبین نیغ بکف ہو کر عاشق کے قتل کرنے کے لئے مقتل میں آتا

ہے سامنے کے پہاڑوں پر ادھر ادھر بہت دور کے فاصلہ پر شیر سنگھ خبر الخوج سکھاں کی پلٹنیں پڑی ہیں پہاڑوں کے نشیبی جانب دلدل ہے جس کا کوئی شاہ گذر راستہ دکھلائی دیتا ہے۔ سکھ چیرہ دست اور خونخوار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے چہرے بشاش اور تروتازہ ہیں ہر سکھ تازہ دم ہے، انہیں مسلمانوں کی شکستہ حالی اور بے سرو سامانی کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ وہ ان کی حالت زار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔

ان کی خوشی کا کیا عالم شراب میں اور اپنی قوی سلطنت اور شیر پنجاب رنجیت سنگھ کی قوت کے گھمنڈ پہ مست ہیں اور اس وقت جہاں میں اپنا ہم پلہ انہیں کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا ان کے مقابل میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور سید صاحب شکستہ دل مصیبت زدہ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں مورچہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں اور صرف ایک اللہ کے نام پر اپنی جان دینی ثواب جانتے ہیں۔ وہ بے شک افسردہ ہیں لیکن ان کی افسردگی سکھوں کی تازگی پر داغ رکھتی ہے وہ بے شک بے سرو سامان ہیں مگر ان کی بے سرو سامانی سکھوں کے ساز و سامان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے وہ بمقتضائے فطرت انسانی اپنی شمشیر زنی کی کوششوں میں کامیاب ہونے سے بد ناکام ہو کر گو کسی قدر افسردہ ہیں مگر شہادت کا خوشانہ خیال ان کے قوی دل اور مرد میدان ہونے کی شہادت دے رہا ہے سید احمد صاحب اپنے باڈی گارڈ کے بیچ میں کھڑے ہوئے اپنے بہادر جنرلوں کی مختلف مورچوں پر جانبازیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں قبضہ شمشیر ہاتھ میں ہے میان توڑ کر پھینک دی ہے۔ آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے

تیزی سے اُٹھ رہے خونی واقعہ کی شہادت دے رہے ہیں چہرہ سے خوفناک بشاشت جس میں جنگ کی آرزو ملی ہوئی ہے جلوہ دے رہی ہے کبھی آپ مسکرا کر باتیں کرتے ہیں اور کبھی اپنے ساتھیوں کو دلاسا دیتے ہیں اس شیر ببر کی صورت پر ذرا بھی ہراس نہیں ہے بلکہ ایک ایک لمحہ جو گذر رہا ہے اس نڈر بہادر پر شاق گذر رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ سکھوں پر تنہا ٹوٹ پڑیں۔ مگر اپنے ساتھیوں کی زندگی خطرہ میں پڑنے سے خوف معلوم ہوتا ہے اور اس ارادہ کو فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے،

مولانا اسمٰعیل کا جنگ کی حالت میں بار بار اپنے محتشم امیر کو یہ آوازیں دینا کہ حضور اطمینان رکھیں اتنے مورچے فتح کر چکا ہوں اب شیر سنگھ کو بھگایا ایک بے خطر دلیر کی یہ کڑاکے کی صدا جو تلواروں کی جھنکار اور بندوقوں کی ٹھائیں ٹھائیں میں سے ہو کر آتی تھی۔ مجاہدین کے دل اور بھی قوی کرتی تھی اور ان میں نئے طرز کی زندہ دلی کی ایک تازہ روح پھونکتی تھی۔

مولانا شہید سید صاحب کے باڈی گارڈ کے افسر سے کہہ گئے تھے۔ کہ جب تک میں کہلا کر نہ بھیجوں یہاں سے ایک قدم نہ آگے بڑھانا نہ پیچھے ہٹانا اور کل مورچوں میں جنگ ہو رہی ہے۔ سید صاحب اپنے پیارے مرید کی جان بازی چشم قدرت سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور پے در پے مورچوں کا فتح کرنا انہیں بہت کچھ شاداں و فرحاں بنا سکتا تھا۔ مگر اس یقین کو کیا کرتے جو برابر شہادت کی بشارت کی فرحت بخش خبر دے رہا تھا۔

یہ خونی موتو بہت دلگداز تھا۔ سید صاحب کے وہ ساتھی جو اوّل دن سے خوشی اور غم میں شریک رہے تھے۔ اور کبھی زمانہ کی جفاکاری، دردناک

مصائب کا ان پر کچھ اثر نہ پڑا تھا۔ اور جو سکھوں سے اکثر میدان لے چکے تھے اور جنہوں نے مختلف جنگوں میں بہت کچھ نام پا یا تھا۔ وہ اب ایک ایک کر کے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے تھے۔ اس جتھے کی تفریق ہونے والی تھی جو سید صاحب اور مولینا شہید کی ذات سے قائم تھا۔ وہ شیرازہ درہم برہم ہونے والا تھا جس کے بندھن مدت میں جا کر بندھے اور مضبوط ہوئے تھے جن کی حالت زار پہ زمانہ عنقریب یہ نوحہ پڑھے گا۔

یا شب کو دیکھتے تھے ہر گوشہ بساط ۔۔۔ داماں باغبان کف گل فروش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں ۔۔۔ نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

گھنٹے گذر گئے اور آخر جنگ ہوتے ہوتے پورے چار بج گئے۔ تاہم کوئی فیصلہ ہنوز ہوتا ہو دکھائی نہ دیا۔ یہاں تک کہ تاریکی کی چادر نے سب کو اور بھی چند پہر کی آرام لینے کے لئے مہلت دی مجاہدین کو یہ یقین ہو چکا تھا۔ ہمارا خون اسی سرزمین پر گرایا جائے گا۔ اور اب ہم آگے نہیں جا سکتے سکھو کے جنرل شیر سنگھ کو ایک ہی دن کی جنگ میں اپنی فوج پر یہ بھروسہ نہ رہا تھا۔ کہ وہ کل بھی مجاہدین کے مقابلہ میں اسی سختی و خونخواری سے اور سینہ سپر ہو کر جنگ کر سکے گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایک خوف دو طرف ہوتا ہے۔ بایں ہمہ طرفین کے بہادروں کی تلواریں میان میں لوٹ رہی تھیں کہ کسی طرح جلدی صبح ہو تو ہم اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کریں۔

صبح ہوئی آفتاب ایسی تیزی اور چمک سے کرنوں والا تاج پہن کر

نکلا آج آفتاب کا چہرہ دیکھنے والوں کو اور بھی زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا انہیں یقین تھا کہ آج ہی ہماری اور سکھوں کی قسمتوں کا فیصلہ قطعی طور پر ہو جائے گا۔

جب آتش کارزار گرم ہوئی اور اب ہر طرف سے جنگ چھڑ گئی۔ توپوں بندوقوں اور تلواروں کی دھواں دھار آوازیں آنے لگیں تو سید صاحب نے بھی تیور بدلے اور دو دو ہاتھ کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے اپنے باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ جدھر میں جاؤں میرے ساتھ تم بھی کودپڑنا۔ بھلا اس کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ لوگ تو اس سے موجود ہی تھے مگر اس قدر کہنے میں ایک بھید بہت بڑا یہ تھا گویا آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے تھے ابھی آپ ہی ملاحظ فرما رہے تھے کہ کس مورچہ پر حملہ کروں اور کیوں کر شیر سنگھ کا سر کاٹ کر لاؤں کہ اتنے میں یہ غضب ناک نظارہ دکھائی دیا۔ کہ مولانا محمد اسمٰعیل کا جھنڈا ایک سکھ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ دیکھتے ہی آپ بے تاب ہو گئے۔ اور اس بے تابی سے جھپٹ پڑے کہ پھر یہ خبر نہ رہی کہ میں کیا ہوں میرے ساتھ کتنے آدمی ہیں اور جن پر میں حملہ کر رہا ہوں وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

سید صاحب قلب لشکر میں نہ پہنچے تھے کہ ایک گولی آپ کی ٹانگ میں لگی آپ گولی کے صدمہ سے جھک رہے تھے کہ ایک گورساف آپ کے باڈی گارڈ میں سے آپ کو اڑا کرلے گیا جس سے شیدائی مجاہدین کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب مرحوم آسمان پر بلائے گئے ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ سید صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسمٰعیل بھی

آسمان پہ چلے گئے۔ مگر یہ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے دن شیر سنگھ نے
ان دونوں بزرگوں کی نعشوں کو شناخت کراکر نہایت عزت کے ساتھ
انہیں بالاکوٹ ہی میں دفن کرادیا۔ مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے اور سید
احمد صاحب کی قبر حضرت موسیٰ اور حضرت علی کی قبر کی طرح مشتبہ ہے یہ جانکاہ واقعہ
بروز جمعہ بوقت ظہر بتاریخ ۲۴ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق مئی سنہ ۱۸۳۱ء
کو وقوع میں آیا جب سید صاحب اور آپ کے اکثر جانباز مرید شربت
شہادت سے سیراب ہو چکے تو بے چارے مسلمان اپنی جانیں بچاکر بھاگے
مگر بدتقدیر پورے طور سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ وہ ایسے بے اوسان
ہوگئے تھے کہ انہیں یہ تمیز نہ ہوسکتی تھی کہ جہاں ہم چل رہے ہیں یہ گھاٹی
ہے یا دلدل ہے۔ اناپ شناپ بولا ہٹ میں دیوانہ وار جس طرف
جس کا سینگ سمایا جا نکلا۔ بہت دلدل میں گر کر شہید ہوئے اور بہت سے
تنگ گھاٹیوں اور پہاڑی راستوں میں سخت مظلومانہ حالت میں سکھوں
کا شکار ہوئے۔ اور جن بے چاروں کی زندگی تھی وہ ادھر ادھر پہاڑوں
میں چھپ گئے۔ اس عظیم الشان کام کی وہ ابتدا رتھی۔ یہ انتہا ہے ہمیں
ایسے ایسے بزرگ انفاس کی بے نظیر کوششوں اور لاثانی جانکاہیوں سے
جو انہوں نے قوم کے لئے کیں۔ بہت کچھ سبق لینا چاہئے۔ اگرچہ اس وقت
نہ ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے نہ تلوار پکڑنے کا ڈھب ہے پھر بھی ان ہمتوں
جراتوں، اور اولوالعزمیوں کو ہم کیوں کھوتے ہیں۔ جو تلوار کے ساتھ
لازمی ہوتے ہیں۔ اور ہمیں بھی بخوبی حاصل تھیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ

دنیا میں کوئی نہیں رہنے کا۔ مگر ہمیشہ وہی شخص زندہ رہتا ہے جس نے قوم کے ساتھ کچھ احسان کیا۔ میں نہیں جانتا کہ قوم کی اصلاح کرنی اور اس کی بہتری کی تدابیر میں مشغول ہونے سے ہمیں کون سی چیز روکتی ہے

اب میں اپنی کتاب کو ختم کرتا ہوں اور اپنی جان کاہی کا قوم سے نہیں بلکہ خدا تعالے سے صلہ چاہتا ہوں جو یقیناً بہتر صلہ دینے والا ہے۔

ختم شد

عبدالعزیز تاجر کتب سے اجازت لے کر ایک ہزار شائع کی گئی